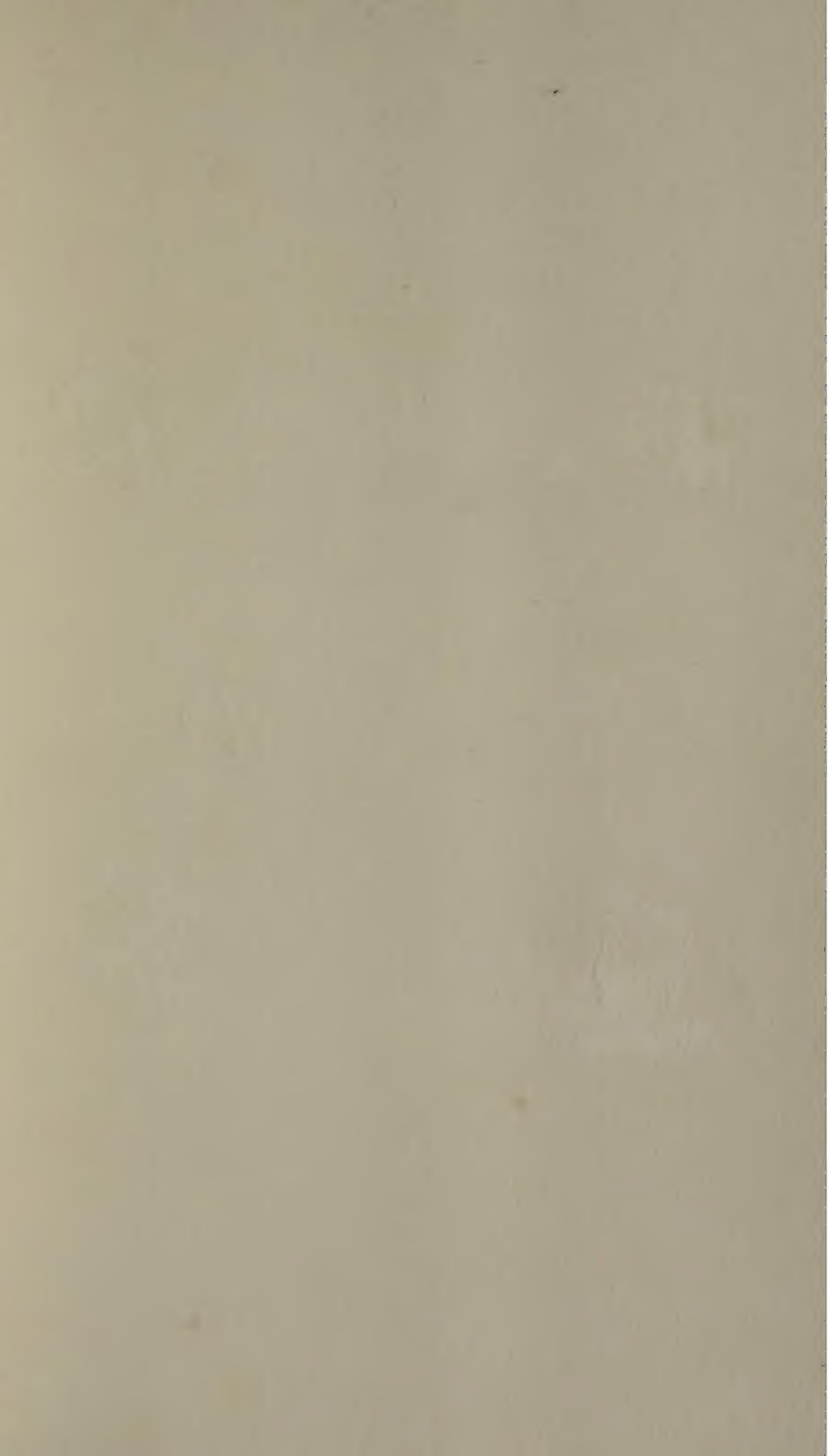


حُسْنِ انْقِلَاب

اسلام کا سیاسی، معاشی اور ثقافتی نظام

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر





حُسْنِ انْقِلَاب

اسلام کا سیاسی، معاشی اور ثقافتی نظام

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

ایم۔ اے۔ ڈی۔ لیٹ

سابق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور



فایروینسٹن پبلشرز

لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی



TECHNICAL SUPPORT BY



CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

انتساب

زندہ انسانوں کے نام

جس کے دلوں میں معاشرتی برطانوں، فیر عورتوں،
ہامانوں، قاروتوں اور آرزوں کے ظلم و استحصال اور
محکومی و غلامی سے نجات اور حسن حیات و انقلاب کی
پہچی آرزو ہے!

چند

تلاش و کوشش

پیشانی و کوشش و تلاش و کوشش

تلاش و کوشش و تلاش و کوشش

تلاش و کوشش و تلاش و کوشش

تلاش و کوشش

فہرست

آرزو و دعا

۱۱

حواشی

۱۳

۲۰

خونچکانی و نشر زنی قلم کیوں؟

۳۰

حواشی

۳۵

باب : انقلاب کیوں؟

(ا) موضوعی انقلاب

(ب) معروضی انقلاب

حسن انقلاب اور فلسفہ آرزو

۴۵

حواشی

۴۸

باب : احکام الہی یا آئین قرآن

(۱) توحید : لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور اِنْ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ

(۲) حسن آزادی : اصول تحدید آزادی۔ اسلامی حکومت

کے سربراہ اور حکومت پر تنقید کی آزادی۔ اصلاح معاشرہ کا

المحول۔ غلامی حرام ہے۔

(۳) عدل و احسان : عدلیہ۔ عدل کی پانچ ناگزیر پیش شرائط

(ا) معاشرتی عدل (ب) معاشرتی احسان (ج) معاشی عدل

(د) سیاسی عدل (ه) ثقافتی عدل اور اس کی اساسی مقتضیات

خمسہ : (۱) تکریم انسانی (۲) اخوت (۳) مساوات (۴) بیرونیات

(۵) حسن اظہار و ابلاغ کی آزادی۔

(۴) قانون سعی و اکساب، طلب و رسد کا ظالما اصول۔

سودکاری کیا ہے؟

(۵) ملکیت الہی و متاع انسانی۔

حواشی

۹۵

۹۹

باب ۳ : اسلامی یا مثالی معاشرہ : اس کے خصائص :

(۱) ایمان و صلوة : ایمان کے پانچ عناصر امتزاجی :

(۱) ایمان باللہ (۲) خالق (ب) رب اور رب (ج) الہ (۴) صلوة

انسان کی مندرجہ ذیل انفرادی اجتماعی کیفیات نفس اور

رویہ حیات پر دلالت کرتی ہے : (۱) انفرادی کیفیات : ایمان

تقویٰ، محبت الہی اور آرزوئے حسن و زندگی (ب) اجتماعی

کیفیات نفس : (۱) وحدت قبلہ (ب) تنظیم۔

(۳) زکوٰۃ اور صلوة کے نظام لازم و ملزوم ہیں۔

(۴) امر بالمعروف

(۵) نہی عن المنکر۔

وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔

حواشی

۱۱۴

۱۱۶

باب ۴ : اسلامی یا مثالی معاشرے کی تعمیر ثانیہ

ہر سلطان زدہ مسلم معاشرے کی چار بنیادیں : فرعونیت۔

ہامانیت۔ قارونیت۔ آزریت۔ تعمیر معاشرہ کا پہلا مرحلہ :

سیاسی زندگی : پس چہ باید کرد۔ قوم یونس کی توبہ النصوص اور

ہم۔ اسلامی حکومت و حکمران۔ سچے حکمران یا خلیفے کا حق انتخاب۔
خلافت کی اہلیت کی چار صفات حسنہ، ایمان و صالحیت اور علم و
جسم میں زیادتی و فوقیت۔

طریقہ انتخاب۔ مجلس شوری۔ جمہوری اور اسلامی مشاورتی
اصولوں میں فرق۔

خلیفہ قوم کا خادم ہوتا ہے۔ خلیفے اور فرعون میں فرق۔ ہانیت و
شورائیت میں فرق۔ عادل حکمران کی تعریف۔ خلیفہ بالشوری
ہی اجتہاد کا سزاوار ہے۔ اجتہاد کے بغیر دین میں جمود و تعطل
پیدا ہو جاتا ہے۔ طالیت حکمران میں فرعون مضمر ہوتی ہے۔
قدرت کا قانون اصلاح بالجبر۔

حواشی

۱۳۷

۱۳۸

باب ۵ : اسلام کا معاشی نظام

کیا اسلامی معاشی نظام کا قیام ممکن ہے؟ اتفاق بالعفو یا ضرورت
سے زائد مال و دولت فی سبیل اللہ خرچ کرنا۔ غیر اسلامی معاشرے
میں اتفاق بالعفو کا مسئلہ۔ اسلامی معاشرے میں اتفاق بالعفو
کا رہنما اصول۔ ایک غلط فہمی کا ازالہ۔ اتفاق بالعفو اور زکوٰۃ
وراثت۔

سود، معاشی سرطانت، قرآن حکیم اور احادیث طیبہ کی روشنی
میں۔ سود کی صورتیں۔ بلا سود معاشی نظام۔ نظام اسلام کے
اصول۔ بے سود سرمایہ کاری۔ بلا سود بینک کاری۔ کیا بینک
کے مصارف ضروریہ کا معاوضہ اور محتانہ سود تو نہیں؟

ہنڈی اور درشنی ہنڈی کے معاوضے کا مسئلہ۔ بلا سود بیرونی
تجارت کا مسئلہ۔ بیرونی و اندرونی قرضوں کا مسئلہ۔ مزارعت
بالاستعمال اور مزارعت بالاحسان۔ ایک غلط فہمی کا ازالہ۔
مضاربت بالاستعمال اور مضاربت بالاحسان۔ کرایہ کاری و
دستارگیری۔ ایک اعتراض کا جواب۔

حواشی

باب : ثقافتی انقلاب

تسمیہ بالباطل اور تاویل بالباطل۔ گرم بازاری عقائد کا قانون۔
نظام تعلیم : نصاب قرآن کے اجزائے خمسہ : (۱) آیات اللہ
کی تلاوت (۲) تزکیہ (۳) تعلیم الکتاب (۴) تعلیم الحکمت اور
(۵) علوم نو کی تعلیم۔ ”دینی“ مدرسہ۔ سیکولر نظام تعلیم۔

حواشی

باب : عورت کی حیثیت اور فرائض

آزادی نسواں۔ تحدید آزادی کا اصول۔ عورت اور سیاست۔
نکاح باطل۔ کنیزداری ملکیت کی ایجاد ہے۔ جہیز۔
ثقافتی تضادات : (۱) فنون جمیلہ : (۱) موسیقی (۲) رقص۔
(۳) مصوری اور فوٹو گرافی (۴) مجسمہ سازی (۵) ڈرامہ۔
(ب) ثقافتی ایجادات و اختراعات۔

(ج) آزادیِ نطق و قلم۔

(د) آزادیِ نسواں۔

حواشی

باب ۱۰ : حرفِ آخر

۲۲۹

ان چار سرحداتی تہ مول کا استعمال ناگزیر ہے :

(۱) قرضوں کی یا مالی یا غیر قرضاتی سیاسی نظام۔

(۲) قرضوں کی یا غیر قرضاتی معاشی نظام۔

(۳) آزری نظام پیشوائیت۔

(۴) غیر قرضاتی یا سرحداتی ثقافتی نظام۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَنَحْمَدُكَ وَنُثْنِي عَلَيْكَ رُسُومَكَ وَسُكُونَهُ

آرزو و دعا

(بحضورِ اہل و رب العالمین)

میں نے اپنے دل سے یہ دعا کی ہے کہ اگر میں اس دعا سے متاثر ہوں تو اس دعا سے متاثر ہوں!

ہم میں اپنے قرب و رفعت اور حیات و دستہ درستی نقاب کی آرزو پیدا کرے!

میں نے اپنے دل سے یہ دعا کی ہے کہ اگر میں اس دعا سے متاثر ہوں تو اس دعا سے متاثر ہوں! اور حکومتی و عدالتی نجات دے اور اپنے بندے بنائے۔

ہم میں اپنے دل سے یہ دعا کی ہے کہ اگر میں اس دعا سے متاثر ہوں تو اس دعا سے متاثر ہوں!

ہم میں اپنے دل سے یہ دعا کی ہے کہ اگر میں اس دعا سے متاثر ہوں تو اس دعا سے متاثر ہوں!

ہم میں اپنے دل سے یہ دعا کی ہے کہ اگر میں اس دعا سے متاثر ہوں تو اس دعا سے متاثر ہوں!

نیز ہمیں تلا میذا القرآن بنا دے۔

ہم میں اپنے دل سے یہ دعا کی ہے کہ اگر میں اس دعا سے متاثر ہوں تو اس دعا سے متاثر ہوں!

بار بار دعا!

ہم میں اپنے دل سے یہ دعا کی ہے کہ اگر میں اس دعا سے متاثر ہوں تو اس دعا سے متاثر ہوں!

ہم میں اپنے دل سے یہ دعا کی ہے کہ اگر میں اس دعا سے متاثر ہوں تو اس دعا سے متاثر ہوں!

ہم میں اپنے دل سے یہ دعا کی ہے کہ اگر میں اس دعا سے متاثر ہوں تو اس دعا سے متاثر ہوں!

ہم میں اپنے دل سے یہ دعا کی ہے کہ اگر میں اس دعا سے متاثر ہوں تو اس دعا سے متاثر ہوں!

ہم اسلافِ معاشیہ در قرآنی نظام سے نا آشنا ہیں تو ہیں رزقِ معاشیہ کی تعمیر اور
اس میں قرآنی نظام کو قائم کرنے کی عیب دار و زود در منت رزقِ عطا فرما !
ہمیں ایک بار پھر مشاغلِ امت بنائے اور اقوامِ عالم کی امتِ تفویض کر دے نیز ہمیں
ہی نوعِ انسان سمیت بعدِ مخلوقات کے لیے رحمت بنا دے۔

رب کریم ! ہم ذلت و مسکنت و رغوف و عز میں زندگیاں کر رہے ہیں اور بکثرت دہریدہ کی بربادی
ہم پر ہنڈل رہے ہیں، ہم اس عذابِ دریا است صغریٰ سے تہریں بنا رہے ہیں جس
فرعونیت و باغیہاتِ رنار دنیہ و زریخت کی عمارتیں دیادتِ عدم و اضمحلال
نوں اٹا دیں و شر سے بچہ در اپنی پناہ میں رکھ !

ہم اس عذاب کی دوا کرتے ہیں جو معاشرتی سرانوں کے استیصال کی ابتدا ہے
جسے اپنی جہاں در منت کا واسطہ ! ہمیں تشویش و حزن سے بچہ اور اس آگ کو ٹھنڈا
کر دے اور ہمیں بلِ حسن و سرور آباد کر دے۔

ہم میں محنت و مشقت کی نادیت و اہمیت اور محنت و ذہنیت کا شعور نہیں رہا ہے
ہم پہاڑ و مفلوک احوال و محتاج و دستِ گمراہ، ذلیل و خوار و محتاج و دستِ گمراہ
میں یہ شعور پیدا کر دے اور ہمیں محنتی و جہن کش در ہر دو متوکل بنا دے۔

ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے اور آپ کی محبت کا دھواں بھی کرتے ہیں لیکن
آپ کی سنتِ حسنہ کا اتباع کرتے نہ آپ کے اسوہ حسنہ کے مطابق زندگی ہی کرتے ہیں
ہم پر رحم و کرم فرما، در ایسا کرنے کی آرزو و توفیق عطا فرما۔

اس سودی و سرکاری معاشرے میں ہمیں رزقِ نجیث و حرام سے بچا اور رزقِ طیب و
کریم عطا فرما۔

رب ہمارے ! ہمیں دنیا میں حسنہ عطا فرما در آخرت میں بھی حسنہ عطا فرما، اور ہمیں سکے کے مذہب
سے محفوظ رکھنا۔ آمین۔ آمین۔ آمین۔

حواشی

اے آرزو و دعا! قرآن مجید کے فلسفہ دُعا میں یہ اصل منہر ہے کہ سچی آرزو قبولیتِ دعا کی پیش شرط ہے۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ دُعا مانگنے والے کے لئے اس کے دل میں سچی آرزو کا زندہ دفن ہونا لازم ہے۔
سچی آرزو پاک تو غلامِ بنیت، دوسرے موزوں سماں و زمیں سے تقریباً موزوں کو پاتا ہے۔ اس سے
مرد یہ ہے کہ وہ ایسی باتیں جو انسان کے احوال و ظروف اور استعداد و قابلیت کے لحاظ سے دوزل
ہو، یعنی وہ معدوم و نہ ہو، نہ رہیں ہو، نیز وہ اس کے لئے سچی مقدرِ منت و مشقت، سعی و جہد اور پیمانہ
مزا و دست بھی کرتا ہو۔

وزارت دہلی میں سے ایک پستہ راستہ اس اعتماد و بقا کے ساتھ لگائی جا چکی کہ مدتوں
رہے تھے وہاں واپس و معنی، غنہ مذکور و قلوب تہ حرم جامع و وسیع و بیدار و بیدار و دود و غنہ و درستی
وزارت دہلی

قرآن مجید کے فلسفہ رزوکاٹب بیاب یہ ہے کہ انتہائی مس وقت ملک انسان کی چاہے فرد ہو یا قوم، اپنی تاریخی حالت نہیں بدلتا، جب تک اس کے دل میں آرزوئے اقرب پیدا نہیں ہوتی، باغظ و گیرا تشہیر غلبہ کرنے کا درود مذرا انسان کی رزوکا نوعیت بدلتا ہے، فلسفہ رزوکا ایک نقطہ میں بیان کرنا ہو تو وہ رزوکا بر مرد یہ فلسفہ آرزو و دو قرآن مجید کی آیات بلیغہ خصوصاً آیت ۸، ۵۳ اور آیت ۱۰۳ سے، نود ہے، مندرجہ ذیل شعر میں انہیں آیات بلیغہ کے مفہوم کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہیں جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

۴۔ قریب و غرض: ان فقرہ کی یہ زبں ترجمہ دیگر مضامینات اس کے فلسفہ حیات انسانی کی

یہ نہ وار ہیں۔ قریب و محسوب قریب ہی درِ حضور کا اللہ تعالیٰ کی رضا یا خوشنودی ہے۔ یہ منفرد یاد رکھنے

کے قریب سے کہ قریب (جی میں) نہیں ہے۔ CP = ۱۰۰ - ۱۰ = ۹۰ یعنی تقریباً ۹۰ فی صد

فنی و مہرِ دنیا و مافیہا کے لئے ہرگز نہیں ہوتی ہے۔ حلالِ زندگی گرسنگی کو تسخیر کائنات کی تحریک
 کرتا ہے۔ انسانِ زندگی اس کو ایشائے کائنات کے حسن سے جھالیاتی لذت و حظ حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔
 یہاں تک کہ اس نے اہم و فکر انگیز نکتے کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ زندگی ہی و قیومیت یعنی
 زندہ بذاتِ اور نہ بذاتِ الٰہیہ خالقِ حیات و حیاتِ دیمات ہے۔ اس لیے موت و رست کی ہر صورت
 سے درگاہِ حیات ہے۔ اور اس کو ثبات و دوام مستلزم ہے۔ چونکہ حیاتِ انسانی فانی و موقوت ہے۔ لہذا ہر
 تو میں رنگِ حیاتِ انسانی ہے۔ ورنہ دوسرے اُسے اُس میں فنا و معدوم ہونے کی نہیں بلکہ زندہ باوید ہوئے
 اُس کے قریب و سنویر سرمدی اور وہ درخونِ مہر کی آرزو ہے۔ اس سے اس سر کی توجہ ہو جاتی ہے کہ کون
 بر فردِ بشر میں وحدت و یکتائی اور حیاتِ باورانی و بقائے دہم کی آرزو بدرجہ قہر پائی جاتی ہے؟ چنانچہ
 قدرت کے قانونِ مہر و آرزو کی رستہ وہ سرِ درجہ و پیر ہے۔ درندہ موت ہے۔ ایشائے کائنات کے بعد
 موتِ نا ایشائے دیکھ میں ہے۔ قہرِ مجید نے ایمون سے جبر کیا ہے۔ موت سے محفوظ (Dying) ہے۔
 بکھرے ہوئے بیوہ زندہ ہوتی ہے۔ اس سے یہ مستلزم ہو کہ حیاتِ انسانی اس میں بھی ذاتِ انسانی و معدوم
 ہونے نہیں جاتی۔ چنانچہ نفسِ دہم و مذہب کا یہ نظریہ کہ رستہ انسانی فانی و موقوت ہے۔ کائنات ہی
 میں نہ ہونے کی وجہ و حتمی ہے۔ دریاں خرابی سے اٹھ کر کے قہر میں اس میں فنا و معدوم ہو کر
 مٹی و شائع ہونے لگتی ہے۔ بالکل جتنی ہے کہ بات یہ ہے کہ رستہ انسانی فانی و موقوت ہے۔ کائنات ہی
 قاعدہ زندگی کو نہیں موت کو مستلزم ہے۔

حیاتِ انسانی دو قسم کی ہے۔ ایک فانی و حیاتِ در و دوسری فانی و قیومیت۔ چونکہ حسن میں عینیت
 کر رہی ہے۔ ورنہ فانی کی تاثیر بانی جاتی ہے۔ لہذا حیاتِ زندگی خوف و حزن سے نا اشنا نہیں و مردور
 مونی ہے۔ بخلاف اس کے۔ فانی و قیومیت زندگی میں خوف و حزن کی آمیزش ہوتی ہے۔ جس کے باعث وہ
 نار بہرہاں ہوتی ہے۔ چنانچہ حیاتِ حسن زندگی کے لئے صاحبِ حسن و نور کی در قہر مجید سے
 نفسِ فانی و حیاتِ حتمی کی تعبیر میں متبہ رہی ہیں۔ جب کہ اس شخص کو جس کی زندگی فانی و قیومیت ہوتی
 ہے۔ ان کے لئے مجید کیا جاتا ہے۔ ایسے شخص میں جس کی زندگی نار بہرہاں ہوتی ہے۔ ان کے لئے

کے مانند ہوتے ہیں، لہذا انہیں بشری سمندر کہنا ہے جو نہ ہوگا۔

۴۔ حسنہ: قرآن حکیم کی اہم ترین انوئی رہنمائیاتی اصولات میں سے ہے جو پیشہ زور و فتنہ کا دفتر
سیسے ہوئے ہے۔ اس کا مطلب ہے ہر دنیوی و اخروی نعمت شریعت و احکامات، عدل و انصاف، تقویٰ
ازدکے حسن و زندگی، شرافت و سعادت، طمانیت و مسرت، قناعت و توکل، عبودیت و علم و حکمت،
رزق کریم و کثادگی، زہد و صحت قلب و جسمانی، غفلت و نورانیت، ساقی و قناعت و راحت و آرام و
رحمت، نور و کامیابی، نیزالذو رب کی دوستی و حضور و رفیق و رفیق و رفیق و رفیق۔

۵۔ حسن القلوب: اس عبارت سے مراد ہمہ گیر تقرب رحمت ہے جس کا مثال نور ہے جس میں تمام
آخر صلی اللہ علیہ وسلم کے تقرب رحمت میں ملتا ہے۔ یہ حسن القلوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک رحمت ہے جس کے
ذریعہ جزیرہ مغرب میں رہنے والے ایک س کے مقدر میں ہمہ گیر و عالمگیر ہونا کی طرف توجہ دیا گیا ہے۔
کو رب رحمت کی طرف سے رحمت الہیہ میں این عظیم و منفرد خدایا جس کی تخلیق و رزق میں نہیں ملتی
میرے فلسفہ آرزو کی رو سے جو قرآن حکیم سے اخذ ہے، آرزو کے تقرب بہ دراصل مومنوں کے تقرب
تسببت ہے۔ معروف و غیبی یا غیبی تقرب کی پیش شرط ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ تافنی تقرب جس
سے ہیئت جتنی عیب کا تقرب کی مراد ہے، علو و بوال و قناعت۔ میں اکتاہت، ایک جس تقرب کے
متحدہ حید میں افراد قوم یا افراد نسل ان کی کو معاشرتی سرطون کے موق و سدس و سدس و سدس۔
جبر و اکراہ و خوف و حزن سے نجات دینا، ان کے دامن زندگی کو چاہی لیا فی ثروت یا حسنہ و رحمت اور
خیر و سعادت سے معمور کرنا ہو، وہ بوال و قناعت اصل میں جبر و احتیاج میں کی جوتا ہے، جو مریض و مجروح
شخص کے حق میں رحمت و حیات ہوتی ہے۔ ایسے تقرب رحمت کے لیے ہم نے حسن القلوب کی تعبیر
تقریباً سب سے حسن القلوب کی مثال س جراحی یا بردیش کی سی ہے جو جراحی یا سرجن کسی مریض یا مجروح
شخص کی جان بچانے کی خاطر کرتے رہ مجبور ہوتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ رحمت اور حسنہ ایک ہی نسبت کی
دو تعبیریں ہیں، لہذا تقرب رحمت و حسن القلوب ایک ہی حقیقت کے دونوں ہیں۔

۶۔ معاشرتی سرطون: اس عبارت سے مراد معاشرتی حالتیں ہیں جو بہت کچھ اور بڑے اور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خونچکانی و شہر زنی قلم کیوں؟

یہ خونچکانی قلم جو میری خون نشانی چشم و لب بھی ہے اس لیے کہ میری خود کشی نگاہوں کی قدرت کے جہن و خیم بشری شاہکاروں کی سرانگیزی کے نہایت سوز و روح فرسا نکتوں کو دیر بہت سے دیکھنے کا موقع و تودہ حریف نہ رہا ہو سکیں اور خون بہاؤں جو نہیں تجسس و تحقیق کی انہر سے بہاؤ دیکھ تو مد شرعی سرخوں کو اس سفاکانہ ہار میں مضوک بھی محنت کشوں در دہ روح نکتوں کے آئیں کرتے، خون چہیت، ان کی غارت و ناموس سے کھیت، ان پر غم ہر تہہ ان کی تہیہ و تہذیب کرتے درخشاں و زندگی سے محروم کرتے دیکھ تو خون کموال ٹپ در ٹپکیوں میں تر یا، ٹپکیں ہیں کرتا تو کیا کرنا؟ میری نکت "قلم در ویش بر بیان در ویش" میں قلمی ٹپکیے پٹی بسا بسا، حس و دل بھی تھا، درخشاں بھی تھا، خون کے آنسو بھی روتا تھا، لیکن میں کیا کر سکتا تھا؟ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا، میں ایک مدت تک رنج و درد و سوز و غم کے عالم میں سوچ رہا کہ مقصود و محروم سے جس گزیدہ نکتوں کے دکھوں کی درد محرومیوں کا درد ہو تو کیوں کر ہو؟ در میں ان کے لیے کچھ کروں تو کیا کروں؟ خون میں قلم حسب معمول گوہر مقصود کی طلب و جستجو میں مستغرق تھا کہ دفعتاً دل کی دنیا میں برقی حسن و زہری درخت حسن نکتہ صحن سے آتش کرکٹ صدا کے ہر گشت میں ایک بارش دھت، جس کی نمود کچھ سے طرح تھی، ٹپکیوں، ایک ہفتہ سے قرآن مجید کو جو جمل شہب، مضبوطی سے تھم رہا و درد و سوز و غم سے قلم کو پوری قوت سے بہرہ ور کرانہ انسانی کے بندوں کو خون آشام بشری سرخوں کے پھل سے چھیننے کے لیے کہ رستہ ہو باؤ قلم بجا بات تدرت میں سے سب سے میں ایم سے زیادہ قوت و توانائی نیز حسن و زہر

سب۔ بوجہ یہ تھی۔ حقیقی قوت کا امتحان ہی سرچشمہ ہے۔ سنو! صریح تمام صورِ اسرافیل بھی ہے اور اس میں تاثیر کی
 کہیں ہے۔ اس کا دم، دمِ جبریل، اس کا نفس، نفسِ میسائی اور اس کی طرب، طربِ نبوت بھی ہے۔ قلمِ تر جانِ ترن
 ہو تو مثلِ جبریل، امیں ہے، اور اس کے کام میں تاثیرِ برقِ حُسن ہوتی ہے، جو دلوں کو زندہ اور غفلتوں کو دور
 کرتی ہے۔ یہ ہماریوں کو شرفِ بخشی و زندگی کے جادہ مستقیم کو روشن کرتی ہے۔

قلمِ سیف شد بھی ہے۔ اس سے بشری سرطانوں کو چرسکے گا، مٹھیں گھائل کر دے اور اس کی قوت
 رتِ خیز سے ان کے محلوں، ایروں، بنگلوں اور حرمیوں میں قیامت برپا کر دے اور سب کا اتصال کر دے۔ اس
 کے ساتھ قلم کے دمِ میسائی سے سرطانِ گزیرہ منجمد و مفلوک الحالِ مردہ خواب کو زندہ و بیدار کر دے، ان میں حُسن و
 حیات و انقلاب کی زد کو جہاد کر دے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ اگر زندہ و فعال اور سچی ہو تو قوت
 اُسے بڑا کر دیتی ہے، اس لیے کہ یہ اس کا قانونِ احترامِ آرزو ہے۔

وردِ سخن ہو تو یہ غمِ اندر سے جلیا تھی۔ نسبِ تالی محلہ کی وقوع پذیر می کا نتیجہ ہوتی ہے اور اس سے قلب
 کی کڑواہٹ جاتی ہے۔ میں اس کیفیت سے فکر تو محمد پر حقیقتِ منکشف ہو چکی تھی، میں نے قرآنِ حکیم کو دل و
 جوت میں بنایا اور اسے اپنا معتمد و مرشد بنایا، ایک مجلسِ متعلم و سائل کی طرح اس سے جو پوچھا، اس نے بتا دیا،
 اور سہو بتایا، اُسے عرض کیا، انھار میں لاسے کی سعی جیل کی، اس کا حاصل یہ کتابِ حسنِ انقلاب ہے۔ درجِ میری
 خونچک کی دشت زنی قلم کی ملتِ غرض ہے۔

قرآنِ حکیم کی رُوسے انسان کو اکتساب و کتاب کو محنت و مشقتِ رزم ہے اور یہ کریم کی نعمتوں
 سے متمتع ہونے کے لیے اکتساب یا محنت و مشقتِ رزمی ہے۔ اس اعتبار سے کتاب و متمتعِ رزم و رزم
 جیسے، اُنڈلنے، اکتساب و فلسفہ، متبع ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں ہیں۔ اس فلسفے کا کتبِ باب یہ ہے
 کہ انسان محنت و مشقت و رزمی و بہدک ذرا کسبِ علم و ہنر کرے، یا باغِ غرور دیگر سائنس و ٹیکنالوجی کی
 تحصیل کرے، پھر کائنات کی نعمتوں سے اتنا قدر و متمتع کرنے کے لیے اس کی تیار کرے۔ اس اعتبار سے سائنس و ٹیکنالوجی
 کی تیار مولیٰ بہت سے متعلق دور میں نہیں ہو سکتی، لیکن امتِ مسلمہ کی بہانہ کی و حکومتی، کمزوری و دستِ گریزا
 و زلت و مسکنت کا ایک بنیادی سبب یہ ہے کہ معاشرتی سرطانوں کی سازش کی وجہ سے نام نہاد دینی،

مدرسے میں سائنس و ٹیکنالوجی کا دعوہ منوع ہے، اور اُزریہ کے نزدیک علومِ جدیدہ اور ٹیکنالوجی جن کے

ستہ محرم کرتے، نیز اپنا پر دل لم توڑتے، ان کی تہذیب و تہذیب کرتے، عظمت و ناموس سے کھلتے و عزت نفس کو مجروح کرتے دیکھتا ہوں تو خون کے آنسو روتا ہوں۔ مجھے یہ سب ناگ، مچھو، گنگھوڑے، درختوں و کھجور دیکھتے ہیں جو مرگ زندہ کن بھی تک صورتیں ہیں۔ بخلاف اس کے ہر مشہور و مقہور اور محروم و مفلوک الیٰں محنت زبان حال سے یہ فریاد کرتے سنائی دیتا ہے۔

گفتنی نیست کہ بر غالب نامہ مہر رفت

ہیں قدر بہت کہ ہیں بندہ نرا و نہرشت

(غالب)

بچے مشہور و مفلوک الیٰں ان ایسے لگنے ہیں جیسے وہ حسن و زندگی کی لذت سے بہرہ مند ہونے کے لئے نہیں بلکہ خوف و حزن کی آگ میں جلنے کے لیے جی رہے ہوں۔ زندگی جو بہت کم کی نعمت ہے غفلت سے ان کے سینے پر سرسبز ہو رہی ہے۔ تندرست ہوں تو قہر و فتنوں کے لیے عرق ریزی و خون فشائی کرتے اور انہیں اپنا خون بدستے رہتے ہیں، بیمار ہوں تو علاج معالجے و درد و کوڑتے رہتے ہیں۔ ان کے بچے اس طرح زندگی کرتے ہیں جیسے امیر و بادشاہ سے بہرہ مند ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے معصوم بچوں کو مر مر کر جیتے و جیتے جل مرتے دیکھتا ہوں تو یہ منہ کو اسے لگتا ہے۔ میں حسن و زندگی و دیگر نعمتوں سے محروم بچوں کو سب سے زیادہ ہمدردی و درگزر کی چھوٹی دھوپ میں غم و ہنر سیکھنے کے بجائے برہنہ جسم و پاؤں و محنت و مشقت کرتے دیکھتا ہوں تو ہنسنے کی بجائے گھبراہٹ سمجھتا ہوں۔ دل پر چھتا ہے، کینوں کی طرح سے بزرگوں اور مظلوموں کی حمایت کرنا، نیز ان کو ملک و سرکاروں کی خوشامی سے بچانے کے لیے سعی و جہد کرنا، شایستگی، زندگی اور دین کا تعلق غائب نہیں، کیونکہ یہ ہمہ دست و در پیکار ہے، اس لیے کہ مظلوموں کے ہاں سے پاس کوئی مستحق ہرگز نہیں تو چہرے پر نہ کرنا، چہرہ و گناہ نہیں تو دور کیا ہے؟ مرد، بھریں، کیا فریادوں، ہاں فوں اور آزاروں کے ہمنو مشرک و کفر و مجرم و گنہگار نہیں ہوتے؟

سو دشواری و مشقت و رونا، تڑپنا، فریادوں اور ہاں فوں کے کھانوں، نیز غم و غم و زاریاں ہیں۔ سب جہیل کے ہیں و کفر و مشرک ہماروں کو محنت و مشقت و کسب و کماؤں کرنے کے باوجود محتاج و محتاج کر رہے ہیں و فریاد و دیکھتا ہوں تو مجھے نہ یہ اسرار و فریادوں نہ سرسبز ناگن گرتے ہے، جو اپنی نجات کے لیے

گردنیا کے منہلوم و مقہور اور محروم و مفلوک انسانی انسانوں کو خصوصاً، آزاد کی خوشحالی و عزت و
 ابرو سے زندہ رہنا ہے تو ان کے لیے آرزوئے حسن و حیات کی القرب انگریز قوت کے ذریعہ پہلے اپنے
 اندر اور پھر باہر معاشرے میں حسنِ قرب و نانا گزربہ ہے، ورنہ بصورت دیگر قدرت خود انقلاب سے
 کی کریم اس کی سنت ہے، ورنہ یہ مستبدوں کو چھوڑ کر حقیقی نفس سروروں کے تئیں صواب کئی کے
 بغیر حسنِ قرب کے آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس لیے سب سے پہلے دنیا کو اس کے وجود سے
 پاک و صاف کرنا ہوگا، تاریخ بتاتی ہے کہ یہ عظیم و عہد افزین کارنامے کو سرانجام دینا بہت ہی عسری و
 دشوار ہے لیکن کی سنتِ حسنہ کے مطابق، کی منفی قوت سب و نمب اور بے رحم کی مثبت قوت کو بے رحم و غیر
 جیسا نہ سمجھیں۔

توحید کا ستر نہاں یہ ہے کہ کل نرا انسانانی زندگی و نفس و ہر ایک، نہ میں اپنے وجود و فتنہ
 اللہ تعالیٰ کے عیال اور بندے ہیں ورنہ وہی سب کا لہ و ریت ہے، ورنہ اس نے جس کائنات کی حبیب
 فطرتیں اپنے جملہ بندوں کے تشیع و استفادے کے لیے پیدا کی ہیں در کر رہے، لیکن معاشراتی سرانجام
 پر یعنی وسائل پیدا و رہنا چاہئے قبضہ جہاں ہے، جس کے نتیجے میں وہ قوت و مسرت و صلہ کے محنت کشوں
 کو یا خصوصاً بنامکرم و غلام و محتاج دوست گمراہ بنائے ہوئے ہیں ان خون کش معاشراتی سرانجام سے
 نجات پانے کا ایک ہی طریقہ ہے درمست حسنِ قرب، جس کی کامیابی مندرجہ ذیل میں چیزوں پر مشتمل ہے
 آرزوئے حسنِ حیات و انقلاب، ایمان با شران و حسنِ عمل۔

ایک طرف ہماری خوش قسمتی کی انتہا یہ ہے کہ ہم بہت بڑا جہاں و کرم کے کھری زمرہ و محفوظ
 جب قرآن حکیم کے وارث ہیں جو بے نظیر و زوال نعمتِ غنی و حسنی ہے، یعنی علم و حکمت، رشد و ہدایت
 و تکریم و شرف کا زندہ و جاوید معجزہ ہے، لیکن دوسری طرف ہماری شدت و محرومی کی انتہا یہ ہے کہ ہر
 قرآن مومن کے باعث کفرانِ نعمت ایسے گناہ گاروں سے تراب کیے جا رہے ہیں ورنہ
 نتیجے میں ایک تو ہم سب علم و ہنر و دیں نہ، کہ ورنہ تو، ورنہ بے محرومی و شدت و محتاج و دست
 ہیں، دوسرے ہمارے شر و سرانجام زدہ، فتنہ و فساد کا منظر اور عظیم و جرم، فتنہ و شرک و کفر پرستی اور

تہ مہرست کا سونے ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چونکہ تعمیرِ رُک کے بننے پہلے ہی رت گھرنے کی جگہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہاں
 ہمیں پہلے ہر حال میں تارونی رازرنی و رازرنی و بانانی سرشتِ خون اور رُک کے نقشِ مہر کا قیاس کرنا
 ہوگا اور پھر قرآن و سنہ کے مطابق حبیب و شانِ معاشرے کی تسکین و تعمیر کو کرنا ہوگا۔ یہ یہاں رہے کہ
 سرشتِ خون نے وجودِ معاشرہ کو اس طرح مجروح و زہر زدہ کر دیا ہے کہ اگر فردی صورتِ صورتِ جوتِ بانانی
 نہ ہو گیا تو اس کی بدلتی نشینی ہے، ہذا پیشتر اس کے کہ یہ سرشتِ رُک کا مہر کا مہر دیں۔ یہاں مہر کا
 کر دینا ناگزیر ہے اور اس کا باب ایک ہی طریقہ ہے وہ ہے:

حسن انقلاب بالقرآن و سنہ

حواشی

۱۔ جہاں لیاقتی، نفسیاتی لمحہ، رتہ زاد و بیدار رُک مہر کے تباہی کے قیاس کو ہیں۔ ہر سہ سال و رتہ زاد
 کی رز و دیعت کردی، اس کے نتیجے میں اس موت تک برآز و رہتی ہے۔ یہاں رتہ زاد و رتہ زاد
 کا رتہ زاد لم و جابل یا معاشرتی سرشتِ رُک ہی کہیں نہ ہو۔ یہاں درست ہے کہ رز و کے جس دیات کو رتہ زاد
 کے بارگاہ تہ دہ کر مضمحل و بے جان بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس میں کبھی سے زندہ ہو جانے کا ہرگز نہ
 رہتی ہے۔ قلوب کی مثالِ صدف کی ہے۔ جو گہر و رتہ زاد کی رز و میں بزمیوں کے تہ زاد کی شمس
 رہتی ہے۔ اور اس میں قلوبِ باز گہر سے تواسے جذب کر کے گہر و رتہ زاد ہے۔ چنانچہ جہاں وقت تہ زاد
 بھی شمسِ رمی حور سے زمر و جہاں رز و مہر کی رز و زندہ و دفن ہو جاتی ہے۔ اور اس سے جہاں رز و
 مہر کی قلوب و رتہ زاد ہوتی ہے، جو اس کی رز و پوری رز و سے رتہ زاد مہر کی رتہ زاد ہوتی ہے۔ یہاں
 وقت رز و رہتی ہے۔ اور اس کے قلوب کی کیا مہر کر رہتی ہے۔ اور اس کی رز و کے جس دیات کو زندہ و رز و
 بن رہتا ہے۔ اس سے ہم جہاں تہ مہر کی رتہ زاد ہے۔ اور اس میں رز و کے جس دیات کو زندہ و رز و
 ہم نے جہاں تہ مہر کی رتہ زاد ہے۔ اور اس میں رز و کے جس دیات کو زندہ و رز و
 کے رز و پوری رز و کے رز و ہے۔ اور اس میں رز و کے جس دیات کو زندہ و رز و
 کی ہمت پر ہر مہر کی رز و رہتا ہے۔ اور اس میں رز و کے جس دیات کو زندہ و رز و

۴. ناکارہ (Idle) - یہ بھی معاشی اصطلاح ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ دولت کو بیع و محبوب کر کے جہد و بیہوش بنانا۔ یہ کفرانِ نعمت بھی ہے اور لوگوں کو اس کے فوائد سے محروم کرنا بھی ہے۔ نیز قومی دوست کی گردش کی رفتار کو سست اور اس کے دائرے کو تنگ کرنا ہے۔ اس سے عوام خصوصاً محنت کشوں کی معیشت تنگ پڑتی ہے، لہذا دوست کو نہ ہارہ بنانا بھی جرمِ دہشت گردانہ ہے۔

۵. اگٹائز و ضرورت سے زائد مال و دولت کو جمع کرنا کنزک یعنی میں زائد اسدھنے کنزک کی صفت کی ہے اس لیے کہ یہ بیکل (Bicycle) اصطلاح قرآن میں بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فروعِ اتفاق، یعنی ضرورت سے زائد مال و دولت کو فی السبیل اللہ خرچ کرنا کنزک کی خلاف ورزی بھی ہے۔

۶. احتکار (Hoarding) - اس کے معنی میں شیعہ صرف ہاگراں فروش کی غرض سے ذخیرہ کرنا، دوسری قسموں میں چربازی (Black marketing) کے لیے ذخیرہ اندوزی کرنا۔ اس میں کنزک کی شرح احتکار کی بھی صفت مرصعہ آئی ہے، اس لیے کہ یہ ناجائز نفع خوری، اللہ تعالیٰ کے بندوں کا تقصیر، اور ناپسندیدہ کرنا ہے۔

۷. بیکل (Bicycle) - قرآن مجید کی اصطلاح میں اس کا سبب ہے، صدقات و خیرات جو دوسری درجہ و درجہ اولیٰ کے افراد یا عیال کے احکام پر نہیں مل سکتا۔ بیکل انسان کو دولت پرست و ترشہ پرست و جوس پرست بناتا ہے۔ اور کار و خراج کو گھن کی نظر سے دیکھتا ہے۔ دولت جمع کرنا اسے تنگ کر رکھتا ہے اور دیکھ کر جوس پرست بناتا ہے۔ اور لوگوں سے استغناء رکھتا ہے۔ نیز اسے محبوب و ناہرہ بنا دینا بیکل کی فحش تالیف بن جاتی ہے۔ بیکل انسان کو غرور سے دور کرتا ہے کہ ہنس مریض ہے۔ نیز انسان کو کسی سبب نامہ و راجل و رین و تباہی سے اسے قفر و مجذوم بناتا ہے۔

۸. احادیثِ طیبہ میں اس کی سخت وعید آئی ہے۔

۹. مضاربیت (Mudharabah) - فقہ اسلامی میں اس کی بقیہ اصطلاح یہ ہے کہ کسی شخص کو کاروبار و صنعت کاری کے لیے روپیہ فراہم کرنا اور (Mudharabah) کی حیثیت سے ملنے والی شرح حساب سے نفع میں حصہ لینا ہے۔ یہ شرک نہیں ہے۔ شریک نہ ہونا۔ مضاربیت عصری سود پر مبنی ہے اور سرمایہ کار کو مفاد و منافع کا سود ہے۔ اس سے شرعاً حرام ہے۔ لیکن حرمت مضاربیت سود کا نصف مدت قود چوبیستی ہے۔

۱۰. مضاربیت کا مطلب ہے کسی فرد پر سرمایہ مندرجہ ذیل کو آئندہ راجل و رین و تباہی کے لیے فراہم کرنا۔

اس کے متفق نہ ہونے سے فصل کا نصف یا کمتر شدہ - جسے بطور نفع دعووں کرنے پر نفع - حقیقت میں سود ہے، جسے زروں
نے بہترین سود کویت میں معاشرتی سرکاریوں کی خوشنودی و سرپرستی و رعایت و مراعات حاصل کرنے کی حقیر تسمیہ و
تاریخ و باطل کے ذریعے جائز قرار دے دیا، اور عامہ الناس نے ان کی مہر سیادت و اجارہ داری، وراثت و غزو
و زنی و قیدت مندی و کابری پیش درم عروہیت کے سبب یہ باطل فتویٰ قبول کر لیا۔ عہدہ بریں، معاشرتی سرکاریوں
کی توجہ داری سے سود کو نفع و رش و استفسار کو مدلل و احسن سمجھ لیا، نیز محنت و عرق ریزی سے ناج پیدا کرنے
والے زمینیں پیشہ زبنداروں کو اس پناہ و توجہ، مخدوم و مددگار و رہبر و کامیاب سمجھنے لگے، و زمیندار و جوگیر
نہیں، سردار و مخدوم و روڈریس کے عتاب سے متنب ہو کر ان پر ڈھونڈی، کرنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ مضارعت
پر سود دہری کی ایک شکل ہے، سود میں حرمت ہے، خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے منصفانہ و حکیمانہ
حکم سے سنت بن گئی، ان کی توجہ داری کو بغیر سرکار ضبط کر دینا، مندرجہ حرمت پر بدعتی طبع ہے۔
۱۰۔ تشہیر یا ناپاک (False propaganda) جو بلا برپیہ ہو کذب و باطل کی حدیث و فروغ کے لیے
کیا جائے۔

۱۱۔ لا الہ الا اللہ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ہر طرح کثیرہ، اس کلمہ توحید کی غیر معمولی ہیبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے
جو اس کے لیے کہ یہ عمل دین و دین کے قرار باطن اور تصدیق با عقیدہ کے، خبر کوئی شخص مسلمان در
اسے جزو زندگی یا سنیہ یا سنیہ مومن و مومن نہیں بن سکتا، "لا" جو جھوٹے نہ ڈر، ناکوں، عبودوں، نیز معاشرتی
مردوں اور ان کے دعوے ائوہیت و ربوبیت کی نفی کی علامت ہے، "لا" اللہ تعالیٰ کی ائوہیت و
ربوبیت کے اثبات کی علامت ہے، "لا" اور "لا" دونوں کلموں کی معنویت کو قولا و فعلا تسلیم کرنا ہی اصل
ایمان و اسلامی ہے، چنانچہ حرم معاشرے میں "لا" اور "لا" ایمان رکھنے والوں کی کثرت ہوگی، داسی ہوگا، یعنی
وہ معاشرتی سرکاریوں سے پاک و صاف، حسین و مطہر و مدلل و احسان، اخوت و مساوات، آزادی و خوشحالی
و رمن و سلامتی کی جنت ہوگا، جمہور یا قحطہ نظر سے دیکھیں تو "لا" نفع و باطل کی تخریب و تباہی، وراثت حسن و
حق کی تصدیق و تائید چاہتا ہے، اگر افواجی و معاشی نقطہ نظر سے دیکھیں تو "لا" شر و سیتہ، سود و استغفال
و رش و فساد کی نفی کی "لا" خیر و حسن و مدلل و احسان کے اثبات کی علامت ہے، متن میں اس سے فصل
بحث کی گئی ہے۔

۱۲۔ اِنَّ الْحُكْمَ اِلٰہِ اللّٰہِ (اردنامہ: ۵، ۵ ویں صفحہ ۲، ۳، ۴)۔ یہ کلمہ تو حیدر مذکور کی حاکمیت کی گواہی دیتا ہے۔
 اقرار و غیرت کی حاکمیت علی کی نفی کی گزیر، ہاں خدا دیکھ رہا ہے، دنیا بھر کے مشیر و سرکش و زمام دار
 خوں کش و مدشرقی سرخ زون کی حاکمیت علی و حسن کے غیر قرآنی احکام کے نکار و بیدار ہوں، میں سب سے پہلے
 کی رو سے کوئی حکمران یا معاشرتی سرخ زون ہو گا، یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سوا دوسرے کوئی حکم نہیں چلا سکتا، چاہے وہ
 عسکری و سرائے و خون ہو یا حکومت کا منظر و شدہ، یہ کلمہ توحید اسلام کا زبردست تقابلی نعرہ ہے، جو بیدار شدہ
 سرخ زونوں کے لیے مستقل چیلنج اور پیامِ مرگ ہے، پناہ چاہیں وہ جہت ہے کہ ہرزوں و مکران میں سب بھی بشتِ غیر
 اعظم و آخر متقی سید علیہ و سلم سے پہلے، اللہ تعالیٰ کے انبیاء و رسل علیہم السلام نے یہ اقرب البین نعرہ دیا، کہ عرب
 میں حسنِ اقرب و حیات کی زندگی کو زندہ و فعال کریں، در انھیں سرخ زونیت سے بچائیں، ورنہ اس سے لے کر تباہی
 مدام کا ہتھیار مہیا کریں تو معاشرتی سرخ زونوں نے اپنے پیچھے کو ساقی کران کی درسِ نعرہ توحید کی جتنی دقت کی
 ورنہ انھیں شہید و ملک بدر کرنے پر تیار ہو گئے۔

۱۳۔ معاشرتی نفسی سرخ زون، اس امر کی مرست کر دی گئی ہے کہ معاشرتی سرخ زون سے مراد انھیں وہ ہیں اور
 قادر و آزر ہیں، یہیں جہاں تک نفسی سرخ زون کا تعلق ہے، ان سے مراد خوف و ترس میں بد تقاب و نفس کو
 آگ لگا کر آدمی کو کربِ مسلسل اور کراتِ موت کے غلبہ و یقین میں مبتلا کر دیتے و راہِ تار بن دیتے ہیں۔

۱۴۔ قرآن حکیم کا فلسفہ آرزو: اس کے لیے دیکھیے اس مقالہ: ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱

باب (۱)

انقلاب کیوں؟

انقلاب کیوں؟ اس لیے کہ انقلاب کے بغیر نہ تو حیاتِ انسانی کا وجود و تعلق قائم رہ سکتا ہے ورنہ اس میں قوت و توانائی پیدا کی جا سکتی ہے۔ ورنہ اس کا نشو و ارتقا ہی ہو سکتا ہے۔ اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ انقلاب ہر ذی روح شے کی زندگی و تہ کیونکہ وہ اپنے نشو و ارتقا کی آرزو رکھتی ہے جس کو انقلاب ہی برقرار رکھتا ہے۔ انسانی زندگی کے لیے اس سوال کا جواب خود حیاتِ انسانی ہے جو روز بروز ترقی سے بڑھتی رہتی ہے۔ انقلاب سب سے پہلی چیز ہے جو کئی کئی بار ہونی چاہیے۔ اگر ہم ۱۵:۵۵:۱۵۵ میں وہ بریں قدرت کا قانون انقلاب ہے جو قوم انقلاب کی آرزو نہیں رکھتی وہ خود و تعلق کا شکار ہو کر شجرِ زبانی سے ٹوٹ کر اس طرح تنوش بنی میں گر جاتی ہے جیسے شجرِ زبانی رید کے خشک پتے ہوا کے جھانکوں سے جھڑک کر برباد ہو جاتا ہے۔ تنیہ ہر چیز کی قدر ہے۔ جتنا پختہ ہو جاتا ہے شجرِ زبانی کا ترقی نہیں کرتا۔ ان میں بزرگ و باریک کی قابلیت نہیں رہتی۔ اس طرح جو قوم ترقی نہیں کرتی وہ شجرِ بزرگ و باریک کی طرح ناکارہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ قدرت کے قانون بتائے۔ غور ان کی دوستی اس کی کائنات چھوڑی ہو جاتی ہے۔ چاہے یہ جبر و کرہ سے ہو یا اس کی اپنی مرضی سے۔ جبر و کرہ سے کائنات چھانٹ مٹو اس کے فوائد مٹک ہوتے ہیں۔ بخلاف اس کے رضا کارانہ ہو تو اسے ترقی دیتے ہیں۔ اس سے نہ صرف قوم بہت و بربادی سے بچ جاتی ہے بلکہ اسے نشو و ارتقا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس لیے شجرِ قوم کو اس بیوی و خفیہ کیڑوں و دیگر بیماریوں سے پاک و صاف کرنے کی فائز اس کی ہے۔ چنانچہ اس کے معانی و تغذیہ افراد و قوم کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ جو قوم اپنی اس ذمہ داری کو پورا نہیں کرتی اس سے اپنی اس اتم ترین ذمہ داری کا احساس و شعور نہیں رہتا۔ کرم خوردہ و بوییدہ درخت کی طرح کھانسی و زکری کے ساتھ رہیں جاتی ہے۔ قدرت کا قانون آرزو یہ ہے کہ جس چیز میں آرزو کے حسن و ذہن کی

نہیں۔ یعنی وہ جس زندگی سے محروم ہو جاتی ہے۔ اس سے مل جتنا قانون بقائے نفع و احسن ہے۔ اس کا مطلب ہے جو چیز مفید و حسین نہیں رہتی اور دنیا کو اس کی ضرورت نہیں رہتی تو قدرت اُسے ختم ہستی سے مٹا دیتی ہے۔

قدرت کی سرچیز تخلیق بالحق ہے، مزد وہ حسین بھی ہے اور مفید بھی۔ چنانچہ جب کوئی چیز اپنی جمالیاتی و ادنیٰ قدروں سے محروم ہو جاتی ہے اور اس میں حسین و مفید بننے کی رزق بھی نہیں رہتی تو قدرت ایسی بے نادمہ و بے مصرف و رقیب چیز کو مٹا دیتی ہے۔ قدرت کی ہر شے نعمت ہے اور جب وہ شے لوگوں کے لیے نعمت نہیں رہتی تو خود بھی نہیں رہتی یہ شدتِ تعان کی مُلفت ہے۔ بت قدرت کے قیاس و ہمت سے انفع و احسن سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے کہ ہر ری قومی و ملی زندگی سرحد زدہ مریض ہے۔ درود نہ صرف سرحد پر کار و حیاتِ انسانی پر بار گرا ہے بلکہ اس میں رزق و احسن و زندگی بھی مردہ ہو چکی ہے۔ مزد اس سے پیشتر کہ قدرت کا قانون رزق و بقائے نفع و احسن کا قانون حرکت میں، اگر تیس صفحہ ہستی سے مٹا دے، ہمیں ماضی و مستقبل سے نجات حاصل کرنے کی خاطر اپنی قوم و ملت کا تذکرہ کرنا ناگزیر بن جاتا اور تذکرہ نسیان معاشرتی حسن و انقرب کے بغیر ممکن نہیں۔

انقرب کیوں؟ اس کا جواب سومرین کی خاکِ عرب بہ تہارتِ بخ کی طرف رجوع کرتے ہیں، قومِ نوح کی کُل غرقِ آبی و قومِ فرعون کی جزوی غرقِ آبی قدرت کے قانونِ رزق و بقائے نفع و احسن کے قانون کے تحت ہوئی تھی۔ ان دونوں اقوام میں رزق و احسن و زندگی مردہ ہو چکی تھی۔ اس کے نتیجے میں ان کے مذہب و فلوب میں نہ صرف رزق و احسن، بلکہ وہ جس انقرب کے تصور تک بھی تاب نہ لاسکتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہم السلام ایسے جلیل القدر پیغمبرانِ خدا کی آمد کی رزق و احسن و قرب، رحیم و مہربان کے جو معاشرتی انقرب کی پیش شرط تھی تو قدرت نے ان اقوام کی آرزوئے برگ و بار کو پورا کرنے سے انکار کر دیا۔ نکتہ یاد دہنے کے قابل ہے کہ ان دنوں میں رزق و احسن و زندگی نہ سب سے تودہ رفتہ رفتہ سمندرِ رشتہ، یعنی خودِ تیسرے و ناربین جا تا ہے۔ قدرت کا قانونِ رزق و احسن کہ وہ انسان (فرد و جمعیہ) کی رزق و احسن کے

صرف دو مسعت کے مطابق پور کرتی ہے۔ چنانچہ قوم نوحؑ نے جو مندر سرشت بن چکی تھی، اس کی کڑوے
 زردی کو پور کرنے کے لیے توفیق ہارس کے ذریعے سے غرق آب کر دیا۔ قوم نوحؑ میں معشرتی مردوں
 کی کثرت تھی اور ساری قوم سرسبز و زرخیز تھی، مگر اسے غرق آب کرنے میں یہ حکمت معلوم ہوئی ہے کہ اس کا دباؤ
 سمندر بنی چاخوروں کی غلبہ کر اس طرح فنا ہو جائے کہ اس کے آثار بھی باقی نہ رہیں۔

قوم نوحؑ اور قوم فرعونؑ کی برکت ہمیں قدرت کے توفیق زور و قوتوں بقائے نفع و حسن سے
 متنبہ کرتی ہے کہ اگر تم نے اپنی کڑوے مگر دھار کو کڑوے سے نہ بدلتو قدرت اپنے توفیق
 کڑوے سے تمہاری تباہی کو فہم ہر دے گی۔

حسن نقاب کی احسن و اکمل میں ہمیں حتمہً تعلیمی کے نقاب میں ملتی ہے۔ یہ حسین نقاب
 ایک توانمند اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبے میں آیا، اس لیے ہمہ گیر و کلی تھا! دوسرے
 مردوں کے لیے یہ بیان و تقویٰ، مرد و حسن، خیر و حسن، آزادی و عزت، ثروت و دولت، امن و امان
 خوشی و ترقی اور جانی ثروت و رتق و ثروت ایسی نعمتیں تھیں کہ یہ اس لیے بے شمار حتمہً تعلیمی
 تھیں۔ اس سے اس کا جو بے ہنگام ہے کہ نقاب کیوں بہتر ہے؟ حسن نقاب میں حتمہً تعلیمی
 منظم ہوتی ہے، جو اس کی غیر معمولی قیمت پر درست کرتی ہے، نیز وہ دین کی حمایت حتمہً تعلیمی ہے جس کے لیے
 رب نے پیغمبر اکرمؐ و ترصاتی مدیہ و سلم کو حتمہً تعلیمی بن کر مبعوث فرمایا تھا اور اس میں ہی نوحؑ
 کے لیے سورہ حسنہ یا زندگی کرنے کا حسین نمونہ ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے لیے ہے کہ نقاب دوم کا ہوتا ہے: مومنوں کی و مردوں کی مومنوں کی نقاب
 سے مدد ان کا حتمی تعلیمی نقاب ہے۔ مرد و مومن نقاب کا منصب معشرتی نقاب ہے، جو اپنی
 حتمہً تعلیمی نقاب کی دو قسمیں ہیں: حسین و قبیح، بے نکات کی مصراحت کردی جاتی ہے۔
 مرد و مومن نقاب اس کا منصب تعلیمی نقاب ہے، لیکن اس کے مفہوم کی مصراحت ضروری ہے۔
 رب نے ان کے لیے شرمکات و رویت ہے ہیں جن کو قوت میں لے کر وہ ایک طرف اپنے نور سے

ذات کائنات اور قدرتِ اعلیٰ کے کائنات کی تسخیر کر کے، گنت نعمتوں سے تمتع کر سکتا ہے۔ عیدِ قربان
 اللہ تعالیٰ نے انسان میں، آرزوئے حسن و دیانت کی ہے، جس کی بدولت اس میں خوب سے خوب تر کی محبت پیدا
 رہتی ہے۔ دراصل انسان میں اپنے لئے یعنی معبود و محبوب اور مطلوب و مقصود کی آرزو ہے۔ جب یہ آرزو
 میں ہم اپنے الہ کو محرومِ حسن و محبت سے تعبیر کر سکتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ آرزوئے الہ زندہ و حر کی ہو تو
 بشر کو انسان اور انسان کو صالح، شہید اور صدیق بناتی ہے۔ یہ انسان ہی انسان کا بندہ و دوست، نفس
 معظمہ اور دارِ جنت ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے روئے عمل نیتِ نفسِ جنت میں بہنے کی پیش شرط و رکن ہے
 کہ مومن غرضی معیار ہے۔ آرزوئے دوست ہو تو اس کا ذکر و ثناء نیتِ قلب ہوتا ہے اور انسان میں اس کی
 اور اس کی حسین مخلوقات کی محبت کے چٹے پھوٹے اور اس کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی منزلت کو پسند
 کرتے ہیں۔ مثلاً وہ بریں، آرزوئے دوست ہی سے انسان میں آرزوئے حسن و زندگی زندہ و نفس ہوتی ہے
 جو اسے اپنے اور دوسروں کے لیے رحمت بناتی ہے۔ دوسروں سے مراد اللہ تعالیٰ کی بلکہ انہی دوسروں
 مخلوقات ہیں۔ یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہیے کہ دین کی غایت و رُست پیمبریؐ رحمتِ تعالیٰ ہے۔
 دوسرے لفظوں میں دین، انسان کو حبیہ مومن کے لیے رحمت بنانا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان نہ صرف
 مومن ہی بلکہ حیوانی، نباتی، جماداتی، سموی، سب مومن کے لیے رحمت بن جائے۔

تاریخ کا فیصلہ ہے کہ حضرت محمدؐ رسول اللہ علیہ وسلم دنیا کے پیغمبر ہیں انسان میں وہ یہ سب کچھ
 صاحبِ خلقِ عظیم اور رحمۃ تعالیٰ میں اس سے مستنبط ہو کر، آپ کی عظمت اور رحمۃ تعالیٰ میں ہے۔ جو
 آپ کی سادت و رسوخِ حسنہ ہے۔ اس سے یہ بھی نتیجہ نکالیں کہ انسان کی رحمت کا ذریعہ حق و سچ ہونا، وہ
 اتنا ہی عظیم ہو کہ رحمتِ انسانی کا معیار رحمۃ تعالیٰ ہے۔

چونکہ رحمۃ تعالیٰ ہی دین کی غایت و اس کا اصل رُحوال ہے، لہذا اسے بڑھتے سے پہلے اس
 زبیر، محمد، ماسی، مصطفیٰ قرآنی کے معنی و مفہوم کی وضاحت کر دی جاتی ہے رحمت کی اصطلاح میں ہمدردی و
 غلگلی، عدل و احسان، حسنہ و خیر، مؤثر و محبت، یثا و قربانی و اس میں عظمت کے معانی پائے جاتے ہیں۔
 رحمۃ تعالیٰ نہ صرف عظیم و آخر صلیٰ شریعہ و علم کی منتِ حسنہ ہے، بلکہ وہی مسکن و رکن کے یہ یثا و قربانی کرنے
 اس کا شفا و زندگی ہے۔ ظاہر ہے یا شخص، دل و محسن تو ہوتا ہے لیکن قرآن مجید کی تمہی زبان میں نہ مومن و نہ کافر و نہ

معاشرے میں سیاہ کار و اہل ناکثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ جمالیاتی نقطہ نظر سے انقلاب دو قسم کا ہے۔
 ہمیں در قیچہ رحیمین انقلاب سے کہیں گے جس میں معاشرہ زندہ و حسین ہو کر رہی۔ روحانی ترقی کے جوہر مستقیم
 پر کامزن ہو جائے۔ اس جگہ اس از بس تمہکتے کی راحت کردی جاتی ہے کہ معاشرے میں حسن و زندگی فتنہ و فساد
 ہی کی بدولت پیدا ہوتے ہیں، و اس کی احس و اکمل مثالی اسلام کے حسن انقلاب میں متی ہے۔ بخلاف اس
 کے قیچہ انقلاب سے معاشرہ فقہانِ قویہ کے سبب حسن و زندگی سے محروم ہو جاتا ہے، و اس کی ایک
 زندہ مثال شرک کی انقلاب ہے۔ شرک کی انقلاب نے معاشرتی سرگلوں کا ستیصال تو کر دیا، لیکن فقہانِ قویہ
 کے سبب ہیئتِ جنتِ عیدہ کا تزکیہ نہ کر سکا، جس کے نتیجے میں وہ حسن و نور اور حیات و دلالت سے محروم ہو گیا۔
 یہاں سے غیر معمولی اہمیت کے حامل نکتے کی سراحت کردی جاتی ہے کہ شرک کی ترقی و ترقی و
 ترقی و رازن کے ایمان یا باطل میں مشہور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ نفسوں سے شرک کی ترقی و ترقی و
 خروش و قوت و زور سے اپنی جیت لگی میں جذب کر لیا ہے۔ نیز کچھ اس ایمان یا باطل کی قوت و زور کے
 بل پرستیدر در کچھ اپنی حریت قوموں کی قیامت بدنام قوت و توانائی کے خوف سے وہ سانس دینے میں
 پتہ تباہی وائل کے ساتھ ترقی و ترقی سے ترقی کرنے میں کوشش ہیں۔ یہ درست ہے کہ شرک کی ترقی و ترقی میں
 بے ہر مہم ہے، لیکن نفس جتنی بھی پشیمانی و رت کو بھون کر ہی نیت کو ترستے ہے، و وہ اس دوسرے دور و ترقی
 زندگی سے نا آشنا ہے۔

ہمیں تک غیر شرک قوم کا مقصد ہے اور حال و حال و حسن سے محروم ہے۔ یہ در زندگی کے بہت سارے
 وجہات و مہمات کی شکست میں مبتلا ہیں، و ابھی در حقیقت قدرتِ زندہ اور علمائے نیت نفس کو ترقی میں۔ اس مہم
 سر یہ در کے میسر ہے ہی میں فک صورت میں مشہور ہوتی ہے جس میں معاشرتی سرگلوں پیدا ہونے میں۔
 جیسے گندہ تاریک در متعلق زمین میں بہت کفریں جو تھم از مرید شہرت و ریش و ریشک مرغل طور پر
 ہوتے ہیں۔

قوم و مہم و مسلم قوم و غرضوں سے قدرت سرگلوں زندہ ہیں و ریشہ آلی سرگلوں نے اس کی
 زندگی جبر کر رکھی ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ خوف و حزن کی گم میں ہیں جس میں درگاہ کے کرب و غم

حسن انقلاب اور فلسفہ آرزو

گریہ کہا جائے کہ آرزوئے حسن بیش شرط ہے حسن انقلاب کی تو بہیدلغہ نہیں بلکہ یہی حقیقت کا طرف ہوگا جس پر قرآن حکیم شایہ ہے۔ پہلے فلسفہ آرزو کی مختصر اصراحت کر دی جاتی ہے۔

ربّ رحیم و کریم کہنے انسان کو ارادہ و تمنا کی نعمت علیٰ تالیفِ ربات و دیت کی ہے۔ دیت اس کو اس قدر پاس ہے کہ وہ کسی قوم سے کوئی نعمت اس وقت تک سلب نہیں کرتا جب تک اس کی سچی آرزو جی ہے۔ کوئی قوم اپنی کسی نعمت مثلاً آزادی، خوشی، علم و مہذبیت و عزت و اعتبار و توحید و ستی، ایمان یا حسن میں سے اس وقت محروم ہوتی ہے جب اسے اس کی سچی آرزو نہیں رہتی۔ اس وہ بریں، جب تک کسی قوم کے نفس میں اتقرب نہ آئے، اس کی آرزو نہ ہو کہ آرزوئے حسن بہر زیادہ شدتوں میں اس کی حالت نہیں بدلتی یعنی اس کی خارجی یا معاشرتی دین میں تقرب نہیں آتا۔ آرزوئے حسن اتقرب دراصل آرزوئے حسن دین ہے۔ مذاق تقرب اس وقت تک رہتا نہیں جب تک قوم میں حسن و زندگی کی آرزو زبرد و حرکی نہ ہو۔ اس مستنبط ہو کہ تحریک تقرب کا پہلا مرحلہ آرزوئے حسن و حیات کے رجحان و نشو و نما کا ہے۔ یہ مرحلہ بظاہر زیادہ دشوار دکھائی نہیں دیتا، لیکن حقیقت میں زبیر دشوار و عبث ہے۔ درحقیقت سب سے دشوار ہے کہ کسی فرد یا قوم کے مفاد و نظریات، فکر و خیالات اور جذبات و مینات میں تبدیلی آئے، چاہے وہ نتیجہ باطل ہی کیوں نہ ہو۔ زبیر دشوار ہے۔ انسان اپنی چیزوں کو متعلقہ زندگی سمجھتا ہے۔ درمجموعہ رکت ہے۔ دوسرے یہ سب چیزیں اس کے اندر نشو و نما کر اس کی ذات کے جزائے مختلف بن جاتی ہیں اس لیے ان سے دست بردار ہونا یا ان سے شکیب ربا ہونا جیسے پتہ کسی عشقویہ جو رحمہ کو بدن سے ناک کر نہیں دے کر دینا۔

مردہ بریں، عقائد جلیلہ و متحرک ان کو ورثے میں ملتے ہیں، اسی لیے اسے جون سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں، اور وہ ان کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی کرنے سے دریغ نہیں کرتے، چنانچہ وہ جان و مال قرب کر سکتے ہیں، اور گھر بار بھی چھوڑ سکتے ہیں، لیکن اپنا کوئی فی دی عقیدہ نہیں چھوڑ سکتے۔ ایران و پاکستان میں نعتیں مہاجرین کا قیام ہمارے اس موقف کا زندہ ثبوت ہے۔ ہم اپنے اس موقف پر قرآن مجید اور تاریخ سے بھی استشاد کر سکتے ہیں۔

تاریخ ثابت ہے کہ ماضی میں ان کے عہد حکومت میں مذہبی پیشوائیت تسمیہ بابائیل اور تامل بابائیل کے ذریعہ دین کے ساتھ جدید و محرکہ کو باہر دھکیلتے رہے اور نظریات کو ایک جیسی اہمیت دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی فروعات کو صل سے زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے، اور فروعات کو اصول پر ترجیح دی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کا کوئی گوشہ ہو اس میں ہمیشہ غلط ترجیحات سے فساد پھیل رہا ہے۔ دین و مذہب میں ترجیحات باہلہ کی نسبت دراز تریت ہوتی ہے، اس کی دو بڑی وجوہ ہیں: ایک تو وہ اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز کرنے پر دو حس دنیوی مغرت حاصل کرنے کی خاطر ریا کرتی ہے، یہ بھی سامنے کی بات ہے کہ کزیت نے بائبل و تورات پر جلیلہ و متحرکہ کو تامل بابائیل اور تسمیہ بابائیل کے ذریعے اس قدر غیر اہم بن دیا ہے کہ قوم ان کی وہ قدر نہیں کرتی جس کے وہ حقدار ہیں، اس کے نتیجے میں ان کا رشتہ حیات قومی سے قریب قریب منقطع ہو چکا ہے، اور ان کے نام ہو گیا ہے، اس کا بنی مریہ ہو ہے کہ عفت ایک سا ملکہ قوم بھی مردہ ہو گئی ہے۔ بہت دور میں قوم کے جہاں و جہاں، قوت و توانائی اور آرزوئے حسن و حیات کی موت ہے، فلسفہ رزویہ قدرت کے قانون حرم رزویہ روستہ حبیب بھی کسی قوم میں رزوئے حسن و زندگی فعل و حرکت کی یا زندہ و توان نہیں رہتی تو اس میں ماضی میں سرقت پیدا ہو جاتے ہیں جس طرح جسم سرقت زندہ ہو جائے تو اس کا نشو و نما پانچویں کی بات یقین ہو جاتی ہے، اسی طرح جس قوم میں ماضی میں سرقت و جہاں معرض وجود میں آجائیں اس کا حسن و زندگی سے محروم ہو جانا شکی ہے، اس سے یہ استنباط کر سکتے ہیں کہ کسی سرقت زندہ قوم میں جیسی کہ ہماری ہے، سب سبب سے اس میں حقیقت کا شعور بیدار کرنا ہو گا کہ وہ سرقت زندہ ہے، جس کا علاج جبرجی ہے، نیز اگر وہ زندہ رہنے پر ہمتی ہے تو ان سرقتوں کو تادیب سے ناگزیر ہے، حاصل یہ کہ یہ سرقت زندہ قوم میں حسن و

مردوں میں؛ یعنی وہ لذتِ حیات و ممات سے ناگشت ہوں گے۔ اس کا مستحب یہ ہو کہ وہ زندگی کی لذتوں سے ناگشت ہوں گے، لیکن انہیں اس کی ذلتوں کا حساس و شعور مند ہونا چاہنا چھ لذتِ موت یہ ہے کہ زندگی کی کیفیات حقیقی و مثبت مثلاً خند و لذت، اہمائییت و مسرت، کیف و سرور، سرخوشی و مستی وغیرہ دینیہ و دنیوی کیفیات، تلخ و حزن، کرب و درد، تنگدستی و رنج و غمی وغیرہ و غیرہ کے سبب

۱۔ تسمیہ بابا علی : قرآن حکیم کے آئینہ تسمیہ بابا علی سے منقول بحث کے لیے دیکھتے مستف کی تفسیف
مزدست حسن یہاں اس کی مجملہ صراحت کر دی جوتی ہے تسمیہ بابا علی مشرب و ثبت پرست اُزروں کی ایجاد
ہے یہ نئی ہے جس کے ذریعہ وہ منہا ہر فطرت ، خیالی دیوتاؤں ، دیویوں ، زندہ و مردہ اکابر اور دیگر
خیالی و ذاتی چیزوں کو ایسی عنفات سے منسوب اور ایسے ناموں سے موسوم کرتے ہیں جن کی سمیات میں
خبریں ملتیں ، غرض کہ ہم سب مسمی رکھنے و رسم سے کسی ہستی کو موسوم کر کے اسے اپنا معبود بنا لینے کے لیے
ہم نے تسمیہ بابا علی کی تعبیر فقیر کی ہے۔

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱
 ۴

حکومت برے حق ہیں مگر اپنی مفسر

تاریخ سے قرآن کو بنا دیتے ہیں پھر نند

باب (۲)

احکام الہی یا ائین قرآن

گریہ سچ ہے ورتین سچ ہے اور ہمارے یہاں بھی ہے کہ قرآن مجید نور و فرقہ و رشاد و ہدایت اور علم و حکمت کا خزانہ، نیز ربّ علیم و حکیم کے حکام کا محفوظ و محفوظ گنجینہ ہے جو حیثیت انسانی کے ہر گوشے میں انسان کے لیے رہنما ہوا ہے اور وہ ہر دور و زمانہ میں اور ہر قول و فعل اور حرف و خبر کی حیثیت رکھتا ہے تو پھر یہ سوں پیدا ہوتا ہے کہ مسلم قوم خصوصاً پاکستانی قوم نے کیوں اب تک ایک مقررہ قوانین و قوانین کی شکل میں مرتب کیا ہے نہ ملک میں نافذ کیا ہے؟ یہ سوں ہمارے یہاں نہایت بڑھ چکا ہے اور چینج بھی؛ لیکن یہ ہمارا نظم و ضبط ہے کہ ہم نے آج تک نہ تو یہ چینج قبول کیا ہے نہ اس میں سوں کو حل کرنے کی سنجیدگی سے کوشش کی ہے۔ تحقیق کی ضرورتوں سے دیکھیں اور جانیں کہ انداز میں غور کریں تو ہمیں نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ قرآن مجید سے ہمارے دوری و بے ہوشی و غفلت و جہل کے ذمے دار نہ ہونے بلکہ قرآن و قرآنی اور قرآنی و قرآنی سرچاں ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید معاشرتی سرچاں نہیں ہے بلکہ ایک مگر معاشرتی ہے۔ لہذا جس معاشرے میں قرآن ہو وہاں سرچاں نہیں ہو سکتے۔ درجہاں معاشرتی سرچاں ہوں وہاں قرآن نہیں ہوتا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ قرآن و سرچاں ایک دوسرے کی بنیاد اور تقیض ہیں اور اجتماع نہیں ہوا ہے۔ بہر حال چونکہ قرآن مجید خالص و خالص و خالص و خالص کے لیے پروانہ موت ہے اس لیے وہ کسی قیمت پر اپنے ملک میں حکام قرآن نافذ نہیں ہونے دیتے۔ اگرچہ وہ نہ صرف اس ملک کے غرہ بند کرنے میں پیش پیش ہوتے ہیں بلکہ تاریخ و شہادت ہے کہ دین کا خرقہ و زنا و کفر کے سوا کچھ نہ دیکھنا اور ہر دین و ملت میں رہا ہے۔ اس بنا پر ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ جب تک ہمارے یہاں کسی درمیان ملک میں دشمن قرآن و سن سن

ہیں وہیں حسیں و مثالی معاشرے کے قیام و راس میں احکام قرآن کے نفاذ کا سول ہی پیدا نہیں ہوتا۔
 ربیست دن میں حسن و زندگی کی سچی رزوت اور ہم سے پورا کرنے سے یہ احکام قرآن کے مصلحتی اس کی
 میں شہس کی سبب و تعمیر کر کے سچی حب و جستجو رکھتے ہیں تو ہمارے لیے حسن و تقرب کے ذریعے ان
 قرب و سنان دشمن سرنوں کا استیصال کرنا ناگزیر ہے۔

یہ حقیقت ہے درحقیقت کہ ہمارے پس ماندگی و دو ماندگی حسن و زندگی سے محرومی و ذلت و مسکنت
 اور بد شک، خوف و حزن اور مرگ و رزق کی وجہ حقیقی قرآن حکیم سے مجبوری و دوری ہے تو یہ بھی حقیقت
 ہے کہ اس مجبوری و دوری کے ذمہ در معاشرتی سرنوں میں انیز یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن و سنان دشمن
 سرنوں کے نیچے سب سے سرنوں کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے انقلاب باقرآن کے ذریعے ان کا استیصال
 کی طرف ہے انقلاب باقرآن کے یہ قرآن مجید کے رہنما اصولوں و بنیادی حکم سے آگاہی و بدی سے سنان
 ان کی نشاندہی کر دی جاتی ہے۔

توحید: توحید قرآن مجید کا اصل اصول ہے و اس کے دیگر احکام اس کے فروع ہیں جن
 کی ان میں سے ہی اہمیت ہے جیسی و توحید ان میں اس کے اعضا سے ریسہ کی ہے چونکہ توحید دین
 کی روت ہے ان س کے بغیر دین و ایمان و اعمال و زندگی بے جان و مردہ ہوتے ہیں۔ عمل صیر فی توحید
 ہے و توحید عمل سے معتبر ہوتا ہے اور توحید و عمل سے سنان توحید بنتا ہے چنانچہ توحید ہی حقیقت میں
 زندہ و محاسب و رزق و لذت حسن و حیات سے آشنا ہوتا ہے انسان زبان سے کہہ توحید پرستی کا دعویٰ
 نہیں کرے اس کی زندگی رنگ و حید سے مزین نہیں تو وہ موجد نہیں ہوتا۔ اس طرح جو معاشرہ توحید کا منظر
 نہیں دے سکتا وہ بھی نہیں اصل یہ ہے کہ سادہ می معاشرے کی پہچان اس کا رنگ و حید ہے یہاں یہ سول پیدا
 ہوتا ہے کہ توحید کیا ہے؟ اس سول کا جواب قرآن مجید کے مفصلہ ذیل کلمات تیبہ میں مضمر ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَ اللَّهُ ۚ ۱ اور ۲ إِنَّ نَعْلَمُ لِلَّهِ ۚ

یہ دونوں کلمات عقیدہ توحید کے جزائے یانینک ہیں، ورنہ کی بدولت جی میں شرع حسن و زندگی
 نرا و حیل، رزق و مساوات، خوف و محبت اور امن و صلہ متی کی جنت بنت و خوف و حزن کی تش
 بد و امتوں سے محفوظ رہتا ہے جس معاشرے کا دستور توحید پرستی ہو وہاں قرآن و انسان کے دشمن

سردن نشوونما نہیں پاسکتے، ورنہ شرک ہی پتی نمود کا سکتا ہے۔ باب ن تقرب انکیز کھلتے تیبہ کی
فردا فردا صراحت کر دی جاتی ہے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ: اس کلمہ غیبیہ کے معنی ہیں کہ میں کوئی معبود و محبوب، مظلوم و مظلوم و در
حکم و خدا مگر اللہ۔ اس کی معنویت پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن و کتاب کے دشمن فرعونوں اور
قارونوں اور زوروں کے خوف تقرب انکیز و قیامت خیز نعرہ بغاوت ہے، بلکہ ان کے لیے پند و مرگ
ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نعرے کے تریف کبھی خون کش و سرطانی طبقے ہوئے ہیں نہ ہو سکتے ہیں قرآن مجید
شاہد ہے کہ یہی القاب انکیز نعرہ توحید تمام نبیاء و رسل علیہم السلام کی تحریک دین کا نعرہ تھا و رہی رہے گی
کہ معاشرتی سرطانوں اور فرعون و مردمان و قارون، قیصری و کسری اور آذر و نرستے میں کی پند و مر
منافقت کی اور اس تحریک کو کچھنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ توحید کی نہایت دو گونہ ہے۔ اہل ایمان کے
یہ اچیت ہے تو معاشرتی سرطانوں کے لیے زہرِ ابل۔ صحابہ توحید میں گمراہی مولیٰ مشرکوں و مشرکوں
در کام چور خود ستمہ کاذب خداؤں کے خرمین مستی کے لیے برق و برق پنہاں ہوتے ہیں تو خدا و محمد و ان کے
کی تشنہ و مردہ کشتہ حیات کے لیے اس میں بارانِ رحمت و حیات منہر ہوتی ہے۔

یہ کلمہ توحید جو باطن کے لیے صورتِ اسرار و پیغامِ ہدایت ہے، لا و ان کے دو اجزائے
تہ مرکب ہے، جن میں سے ہر ایک اپنی منفرد حیثیت و غیر معمولی ہیئت رکھتا ہے، انداز سے فرزند
گفتار کی جاتی ہے:

”لا“ کی نیز معمولی ہیئت کا اندازہ اس مرتبہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ سترہ حروف کے سو دیگر حروف و حروف
بہل معبودان و رباب کی نفی و بعد ان ورن کے استیصال کا نعرہ ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ
جنہیں مشرک لوگ اپنے ظلم و جہل کے سبب پناہ رزق و پروردگار معبودوں کے حاجت بردار و دیکر زبغ و
دستگیر اور مشکل کشا و مستجیب دعوات بنا لیتے ہیں۔ دوسرے وہ بت پرست و قدرت و وسعت معبود
جس میں و دولت و عزت و شہرت یا پوشائیت و عزت کے نشے میں پنے آپ کو ایسا ہی سمجھتے تھے
ہیں۔ یہ وہ بریں شیطان بھی پنے ہیاتی قریب کاری و دوسو سہ انداز سے نہیں ان کے میں رہے ہیں

کے قرب و حضور کی طلب و جستجو ہے نیز اس میں جذب و شوق کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔
 بہر حال اِلا جہاں اس حقیقت کے ایمان و اعتراف کی علامت ہے کہ فقط ایک مددگار ہی مخلوقات
 کا خالق و رازق پروردگار و سازگار، غوث و دستگیر، مشکل کش و مستجیب دعوتِ حق و مومن و کافر کو
 معبود و مددگار ہے، وہاں لاکھ پڑھان رکھنے کی علامت بھی ہے۔ اس سے متنبہ ہو کر وہ لوگ جو قور،
 فعل یا ردیہ سے اپنی خدائی و کبریائی کا غبار کریں، فرعون و قارون یا ہات و زر ہوتے ہیں و رب مدین
 کے باطن و سرکش و اس کے بندوں کے دشمن ہیں، مذاہن کا ہلکا ہی کافی نہیں ہے تیسرا بھی نہ
 ہے۔ مغرض اِلا مددگار کی بلا شرت غیبت اور بیعت و روبرائی و عدمیت و کمیت و تقداری
 نیز کمیت کائنات کے اثبات و اعتراف اور یقین و اذعان کی علامت ہے جس میں یہ نہیں سمجھتے یا جانتے کہ
 اثبات حق میں ہلکا یا ہلکا کا مفہوم بھی منہ پر ہوتا ہے۔

یہاں اس اہم نکتے کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ قرآن مجید کی رُوس جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان
 مومن کہتے اور سمجھتے ہیں کہ وجودِ اِلا کو تو ان کا فائدہ نہیں کہتے اور اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ مشرک
 ہیں اور شرک گناہ و عظیم عظیم اور ناقابلِ عفو گناہ ہے نیز مشرک پر جنتِ حرام ہے۔ اس طرح جو لوگ اِلا
 کو تسلیم نہیں کرتے اور اس پر ایمان نہیں رکھتے، یعنی اس کے منہ بق زندگی نہیں کہتے وہ کافر ہیں اور شرک
 کا فرسند و سرشت اور اہلِ نار ہوتے ہیں تاریخ و قرآن کے منہ مددگار سے اس نسل کا پتا چلتا ہے کہ
 مشرک لوگ مضموم و مشہور و محروم و منہک لحن۔ نیز سرِ نگر و فتر ہونے کے با وصف نہ ہوتے
 نہ تو حسنِ حیات و انقلاب کی آرزو نہ خوانِ آسمان سرِ نواں کے پہنچنے کی تہاداد و تہاداد کی طلب و جستجو
 رکھتے ہیں۔ اس کی دو بنیادی وجوہ ہیں سے ایک ایمان یا توحید کا ضعف و نقصان اور شرک و بت پرستی ہے۔
 دوسری میں ضعف و نقصان کا سبب اس کا فکری و علمی زندگی سے نفرت ہے یعنی انسان کا اپنے عقائد
 جمید و مخیر کے مطابق عمل نہ کرنا اور اس پر تکیہ و تکیہ نہ کرنا۔ دوسری وجہ شیطان کی جہاد یا فریب کاری و
 دوسرا انداز ہے جس کے ذریعے وہ ان کے باطن و شرکاء و عقائد و عمل کو خوشنما بنا کر دکھاتا ہے۔
 اس کے نتیجے میں مومنوں نے حسنِ انقلاب کی تحریک کے علمبرداروں و درخشا کاروں کے مقابلے میں

نہیں تو در کیا ہے؟ یہ میرا قرآن حکیم کے احکام و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ حسنہ کی طرف سے ہے۔ قرآن مجید محنت کو تدریس انسان دروجہ فیست انسان سمجھتا در رزق رسول و کامیابی و کسب و کار کی بیش شرط قرار دیتا ہے و یہ مسلمہ حقیقت بھی ہے۔ لیکن بخلاف اس کے سرکارِ سرشت سردارِ اور دیر سے محنت کی تدریل و تحفہ کرتے در آست اپنے و تدر و غنمت کے منافی خیال کرتے نیز محنت کشوں کو بیچ در بن لازم و مفکر و درین شام و درجہ سراسیمہ ہیں یہ فرعونوں، ہامانوں، قارونوں و زروں کا شیوہ ہے۔

یہ خواہشیں، و ڈیرے، سردار و در بڑے بڑے زمیندار و آذر جو محنت کشوں کی عرق ریزی و خون نشانی کے عمل پر عیش و عشرت کرتے و روزناتے ہیں، نہت ایسا انسانیت سوکھتے ہیں جو شاید مہر کے فرعون و قارون و ہامان سے بھی بڑی ہو۔ ہر کیف، تخریکہ پاکستان کے نعرے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا سب سے پہلا کہ زردی ملتے ہی ہم اپنی آزادی و ملکیت میں اسلامی معاشرہ قائم کرنے و اس میں حق و قانون نافذ کرنے کی خاطر سب سے پہلے خون کش و ستاک معاشرتی سرکاروں و ران کے انسانیت سوز زنا و باجہ و زری و زمینداری کو تھیلنا کریں گے و اس قارونی نظام کے بجائے قرآن کا معاشی نظام قائم کریں گے، لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا، ہم نے اللہ تعالیٰ و اپنی قوم و ملت کو دغا نہیں کیا۔ و سب سے بڑا راز یہ کہ ہم نے آزادی میں نعمتِ علمی کی قدر نہیں کی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ پاکستان زری ملک ہے و اس میں زری سے پہلے بھی نگرانیہ کمزوروں کے نام پر بن جائیدادوں، زمینداروں، سرداروں اور زمینداروں کی حکومت تھی اور جائیداد و زمینداری کا استحصالی و سودی نظام قائم تھا۔ آزادی ملی تو حکومت ہمیں ان کے پاس ہی رہی و ران کے استحصالی معاشی نظام قائم رہا چنانچہ انھوں نے لاپرواہی و درمد ہونے و پیرائے و پیرایہ ہرے یہاں زمینداروں کے لیے خود کشی کے مترادف تھی، اب بھی یہی صورت حال ہے۔ قارون کسی صورت ایسا نہیں ہونے دیں گے، بجز ایک صورت کے، و ردہ سبب حسرت، صلی بیت کہ اللہ تعالیٰ کے رشادت لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اور اِنَّ احْکَمَ رِایَہِ پُرس در آمد کرانے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے،

حسن القلاب کے ذریعے قارونوں، آذر و بن، نیز فرعونوں اور ہامانوں و ران کے استحصالی و سودی

معدنی و سب سے درست فتنی و عمرانی قدموں کا نتیجہ ہے۔

ہم راہیاسی، معدنی، عمرانی اور فتنی، معرض ہر نظام زندگی ہم درست و درست مئی کی یہ درست در ہمیں درست میں ہے۔ دفعہ یہ ہے کہ یہ نہایت داسلام و پاکستان کی پیشانی پر ایک کٹیکہ ہے۔ انداز کی یہ سچائی، ناکہ یہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک ایک بنیر سومی میں شریک کی تعمیر و، خوب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ ان شون کا شرمندہ شری سون کی موجودگی میں صورت بد شریک، جس میں جیسی خوشخو و تعمیر و دل کے منہ میں دہو پی ہوئی بھیروں کے ساتھ معیشت کی باتیں، قطعہ ختم یہ کہ جب تک ہم لا کی تیغ بڑاں سے ن میں شری سون کا نفع قی نہیں کریں گے۔ درں کے پاک و بد دست پاکستان کی سرزمین کو پاک و صاف نہیں کریں گے، یہاں حسین و عثمانی مع شریک کے قیام و درں مقررانی کے نفاذ کے سول سے بیدار نہیں ہوتا، جس کا ہم سے شریک و درں کے بندوں سے وعدہ کیا تھا۔ مرتے غمہ کشی کی سب سے درں کا صلہ ہے کہ ہم سون نذر یہ ہیں اور ذات دسکت کے تحت شریک میں گریست ہوئے خوف و حزن کی لگ میں جن رہے ہیں۔

ہمیں یہ حقیقت نہیں جہونی ہے کہ ہم کلمہ توحید یعنی لا درں برہمن نہ کر کے کر دیں اور پاکستان میں نعمتِ علمی کی تکمیل کر رہے ہیں اور کثرتِ نعمت کی ہر زوہ نعمت سے یہ قدرت ہوتی ہے جو اُس سے درں نعمت الہی سے جو قابل تغیر و تبدل ہے۔ اس سے بیشتر قدرت، مان و ہر جزائے تغیرِ نعمتِ حرکت میں آجائے اور ہم میں نعمتِ علمی سے محروم ہو جائیں، ہمیں لا درں کے درں ہر عمل کر کے معاشرہ فی سون سے پاک و منہ بہ حسین و عثمانی مع شریک و درں مقررانی و قیام میں رہا ہوگا اور اس کا حسین و عثمانی حریفہ، طریقہ پیغمبری حسن و خراب ہے۔

۲۔ حسن آزادی

توید کی شریک شریک کی سب سے جس کی متعدد درں میں سے ایک کو آزادی سے تیر کرتے ہیں، جو اپنی اصل کی طرح حسین بن حیل و حسین و درں غروب و درں فرورستے، کر دیں توید و درں شریک و درں یہ ہے کہ ہر شخص فرد ہو، آدم، موہر ہو و درں ایک مددگار کو اپنا درں و درں حکم و ایک درں

ہوتا ہے نیز سدا کی بندگی یا ٹھکانے وغیرہ کی قطعاً کوہ نہیں ہوتی۔ محدود برہن، عبادتِ اقدس کو چونکہ اس حقیقت
 ہا تقابلی نہیں ہوتا ہے کہ ان کے رتبہ ذوالجلال و کرم سے انھیں زیادہ و خیر کی نزدیکی و درجیت کی بنا
 پر یہ سب ساقی حق ہے، مگر وہ نزدیکی کو جس سے عزیز تر رکھتے ہیں، نیز وہ نہ صرف خود کو درجہ پہنچتے
 بلکہ دوسروں کو بھی نزدیکی میں بہشت میں ور انھیں دوسروں کی نزدیکی کو پس و ستر مہر ہوتا ہے۔ نوید
 انسان کے دل و دماغ میں وحدتِ نسوہ لسانی و وحدتِ سروریت ہا یقیناً و شعور پیدا کرتی ہے۔ اس متباد
 سے تو پیر مافیٰ انوار میں ہم در اندر سلسلہ لسانی کی نزدیکی و رتق و ادر میں وسیع مافیٰ کی شہادت فراہم کر سکتی ہے۔
 موجدِ کونین حقیقت ہا بھی زمان و دین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کل بنی نوع انسان ہا حق و رب ہے،
 مدد و حسن سے محبت و رحمت سے سخت نفرت کرتا ہے۔ جن پھر سی نزدیکی کے لیے جو اس کی اپنی در
 اسے بہ جنسوں کی نزدیکی و زور کی، نیز مشیت ہی کے مطابق موجد ہونے سے نزدیکی کی تعبیر فقیر کی ہے۔
 حُسنِ زور کی فطرت لسانی ہا مہر ہے۔ در سی نزدیکی پنی عشق و رغبتانی دونوں حیثیتوں میں بزرگ
 ان ہواقی ہے۔ یہ ہمیں تفصیل ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی دوست مددگار حسن کی جتنی ہے۔ در اس سہانی
 بہ لیبی کی تدرج فطرت لسانی کو بھی جتنی بنایا ہے۔ یہ ہم سوس پیدا ہوتا ہے کہ فطرتِ لسانی کے
 کتے ہیں؟

اس ہا عرب مدندان کی ہا باقی تدرجی تخلیقِ فطرت و رسانی کے نام و باطن پہ نور کرنے
 سے مناسب۔ اس قدر ہا حق سے ہمیں اس حقیقت ہا شرائط سب کر رہی ہا تخلیقِ فطرت کی دوبارہ
 خصوصیات یہ ہیں۔ اول۔ اس کی تخلیق جیسے ہوتی ہے، ثانیاً، سرشتیت ہا زوج یا جوڑ ہوتا ہے۔ چہ چہ
 اس کی جیسے نے سب کے نام ہر یک پیکر جیسے کے ہا فطرت ہا لیبی پیکر جیسے ہا بنایا۔ اس
 کی ہر یک کو خلقِ اولیٰ ہا اول، در باطنی پیکر کو خلقِ اخیر ہا ثانی، کہتے ہیں در خلق کو فطرتِ لسانی سے تعبیر
 کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی دوست ہر پیکر جو پیدا ہوتا ہے خلق و فطرت دونوں جیسے سے گردنیا میں سب ایک
 جس کی بنیادی ہا ہا ہر یک ہا شس ہا دینیت ثروت کے سبب اس کی شس و صورت یا خلق مسخ ہوتا

ہے۔ سی طرح امرض و قنب کی وجہ سے اس کا خلق یا فطرت بگڑ جاتی ہے۔ اس کے باوجود انسان کے فطری تقاضے (مثلاً حسن زندگی اور آزادی کی آرزوئیں) فنا و معدوم نہیں ہو جاتے، بلکہ زندہ رہتے ہیں۔ تو پرانے نام ہی سہی، نیز آزاد و حسن و آزادی کے معنی و ضوابط اور ناتوانی و مردانی کے باوجود اس کے اندر زندہ و نو زندہ و توانا و رفعاں ہو جانے کی صلاحیت باقی رہتی ہے۔ یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ محبت ملک و ملت و قوم نہیں، اس کی فطرت بہرحال زندہ رہتی ہے۔ ورنہ اس کے ساتھ اس کے تقاضے یا آرزوئیں بھی زندہ رہتی ہیں۔ ورنہ اس کے نتیجے میں اس کے اندر جو باقی نفسیاتی لمحے کے وقوع پذیر ہونے کا امکان رہتا ہے۔ ورنہ اس کا نتیجہ انسان کے نفسیاتی حسن و نقیب کی صورت میں نکلتا ہے۔

حسن آزادی اپنی تقدیری موزونی یا حسن کی بدولت معذرت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی جمالیاتی حسن جو جمالیاتی و خدائی قدر کا زندہ معیار ہے، حسن کو باقی و پہچانتی و رعسوس کرتی ہے۔ حسن آزادی انسان کا فطری حق ہے۔ ورنہ اس سے مراد ایسی آزادی ہے جو فطرتِ انسانی در ہیئتِ جبر علیہ کے تقاضوں کے عین منافی ہو، ورنہ فرد و قوم دونوں کے لیے پندیرہ ہو، نہ خود گیر، نہ کسی آزادی جسے سلام اور ضمیرِ انسانی ہی دم کے لیے روکتا ورجو نہ سمجھتا ہے۔ قرنِ مجید کی رُستہ سے کل فرد و انسانیت کی جو حسن بنی نہیں ورنہ لعاب میں ہے، جمالیاتی تخلیقی فطرت کے حسین شاہکار و ربی آدم میں، ہند وہ صد و ستر ایک ہیں، انسانیت کا عقد سی حقیقت پر دست کرتا ہے، نیز انسانیت ہمدردی و عطف و اخوت و محبت، عدل و حسن، اکریم گسری و رحمت و رایش و قربانی منہا ہر انسانیت ہی میں، ہند وہ رزہ، محمد ز و رسولِ انسانی فقط ایک مذاق ہی کے تو مریوب و بندے، ورنہ حکومت میں، مذاق کے سو کوئی شخص افراد ہر باجماعت، انسان کو اپنا محکوم و غلام نہیں بنا سکتا ورنہ اسپتال کو کس کا تو دیکھ، رزق و بار بار یہ حاکم و بادشاہ ہی سمجھ سکتا ہے، ہندوینہ درجہ کہ ہر انسان اپنی آزادی کے غلے و بار سبھوں کے یہ مذاق و حکومت و وقت کے سامنے جو ہر ہے، بہرحال، مذاق کا بندہ ہونے کی حیثیت سے انسان کسی در کا بندہ یا غلام نہیں ورنہ ہو ہی سکتا ہے، ورنہ یہ حیثیت ہی انسان کے لیے دنیا و شرف و تہذیب و تمدن کی زندگی کی بنیاد و مریض ہے، رب یہ مہلک شریک و رہا انخصوص حکومت کا فرض ہے کہ وہ مذاق کے بندے کی

یثیت انسان کی نزدیکی و عزت کا احترام کرے۔ درست نہ تو خود پناہ نہ دے اور نہ کسی دوسرے کو ایسا کرنے کی اجازت ہی دے۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے اور اسے تسلیم نہ کرنے کی کوئی معقول وجہ یہی نہیں کہ انسان ہذا جتنی سب تو بہر طور مستحق فرائض ہے کہ وہ اس کا حق نہ تو خود سلب کرے اور نہ کسی کے ہاتھوں سلب ہونے دے۔
بائیں کے س منہور کی چھ مہارت کر دے باقی سب کر س کہ منصب حسن بدنی اور قلبی نزدیکی ہے۔
ترتیب درجہ اولیٰ لائق سے تدریجی موزون و کمتری پر اور انسان کے فطرتاً جوت و رہنہ کرتا ہو اس
بہاں کی انجیل یہ ہے۔ انسان کو اپنی حسی بدنی و قلبی قوتوں سے احسن طریق سے کام لینے کی آزادی ہونی
چاہیے۔ مثال کے طور پر مذکورہ انسان کو اطلاق و سمع و رویت کیے جس مذاست اپنا فی انجیل بیان
رہے۔ درود مسدود فی انجیل سننے کی آزادی ہونی چاہیے۔ پاکستان سمیت اکثر غیر جمہوری ملک میں کوئی
لوگوں کے لئے درجہ اولیٰ کی آزادی نہیں۔ یہ سبب آزادی ظلم ہے۔ لیکن فرعون حکومت میں ہمیشہ یا ظلم موت
تھا۔ سبب جس ظلم کی حکومت ہو وہاں ظلم کے خلاف کسی کو بولنے اور حق بات سننے کی آزادی نہیں ہو
سکتی۔ وہاں لوگوں کے لئے مقررہ دیکھنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔ اس ملک کی رو سے انسان جس نیت کے ساتھ
بدنی انداز میں خدمت میں آتا ہے اس کا مجرب ہے۔ لیکن اس کا حسی ہونا ضروری ہے۔ تقریر و تحریر کی آزادی
کے ساتھ اس کو اس کو زبردستی کے سننے، جس منظر کو دیکھنے اور جس تحریر کو پڑھنے کی بھی آزادی ہونی چاہیے۔
آزادی کسب بھی انسان کا فطری حق ہے، مذاست ظلم و ہنر کیجئے اور اپنی مرضی کا پیشہ اختیار کرنے میں
کوئی قید نہیں ہونی چاہیے۔ بشرطیکہ وہ پیشہ قومی مذاست کے خلاف نہ ہو۔ باغی اور دیگر انسان کو جس کسب کی
آزادی ملنی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے پردہ کام کرنے کی آزادی ہونی چاہیے جو جمالیاتی حق
اور عقلی سیر کے ساتھ استعین و معرفت و رفعتی و شریعی عقیدت خیر و حسنہ اور جو بڑھاپے جو دوسرے
مذہب میں انسان کو کسب حرم و فعل و شیعہ کی اجازت و آزادی نہیں ہونی چاہیے۔ غرض، انسان جس کی آزادی
ہو وہاں سب اس سے کہ وہ فطرتاً حسی ہے۔ اور اس کا فطری تقاضا ہے، مذاست حسی باقی سننے کے
اور حسی ہر گز تیز بات کو نہ کہ ات اور ظلم و ہنر کے حسی منظر و رفتار سے دیکھنے کی آزادی ہونی چاہیے۔

بلکہ لوگوں کو ایسے مواقع فراہم کرنا حکومت و معاشرے کی ذمہ داری ہے۔

۱۔ اس گفتگو کا ماحصل یہ نکلا کہ زدی رتبہ کریم کی نعمت عظمیٰ ہے جو اس سنہ سال کو ودیعت کی ہے۔
 ۲۔ اس لیے یہ اس کا انسانی حق ہے نیز یہ سن و حیوان کے درمیان بہار امتیاز ہے۔ لہذا جو جماعت، قوم،
 حکومت یا فرد دوسروں کی آزادی سلب کرتا ہے، ظالم و غاصب اور مجرم و گنہگار ہے، نیز اس کا دور اس کے
 بندوں کا عہد دشمن ہے۔ اس اعتبار سے حکمران، حکام، نوین، شیوخ، سردار، جاگیردار، بڑے بڑے زمیندار
 پیشوا، نیز سرمایہ کار، درکار خانے، دروغیہ وغیرہ، جو اپنے مزرعوں، محنت کشوں، سرحدوں، خدمتگزاروں اور
 مقروض و محتاج انسانوں کو اپنا محکوم و مذموم بن کر ان کی زدی سلب کر رہے ہیں، انہیں غاصب، مجرم، گنہگار
 اور دشمن سن و خدا ہوئے، اس سے اس کی توجیہ ہوتی ہے کہ کیوں ہم نے ان کے لیے فرعون و
 ہامان درق رن و زور نیز معاشرتی سرخوؤں کی تعبیریں اختیار کی ہیں، دوران کے نتیجے ان کی کو دریں
 کے لیے حسن انتداب کو ناگزیر سمجھا ہے۔

چونکہ آزادی سے عام طور سے سیاسی زدی مراد لی جاتی ہے، لہذا اس کے معنی و مفہوم کی مزید وضاحت
 کر دی جاتی ہے، لیکن ”حسن“ کے سوا کچھ اس لیے کہ انسان فقط حسن آزادی کا سرور ہے۔ جس آزادی
 کا مطلب ہے حسن ارادہ، اختیار کی آزادی، مثبت حسن فکر و عمل کی آزادی، دریں کے معانی ہیں۔
 ۱۔ عقل سلیم کے ساتھ سوچنے، سمجھنے اور اس کے فیصلے کے مطابق فکر و خیالات و تنظیمات و تدبیرات
 رکھنے، نیز نطق و قلم، و عمل کے ذریعے ان کے حسن بیان و بدعنوانی کی زد۔

۲۔ اکثر بدعنوانی و بدعنوانی مرئی کا پیشہ خیا کر کے کی زد، بشریکہ پیشہ حیدر یعنی جائزہ و قیاس و
 نہ ہو۔

۳۔ اپنی مرضی کا دین و مذہب اختیار کرنے و عبادت کرنے کی زدی۔

۴۔ فقط رزق حلال حاصل کرنے کی زدی۔

۵۔ منکحت، برباد و رطل و دفع کی زدی۔

۶۔ بیرونیاحت کی آزادی۔

۷۔ حکمرانوں کے ساتھ مل کر ملحق کئے، نیز حق کوئی و شہادت بالحق دینے کی آزادی۔

۸۔ اس میں کی تحریک جمہوریت میں حصہ لینے کی آزادی، اس تحریک کو چھوڑنے کی ذمہ داری حکومت میں نہ ہو، اور سب پر عام ہوتی ہے، یہ درست ہے کہ جمہوریت یعنی قریب قریب کے جامع و نفع اور فکری و فطرتی آزادی کے ساتھ ہے اور اس میں جمہوری و فطرتی و حیوانی و بشری ہمدردی کی منقوت کے نشو و نما اور نمو و نمو و فطرت و فطرت و فطرت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

۹۔ فطرت حسن آزادی کے معنی و مفہوم کو ایک جملے میں بیان کرنا ہو تو وہ ہے: اپنی دنیا کو حسن الہی بنانے کے لئے آزادی، اس کا تقاضا ہے کہ فرد ہونا تو کوئی بھی اپنی دنیا کو شریک بنانے کا مجاز نہیں، مختصر یہ کہ صرف اس فکر و عمل کی آزادی کا سزا درست ہے اور یہی آزادی ہی کے لئے جمہوریت حسن آزادی کی تعبیر نہیں کی ہے، یہ حسن آزادی کی نہایت فراہم کرنے حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے اور اس کے تحت وہ فطرت و فطرت و فطرت کے ساتھ جو رہا ہے۔

سوال: تحریک آزادی: چودہ آزادی ہر انسان کا حق ہے، مذاہب و مذاہب کو دوسروں کی آزادی کا پاس و احترام دینا ہے، اور نہ دوسرے بھی اس کی آزادی کا پاس و احترام نہیں کریں گے، اس سے تحدید آزادی کا تصور منطقی ہوتا ہے، اس میں کسی کی روست بہ شخص اپنی حدود آزادی کے اندر رہ کر زندگی کرنے کی مجاز ہے، یہ اس کے دوسروں کی حدود آزادی کی خوف و رزی کرنے کی مجازت نہیں، دوسروں کی آزادی کا احترام اپنی حدود آزادی کے تحفظ کے لئے کرنا ہے۔

سوال: حکومت کے سربراہ یا خلیفہ اور حکومت پر تنقید کی آزادی: ساری حکومت کا

سربراہ یا خلیفہ ہونا و فعل کسی کے ساتھ ہونا و رہنا دونوں کے ساتھ ہونا ہے، مذاہب کو اس پر نہیں تو تنقید کرنے بلکہ اس کا محاسبہ کرنے کا حق ہے، اور اسے اس کی آزادی ہونی چاہیے، لیکن تنقید

کا باحق اور احسن طریق سے ہونا ضروری ہے۔ نتیجہ باحق کا منصب یہ ہے کہ وہ با مقصد، مثبت اور تعمیری ہونی چاہیے۔ حکمران اگر اپنے فرض منصبی را کرنے میں ناکام ہو جائے اور معاشرے میں فساد برپا ہوئے یا خسارے رتی ہو جائے، یا وہ غلامی بن جائے اور باوجود تنقید اور وصیت کے اپنی سلوک پر آمادہ نہ ہو تو اس کے خلاف حسنِ نقیب کا نعرہ لگانا اور اس کا محاسبہ کرنا رعایا پر واجب ہو جاتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ اسلامی معاشرے میں کوئی فرد چاہے وہ حکمران ہی کیوں نہ ہو، مستوجبِ مسؤلیت ہے، مسؤلیت سے دور نہیں۔

اصلاح معاشرہ کا اصول

اصول معاشرہ کا اصول یہ ہے کہ معاشرے کی ابتدا حکمران کی ذات و ریویں حکومت سے ہوتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ معاشرتی مناسبات کا منبع عموماً حکمران کی ذات و اس کا ایوانِ حکومت ہوتا ہے۔ نیز رعایا میں اپنے مراد یا حکام کا تتبع کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ پیغمبرِ اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ رسالت کے سامنے ہمہ حق کن ہمارا کبر ہے۔ اسی اصولِ اصلاح میں معاشرہ پر درست کرنا ہے، اصل یہ ہے کہ حکمران قرآنی اصلاحیت رکھتے ہو تو ان کی حکومت بھی اصلاح ہوگی اور اس کے نتیجے میں معاشرہ بھی اصلاح ہوگا۔ بخلاف اس کے کہ حکمران اصلاح نہ رہے اور برعکس جائے تو ان کی حکومت بھی بدلتا ہے اور اس کے نتیجے میں معاشرے میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی ہمارے اصولِ اصلاح معاشرہ کی تائید ہوتی ہے کہ اصلاح کی ابتدا حکمران کی ذات و ریویں حکومت سے ہونی چاہیے۔ ریویں حکومت کا منصب ہے بیوروکریسی اور ایڈمنسٹریشن یعنی حکومت کے اعمال یا انفرشٹری۔

غلامی حرام ہے!

پیر مریدین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریکِ رستہ قدسی یعنی سکے بانی، تیسب و تربید رہتے۔ یہ تحریک مکیہ و مدینہ میں کہ مقصد انسانی معاشرے میں جبروت و غرور و خودی، مثل فرعونوں، ہانوں، قارونوں و رازوں کا ستیصال کر کے بنی نوع انسان کو اس کے حقیقی غلامی و رسلِ انجیلی سے نجات دینا ہے۔ زمانہ نشا بد ہے کہ یہ چار سرخانی طہقے ہی انسان کو آزادی سے

محروم کرنے اور پنا غلام بنانے کے ذمے دار ہیں۔ پیغمبر اعظم و آخر علی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تحریک
 رستہ معائنہ کی اولین جہزہ لنگہ جزیرہ عرب میں بن سرائی طبقات کو شکست دے کر ان کا قلع قمع کر دیا۔
 لوگوں کو ان کی محکومی و غلامی سے نجات دلائی و اس طرح ان کے لیے رحمت بنے تو رب رحمن نے آپ
 کے سر غیہ و عقیدہ مثال کرنا کے بن لفظ میں تعریف کی: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ
 (سورہ بقرہ: ۱۲۸) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر۔

آزادی گر رحمت کی ایک زہیں حسین صورت، شرف انسانیت و انسان کے نور ذات کے ارتقاء
 و ارتقا کے لیے لازمی ہے تو غلامی مع شرقی سرطانون کے غم و استعمار اور انسان کی ذات و مسکنات نیز
 راجعت و فتنہ کی کھلی صورت ہے، لہذا کوئی قوم، فرد، حکومت یا جماعت کسی فرد، جماعت یا قوم کو اپنا
 غلام بننے کی مجاز نہیں۔ غلام سازی خود غلامان و رعایتی سرطانون کا خاصہ، نیز اسلام کے عقیدہ
 توحید کی منافی و منہاج ہے، جس طرح اسلام میں کسی مرد کو غلام بنانا حرام ہے، اسی طرح کسی عورت
 کو نیز بنانا حرام ہے، وجہ یہ ہے کہ آزادی یا غلامی کا مسئلہ انسانی ہے، یعنی مرد و زن دونوں کا ہے۔
 لہذا توحید و توحیدیت و ربوبیت کے مفہوم سے نا آشنا بشر نام نہاد علماء کا یہ نظریہ کہ مرد کو تو نہیں عورت
 کو نیز بنانا جائز ہے، انسانی آزادی کے اسلامی عقیدے کا صریحاً انکار اور انسان سے غلام و جہل کی
 عبرت نامک مثال ہے۔

تعمیل دین سے پہلے قرون اولیٰ میں جنگوں میں مردوں اور عورتوں کو غلام بنانے کا رواج تھا؛
 لیکن اسلام تعمیل دین کا دوسرا نام و آزاد کی انسان کا سب سے بڑا عقیب و غمبار اور غلامی کا سب
 سے بڑا دشمن ہے، اس نے غلامی کے استیصال کے لیے جس قدر اقدامات کیے اور مسدلیوں کی غلامی کے
 روت کا بدرستی خاتمہ کر دیا، عقیدہ توحید نہ صرف انسان کی آزادی کے تحفظ کی، بلکہ اسے غلامی سے
 تحفظ دینے کی ضمانت فراہم کرتا ہے؛ لہذا کسی انسان کو غلام یا نیز بنانا عقیدہ توحید سے انہر کے
 مترادف ہوا جہاں تک ایران جنگ کا تعلق ہے، بے سہارا اور بیوز عورتوں کی گرفت و ران کی
 زد و تی زدگی کی بجائے کی خاطر اسلام نے مجاہدوں کو ان سے نہ جانے کی رخصت دی ہے، لیکن
 انہیں عورت کی عزت و ابرو اور عصمت و عفت سے کھینچنے کی اجازت نہیں دی، کیونکہ یہ اسلام

کی روح کے مافی ہے! اسلام عورت کے تقدس و شرف، اس کی عزت و اکبر و اور آزادی و سستی کا محافظ ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ آزادیِ نطق و قلم ہو یا آزادیِ اکتاب و قلم، اس کو ہمیشہ برائی کی تمغوں سے سلب کیا ہے، اور ہر زمان و مکان میں دینی، قومی اور قبائلی مفادات، اخلاقیات، معاشرتی مسائل اور ملی و فلاح و ترقی کے نام پر کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کی آزادی سلب کرینے کی بنیادی وجہ بن کو اپنا محکوم و غلام بنانا ہوتا ہے۔ سببِ آزادی اور غلامی ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ لہذا جس معاشرے میں لوگوں کے قول و فعل اور کمزوری و عمل پر تدبیر لگی ہو، وہ سوشل تو کچھ نہ کہ معاشرہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ اس کو تو سرکاری معاشرہ کہنا مناسب ہوگا۔ سرکاری معاشرے کی ایک واضح پہچان نقدِ آزادی ہے اس عبارتِ حسنِ انقلاب کا مقصد انسان کو اس کا حقِ آزادی دینا اور سرکاری طبقوں سے آزاد کرنا ہے۔ انسان میر کی ذلت و مسکنت و پسماندگی و دماندگی کے سوشل و شرکات پر تکیہ با حق کرنے سے بل نہ کر و نظر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس کا ایک ازب و اتم محرک و عامل فقدانِ آزادی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قوم کو فکر و نظر اور اظہار و بیان کی کامل آزادی نہ ہو تو وہ پتہ خرابی اور گمراہی میں پاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ اپنی خداداد صلاحیتوں سے، جو اسے قدرت کی طرف سے ودیعت ہوئی ہیں، کو بے کام نہیں کر سکتی، لہذا اپنا نشو و ارتقاء کرنے سے معذور ہو جاتی ہے۔ گریہ کیا جائے کہ ملتِ سولہ پاکستانی قوم سمیت فقدانِ آزادی کے سبب بہر کی اور گمراہی ہے اور اس سے پسماندہ و کمزور ہے تو یہ مبالغہ نہیں، عکسِ حقیقت ہوگا یہ صورتیں درحالیہ جتنی کی متقاضی ہیں اور یہ درجہ بے تائید حسنِ انقلاب ہے۔ رہنما و مجاہدوں کے کرامت و فضل سے ہم گمراہی کی غلامی سے آزاد ہوئے تو ہمیں تو اور مددگار سے بختہ عید کیا کہ ہم پاکستان کی آزاد مسکنت میں آئینِ قرآن اور اسوۂ حسنہ کے مطابق معاشرتی نظام کی تعمیر کریں گے! لیکن پہلے عہد و میثاق پر قائم رہے غلامی کی قدر ہی کی، اس کے نتیجے میں ہم انگریزوں سے بھی زیادہ ظالم و ستمکار سرکاری طبقوں کی غلامی میں گرفتار ہو گئے۔ وقت کے ساتھ غلامی کی زنجیریں محکم تر ہوتی جا رہی ہیں اور ان کے پیچھے استبداد سے نکلنے کی قریب قریب ساری راہیں مسدود ہو چکی ہیں، بغیر ایک راہ کے، اور وہ ہے سرکاری طبقوں کا استیصال، مگر بذرِ عیدِ حسنِ انقلاب۔

ہمارا نصب العین ہونا چاہیے، لیکن ہمیں پہلے اپنی تحریک حسنِ نقد و نقد کا آغاز اپنے دامن میں کرنا ہے۔
میں حسنِ نقد و نقد کے ذریعے معاشرتی مسائل کا انکشاف کر کے اسے ختم و مسدود
محبت و رحمت، عدل و احسان و راسخ و سادگی کی بنیاد بنانا ہوگا۔

عدل واحسان

قرآن مجید کی ایک امتیازی خصوصیت اس کا ایسا بڑا بڑا نکتہ ہے جس پر اس میں اللہ کی کے
بنیادی مسائل حل کرنے کے لیے ہر ممکنہ وسائل بیان ہوئے ہیں۔ ان کے لیے یہی اصول و ضوابط
استعمال ہوئے ہیں، جو اپنے اندر معانی کا علو رکھتی ہیں۔ عدل و احسان کی خصوصیات بھی ان
قبیل کی ہیں۔ اسے بھی قرآن حکیم کی ایک امتیازی خوبی سمجھنا چاہیے کہ وہ عدل کے ساتھ احسان کرنے کا
حکم دیتا ہے۔ عدل بلاشبہ ایک جہاں کی قدر ہے۔ یہ مقتضائے فطرت انسانی و رشتہ پروری ہے۔ لیکن
اس کے باوجود انسانی اور انسان کی نظر میں احسان کی قدر و اہمیت عدل سے زیادہ ہے۔ وجہ یہ ہے
کہ عدل سے انسان کو وہ کچھ قسط ملے جس کا وہ حقدار ہوتا ہے اور اسے وہ کچھ دینا پڑتا ہے جو اس
پر واجب ہوتا ہے۔ لیکن احسان کیسے زائد جہاں کی قدر کا عامل ہے۔ انداز سے انسان کو
سے زیادہ خیر و حسن ملے۔ یہاں اس لطیف نکتے کی وضاحت کر دی جاتی ہے کہ قرآن حکیم جن مسائل میں
عدل (Social Justice) کا نہیں، عدل و شرف (Absolute Justice) کو ملحوظ
رہا، اور اس پر ہی اکتفا نہیں کرتا، بلکہ عدل و شرف یعنی ان کی زندگی پر وہی عدل کے اصول و احسان کا بھی
حکم دیتا ہے۔ احسان کی پہلو در پہلو قرآنی میں جس سوک، رحمت و حسنہ اور انسانی و انسانی کا بھی غور
پایا جاتا ہے۔ احسان کے اثرات محض اس باکسر اور محسن اس باطنی، دونوں کے
دونوں پر اثرات عدل کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہیں و حیات بخش و رشتہ و نسبت تعمیر ہوتے ہیں۔
ان اثرات میں جس کی بدولت حدود و بخش و وحدت، درغبت و منفرد کی کو سر دیکھنے کا اثر
ہوئی ہے۔ احسان محل میں دشمن کو دوست بنانے، فریب میں خیر سبکی دینا ہمت و دوستی و

محبت کے جذبات پیدا کرنے کا ایک حسین ذریعہ ہے۔

عدل و احسان قرآن حکیم کا ایک ازلی و ہمیشہ قانون ہے جو کل زندگی پر حاوی ہے اور اس
 قانون میں عدل کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح انسان کائنات میں قانونِ عدل کے سبب توازن بنا رہا
 ہے تو وہ نظم ہے۔ اسی طرح حیاتِ انسانی کے توازن اور قیام و دوام کا اخصار عدل و احسان پر
 سب سے زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ صراحت کر دی جاتی ہے کہ کائنات تو بنی ہوئی ہے اور اختیار اشیاء کے مجبوری
 سے جو رہتا ہے، اس سے اسے فقط عدل یا میزان کی حاجت ہے۔ بخلاف اس کے انسان راہ و فقیر
 کی زندگی کے ساتھ غول و میل و مبالغہات و احساسات اور ضروریات و احتیاجات بھی رکھتا ہے۔ لہذا
 اس کی بقا و دوام کے لیے صرف و صرف درحیثیت و مطمئن زندگی گزرنے کے لیے عدل کے ساتھ احسان بھی
 ضروری ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسان کو عدل کے ساتھ احسان کا بھی حکم دیتا ہے۔
 حیاتِ انسانی کی ایک قیاسی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے متعدد شعبے و رگوں ہیں، در سب
 میں اُستعد و احسان کی حاجت رہتی ہے۔ چونکہ زندگی ایک انسانی وحدت ہے، لہذا اس کا ہر گوشہ و
 شعبہ اس مرکزِ حیات و زندگی کے ساتھ مربوط ہے۔ در سب شعبے اس طرح مربوط ہیں کہ ایک شعبہ یا گوشہ متاثر ہوتا ہے
 تو اس کے اثرات دوسرے گوشوں و شعبوں پر بھی مرتب ہوتے ہیں، اس لیے قرآن حکیم کا قانونِ عدل
 حیاتِ انسانی کو متحد ہے۔ در سب سے کوئی شعبہ یا گوشہ متاثر نہیں۔

عدلیہ و پرکھ عدل کی مخالفت و میں عدلیہ ہوتی ہے۔ اس لیے اسے خود مختار و آزاد مہونا چاہیے۔
 اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے حکمران و حاکم اور اربابِ قوت و قدرت کے برابر تسلیم کیا جائے۔ وسعہ و اُست
 و استوا پرستی۔ وہ اسے نہ تو کسی مجرم کی علی بنی و مرتبت اور منصب و قدر سے ورنہ اس
 کی مظلومیت و معذوری سے متاثر ہو کر رورحیت یا نا انصافی کرنی چاہیے۔ نیز عدل کی نظر میں عدل و
 تہرب و غیر و عدل سب ایک جیسے ہونے چاہئیں۔ در سب کے ساتھ انصاف کرنا اس پر لازم ہے۔
 اگر عدلیہ کے قیام کے لیے عدلیہ میں توازن و امن و سلامتی قائم رکھنے کی خاطر ان مجرموں
 کو قتل کر دینا سب سے زیادہ فساد پیدا کرتا ہے اور اس کا تو رن بگاڑتا ہے۔ چاہے عدل و

عدم توازن کی نوعیت سیاسی ہو یا اقتصادی، مگر فی ہر یا شتائتو، اعتقادی ہو یا نظریاتی، یکس من
 کا ہرگز یہ مستتب نہیں کہ عدل کو قیام کرنے کی ذمہ داری سب سے پہلے عدلیہ کی ہے، اور مدعیان قیام
 کے معاشرہ اپنی اس، بے فائدہ داری سے بے خبر ہو جائے۔ یہ سب سے پہلے اس ذمہ داری کی
 نوعیت انفرادی، اجتماعی سب سے پہلے فرد معاشرہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے، اور ہر فرد
 نسل انسانی پر عائد ہوتی ہے، چنانچہ ہر فرد کو سب سے پہلے ارادہ و اختیار اور باشعور و ذمہ دار بننا
 بشر ہونے کی حیثیت سے نہ صرف خود عادل ہونا چاہیے بلکہ اُسے عدل کو قیام کرنے والی عدلیہ توازن
 کو دور کرنے میں سرگرم عمل رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ اس کی انفرادی، اجتماعی ذمہ داری ہے، جس
 سے وہ بہتر ہونے کا وہ مختلف ہے، جو کہ اس کا علم و حکمت معاشرہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے، اور
 ان میں سے جن کو رب کریم نے خلق یا تلو کی نعمت سے نوازا ہوا ہے، ان پر قیام عدل کی ذمہ داری نسبتاً
 زیادہ عائد ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ خلق و تلو میں قلوب کو متحرک کرنے کی تائید ہوتی ہے۔
 عدل کی تین ناگزیر پیش شرائط ہیں: عدل فوری ہو، مفت ہو، و ملحق ہو، یعنی ہر فرد اور
 سب کے ساتھ ہو۔ یہ ایک مستلزم امور ہے، جس کی روشنی میں ہم اپنے ملک میں عدل کی صورت حال کا
 جائزہ لیتے ہیں تو اسے قریب قریب مفقود پاتے ہیں، دیں یہ سب کہ یہاں عدل نہ تو فوری، مفت
 ہے نہ ملحق، دوسرے عدلیہ برائے نام، آزاد و خود مختار ہے، عدل وہ بریں عدل کا من جو سب شیعہ
 کے متردین ہے۔ اگر یہ کبھی ملتا بھی ہے تو شک کی بنا پر آخری وقت اور حد سے زیادہ خراجات برداشت
 کرنے کے بعد ملتا ہے، لہذا عامتہ اناس اہل سنت و جماعت محروم رہتے ہیں، یہ سامنے کی بات ہے کہ
 قانون کی زد عمود غریبوں و یتیموں پر پڑتی ہے، لیکن اہل ثروت و اربابِ ثروت و شوخ و محکام اور
 جاگیردار، نوین ارباب بڑے بڑے زمیندار و سرمایہ دار اور مشائیر کثرت و کثرت سے عمود محسوس
 رہتے یا بچ نکلتے ہیں۔

اگرچہ فوجی مقدرات کے فیصلے بھی معاشرہ کی ذمہ داری کے بعد ہوتے ہیں، لیکن وہ ان مقدرات
 میں، خبر ہے جانو، اسی آدمی کو دیوانہ و رنگے بنا دیتی ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ پاکستان میں جہاد

رشتہ کی گرمی اور ترقی و ترقیت کا دور دورہ رہا ہے۔ خیر وہ بدیہی رشتہ کا اس قدر زور ہے کہ
مردن جنس خرید بن گیا ہے، ورنہ رشتہ کو بھی عورت سے قرضی ایجات اور یکیدہ مشکل کشا سمجھا جاتا ہے جس
پر قیمت نہیں بھروسہ ہوا ہے کہ نصف بکنے لگے تو کوئی بھی بکنے لگتا ہے۔ اس کی عزت نفس و عزت و
عزت بہت کم ہوئی، ضمیر و قلب و زبان و قلم سب کچھ بکنے لگتا ہے۔ انجی مہ کار اس قوم کی آرزو کے
ساتھ اس کا وطن بھی بک جاتا ہے۔

اب مول یہ پیدا ہوئے کہ فحشا، منکر اور رشوت سمیت بھیا تک جہرِ نم کی تشویش ناک عاتک
زبان کی حالت اگر عدل کا مقتدر ہو اس کی کمپانی و دیرپائی ہے تو قدرتِ عدل کا سبب کیا ہے؟ اس سوال
کا ایک نسخہ میں جو ب دینا ہو تو وہ ہے: "معاشرتی سرشتِ ندامت حقیقت سے ہمیں صرف نقد نہیں کرنا
چاہیے کہ جس معاشرے میں قرآن حکیم کا قانونِ عدل و احسان نافذ ہو اور اس کی حکمرانی و بالادستی ہو،
وہاں معاشرتی سرشتِ ندامت پیدا ہو سکتی ہے نہ پسیدہ ہی سکتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ عدل و سرشتِ نیت، ایک دوسرے
کی ضرورتِ قیض ہیں اور جتنی غلطی نہیں مٹا سکتے ہیں۔ اس گنگوشت ہم یہ نتیجہ مستخرج کر سکتے ہیں کہ معاشرتی
سرشتِ ندامت عدل و احسان، فحشا، منکر و جہرِ نم و فساد کے ذمے درمیں رہے نہ صرف
نزدائیم و منسدا و مجرم و سیاہ کار ہوتے ہیں بلکہ جرائم پیشہ لوگوں کی معاونت و سرپرستی بھی کیے
میں۔ عدل یہ ہے کہ فرعون و ہام و قارون و زمر و جوفی و عیب و ظلم، سفاک و شکر و مجرم و سیاہ کار
مور و خور و خون کش ہم ہوتے ہیں، عدل و محسن کیسے ہو سکتے ہیں، اور عدلیہ کو زور و خود مختار کیسے رہتا ہے
سکتے ہیں؟ نیز وہ قانونِ عدل کی حکمرانی و بالادستی کو کیسے برداشت کر سکتے ہیں؟ اس لیے کہ عدل ان
سے ان کے شر و استحصال درجہ کم کا می سہ کرتا، ورنہ ان کی مکافات چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قانون
عدل کو پسند نہیں کرتے اور عدل کو بجا طور سے اپنی موت سمجھتے ہیں، اور اس سے بچنے کی خاطر
قانونِ عدل کو منہ و ج و معنی کر کے میں کوئی دقیقہ فرو گذار نہیں کرتے۔

زندگی ایک کُن ہے۔ درکِ کُن کی طرح اس کے ہر جزو کی بقا و سدا متی و رُخِ و صہ نیت کا دار و مدار
عقل پر ہے، ہذا س کے چند بڑے شعبوں کے حوالے سے مدلل سے مجملہٴ گفتگو کی جاتی ہے۔

مختار بن دست جیدہ کے آئینے میں ہم بحیثیت قوم و ملت اپنی حالت کا جائزہ ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ تہذیب دہیں کرنا ہمارا شعار بن چکا ہے، لیکن بہت کم اس کا شعور رکھتے ہیں، دلیل یہ ہے کہ بہت کم لوگ نے اس کو قائم بنایا ہے، لیکن اس کی تکریم کرنے کے بجائے ہم اس کی تہقیر و تذلیل کرتے ہیں، بہت سے معاشقہ سرسبز پائے فرعون و یامان ہوں یہ نر و نرود پائے اپ کو بڑا، سردار اور ممدوم و در دوسروں کو چھوٹا، کینہ، خدوم، کٹی بکر بنو دکی طرح، شور و سہکتے ہیں، سرسبز تو سرسبز، مقررہ طور پر کتب کے دیکھیے، اپنے اندر طرز زعموں کو شور و سہکتے ہیں، چنانچہ طرز زعموں کے برتن عیار ہوتے ہیں اور وہ اپنے طرز زعم کے دتر خوں پر بیٹھ کر کھلنے کا تصور تک نہیں کر سکتے، سب انھیں کینہ و رکی، یعنی ذلیل محنت کش سمجھتے ہیں، جس طرح بنو دشوروں کو سمجھتے ہیں یہ ہمارے سارے معاشرے کا دستور ہے، جس میں وہ نادر بھی شامل ہیں جو اپنے آپ کو مشائخ و علما سے دیں، اور مندرجہ ذیل نیاں کرتے ہیں، اس کو یہ قرآن و سنہ کی خلاف ورزی اور تکذیب دینی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر شاہد کرے اس نے اپنی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ان کے قریب کے لیے ہیہ کی ہیں اور ہیہ کا ایک سبب، مذہب انسان کا نفس کا میں سبب، چنانچہ انسان محنت و مشقت و سعی و جہد سے ہر کچھ جائز طریق سے کما سکتا ہے، اسے اپنی ہر ضروریات پر خرچ تو کر سکتا ہے، لیکن ضروریات سے زائد مال اور محض اپنے قبیلے میں رکھنے کا مجاہد نہیں، بلکہ "مفلح" کوئی سبیل سے خرچ کرنے کا شرعاً مستحب ہے، قرآن حکیم کی رو سے ہر فرد شخص کے لئے و دولت میں اپنی حق و درمدم افراد کا حصہ، اہل حق معلوم، ہوتا ہے، دین فخر نہیں ہے، ورنہ دین امانت میں خیانت و ربا دہانی سبب، جسے حکم سے تعبیر کرتے ہیں، عدوہ بریں، محروم و سکیں، یعنی غمخیز و بے روزگار، معذور و بی روز و غلوک، ان وہ سہارا کوئی، بیوقوف و سکیوں اور اہل حق و غیرہ وغیرہ کی کفالت کا حق و معقول انتہا کرنا، معاشرے یا حکومت کی ذمہ داری ہے، ہذا حکومت یہ افراد معاشہ و پرکاشت قومی کا انتہا کرنا، و در دوسروں کو کفالت کا حق مقرر کرنے کی تبلیغ کرنا، و ایک دوست کو اس کی تربیب دینا، و سبب یہ سامنے کی بات ہے کہ دو ایک ملکوں کے سو مسلم ملک ہیں، و محمود و پاکستان میں، بالخصوص کفالت قومی کا کوئی انتہا نہیں، ان کے یہاں کرنا، و پر

واجب ہے۔ بخلاف اس کے شرک و مغرب کی سرحد یہ دارالہ حکومتوں میں کفایت قومی کا معقول انتظام ہے۔ باغیہ دیگر اشتراکی اور مغربی اقوام پیغمبرِ اعظم و آخرِ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنتِ حسنہ پر عمل پیرا ہیں لیکن مسلمان نہ صرف یہ کہ اس سنتِ حسنہ کا اتباع نہیں کرتے بلکہ یہ بھی نہیں جانتے کہ یہ سنتوں کا حکم اور سنتِ رحمتہ لایعالیٰ ہے۔ نہ ہر سب سے قوم کے نظم و جہل کا یہ حال ہو اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کفایت قومی کا کوئی انتظام قائم کرے گی یا اس کے افراد اس کی ضرورت پر زور دیں گے۔ قرآنِ مجید کی روش سے ہمارا نظم و کفایت قائم کرنا اور اس کے قیام پر زور نہ دینا نہ بجا احکامِ الہی اور سنتِ حسنہ کی خلاف ورزی اور تکذیبِ دین ہے؛ لیکن سرکاری نظم و حیات کا کرشمہ اور ہر سے نظم و جہل کی انتہا ہے کہ بہت کم اس حقیقت کا شعور رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود ہمارے دانشوروں اور علما و مشرکین کو زعمِ باطل ہے کہ وہ حقیقت آشنا ہیں۔ کیا یہ بھی مرکب نہیں؟ یقیناً یہ جہلِ مرکب ہے جس کے باعث ہم میں آرزوئے حسی حیات و انقلاب پیدا نہیں ہوتی اور کبھی ہوتی بھی ہے تو شہنائے کاذب کی طرح پیدا ہوتی ہے اور بعدِ ناپید ہو جاتی ہے۔

لوگوں کے ساتھ احسان کرنا احکامِ الہی ہے جس کی بجا آوری ہم فرض ہے۔ لیکن بہت کم اس فرض سے مددہ براہوتے ہیں۔ قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے کہ جو لوگ اپنی امتیاز کو ان کی ضروریاتِ زندگی کی چیزیں انھیں مستداریا فی البیہل نہیں دیتے وہ کذبِ دین کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے بھی مذہبِ دین ہمارا فوری شعار بن چکا ہے۔ زیرِ نظر آیاتِ مجیدہ کی روش سے مسعودہ کے تقاضوں سے تنافل و رُغبتیں پلیر کرنا مذہبِ دین کے مترادف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم میں بہت کم مسعودہ کے تقاضوں سے آشنائی ہیں۔ ورنہ ان میں سے بہت کم انھیں پورا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر مسعودہ کا ایک ازہر بہرہ مددشی تقاضا یہ ہے کہ فردِ نسلِ انسانی ربِّ جلیل کے حکم ہی کے مطابق اپنا مال و دولت اپنے پاس رکھ سکتے ہیں اور خرچ کر سکتے ہیں۔ اس کا تقابض یہ ہو کہ جو لوگ یہ نہیں کرتے وہ مسعودہ کے تقاضا پور نہیں کرتے۔ ورنہ اس طرح دین کی تہذیب کرنا ہمارا فوری شعار بن چکا ہے۔ مسعودہ کی مددشی مسعودہ کے مددشی تقاضے دو طرح کے ہیں: اول مراد و خواہش اور مراد میں (۱) تقاضے

زکوٰۃ اور ۳۱ الفاق باعقوب یعنی ضرورت سے زائد من و دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا۔
 نو آں ہیں: ربو یا سود، مشا، مزارعت، مضاربیت، بینکاری، کرایہ کاری، دستارگیری وغیرہ وغیرہ،
 کسبِ حرام، خیانت، نوسر بازی، قمار بازی، سمگلنگ، چور بازی، ٹیکس چوری، کاروباری
 بیانی، جیسے کم تون، کم نہ پن، شیاء میں آمیزش کرنا وغیرہ وغیرہ، کتنا زواہر، سراف و تہذیب
 اور بانی و کائنات۔

عدل و احسان اور حسن و زندگی سے ہماری محرومی کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم قرآن حکیم
 کو نہایت ناقصانِ نیاں بنا رکھا ہے اور ہم جانتے ہیں پر مانتے نہیں۔ علاوہ بریں، ہم اپنے آپ
 کو مسلمان کہتے ورنہ جی سمجھتے ہیں، لیکن بحیثیتِ قوم ہم قرآن حکیم کے معاشی احکام کی بالخصوص
 خراف و زری کرتے ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ اول تو ہمارے ملک بلکہ کسی مسلم ملک میں بھی قرآن کا نام
 زکوٰۃ تو نہیں، دوسرے، جو لوگ زکوٰۃ دیتے بھی ہیں تو وہ نہ تو نصب کے منطبق ورنہ پوری
 ہی دیتے ہیں، پاکستان میں بینکوں کے ذریعے صرف بچشکے سودی کھاتے (سودی سیونگ
 اکاؤنٹ) میں جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ وصول کرنے کا طریقہ نہ صرف غلط، بلکہ غیر قانونی بلکہ منکر و غیرت
 ہے۔ ورنہ بریں کسی حکومت کا ہذا رعبہ قانون، ایسے زکوٰۃ کو کسی فرقے کی خوشنودی کی بنا پر زری
 کے بجائے قیاری قرآن دین قرآن الہی کی خراف و زری اور اس کے ساتھ عبرتناک تہذیب ہے۔
 اس قسم کے قوانین ہمیں اس عمل کی بدولت سے میں کہ قانونی، فرعونی، ہمیشہ میں کریت کے
 تمدن سے خوب کو ناخوب و رعبہ کو حیس بنا کر دکھایا جا سکتا ہے، بہر حال، جہاں تک حسد ضرورت
 سے زکوٰۃ کے خرچ کرنے کا تعلق ہے، اس حکم الہی پر عمل کرنے والے کوئی مسلمان کہیں نظر
 نہیں آتا، اس صورتوں کے ذمہ دار معاشی سران ہیں، وجہ یہ ہے کہ اگر وہ زکوٰۃ و رفاق باعقوب
 کے و مرہ عمل کریں تو وہ ذاتی بدن بن سکتے ہیں اور نہ فرعونی ہی بن سکتے ہیں، عدو، انہیں معاشی
 سران و مرہی صورت نو ہی پر بھی عمل نہیں کرتے بلکہ، محضوں نے فرعونی و قرآنی کرنے کی خاطر
 سرور و مرہ معاشی بن کر رکھا ہے، جو منت کشوں، مزارعوں، منسوک محالی، مرہل، حقیاں کا

استعمال کرنے اور مختلف ناموں سے سودی سرمایہ کاری اور سود خوری کرنے سے سب سے بڑا ذریعہ ہے۔
 مسلم ملک میں سود کاری یا سودی سرمایہ کاری کی مختلف شکلوں، مثلاً مرزاحت، مغربت، بیعناہ کی
 کرایہ کاری، دستاگیری وغیرہ (غیرہ) کا نام رواج ہے اور انہیں جائز سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ سود اور
 حکم و استحصان کی وضع اشکال ہیں۔ سود منشی سران ہے۔ اس لیے اس ملک میں سودی کو سود
 نے حرام قرار دیا ہے۔ سود کی حرمت کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ یہ نہ صرف خود حرام ہے بلکہ سودی
 سرمایہ کاری کا بنیادی محرک و عامل ہے۔ جو حکم و استحصان اور کسب حرام سے سب سے بڑا ذریعہ ہے۔
 سرمایہ دارانہ نظام قرونوں کی عبادت، مذہب کے لیے ہم نے قانونی نظام ہمیشہ کی تعمیر
 کی ہے۔ عہدہ ازین، اس کی اساس سود پر متورم ہوتی ہے، اس لیے اس کے پیون میں فساد کی
 صورت منظر ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو کر جب تک دنیا میں سرمایہ داری سودی سرمایہ کاری یا
 سود کاری کا نظام قائم ہے، فساد کی ہر نمود جیسے حکم و استحصان، محکومی و غلامی، ذلت و مسکنت،
 تزییل، انسانیت، تضاد و تخلف، شرک و عدوان، فحشاء، دھوکہ، جرم و گناہ، سید و شر، سببہ کاری و
 حرام خورد، خوف و حزن، جنگ و جدل وغیرہ (برقرون بن کر خرمین من و زمین کی درستی
 اور یہ با درستی رہے گی! نیز معاشرتی سرخوئیوں کی سیادت و سطوت قائم رہے گی۔ چنانچہ ہمیں دیکھنا
 کہ اسلام ایک تو بہ سودی و معیشت قائم کرنے کی رزورکت ہے۔ دوسرے وہ فرعونوں، ہانہ
 قرونوں و رازروں سے پاک و صاف معاشرہ دیکھنا چاہتا ہے، جس کا دستور عدل و حسن ہو
 اور جس میں حاکمیت و انجلی (Supreme sovereignty) صرف در قہ سادگی کی ہو اور
 جملہ امور زندگی میں قرآن حکیم حکم ہو اور اس کا ہر حکم یا فیصلہ قرآن فیصل اور حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہو
 بلکہ معاشرتی سرخوئیوں کے ہوتے ہوئے قرآن مجید کا کف و قیام نہیں ہو سکتا، مذاہب و تہذیب
 مثالی نظام قائم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے:

حسنِ استدلال کے ذریعہ معاشرتی سرخوئیوں کا راستہ نکال دینا

عدل کو شہادت مستلزم ہے، لہذا ایک تو وہ شہادت کو دوسرے سچے شہادت کو چاہتا ہے۔

یہ حقیقت ہے تو پھر یہ بھی یقینی بات ہے کہ اس کی وجہ ہماری سرطانات گرتنگی و سحرزدگی ہے جس سے ہمارے
پائے کا اب ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے:

فرعونی و یامانی اور قارونی و آزرکی سرطانون کا رستہ سال بند رعبہ حُسنِ انقلاب
رستہ ذوالجلال وار کرام حیاتِ انسانی کے ہر گوشے کی طرح عالمی گوشت کو بھی حسین دیکھنے کی راز
رکت ہے۔ عالمی زندگی کی اہمیت یہ ہے کہ وہ ہیئتِ اجتماعیہ کی احساس ہے۔ ٹانڈن قوم زندگی کی دانی
ہے، جس کے بغیر ہیئتِ اجتماعیہ کی شکلیں و تعمیر ممکن نہیں۔ اس کا زندہ ثبوت اشتراکِ روس و آئرنی قریب
ہے۔ روس نے انقلاب کے فوراً بعد مناکحت کے ادرے کو منسوخ کر کے کیا تھا، اور اس بڑی طرح ہوا
ہوئے کہ اسے اس کو قنوں بھی ل کر پڑا قوم کو اگر شجر نہیں تو خاندن یا عالمی زندگی کو اس کی منسلیم
کرنا ہوگا۔ چنانچہ اسی بنا پر عالمی زندگی کو اس میں بی بی وی اہمیت حاصل ہے، اور وہ اس کو خاندن و
قوم کی همانیت و مسرت اور ترقی و کامیابی کی خاطر متوازن و حسین دیکھنا چاہتا ہے۔ مگر اس کے نہیں اور
حافظ و قیام مرد کو خاص طور سے ہر حال میں عدل و احسان کرنے کی تاکید ہے۔ یہ درست ہے کہ وہ
مرد کے جا لیا قی ذوق و شوق، شدید جنسی تقاضے یا کسی وجہ جہت کی سمیت میں اسے ایک سے زیادہ
کرنے کی اجازت تو دیتا ہے، مگر عدل و احسان کی شرط کے ساتھ اس مشروطِ شہادت کے ساتھ ہی نہ ہر مہرستی مرد کو اس
کی اس کمزوری سے متنبہ رہنا کہ دیتا ہے۔ شدتِ محبت میں دو یا اس سے زائد زوج کے ہیں عدل
کی تمیز و ترقی مٹا ہوا رہن زبیں دشوار و شکیب رُبا ہے، مگر ہر مرد کے پس کا رنگ نہیں جس سے شہر
ربانی سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ کمزور زوج کے حق میں نہیں، اور وہ چاہتا ہے کہ مرد و عورت کے مابین ایک
ہی بیوی پر اتفاق کرے اور اگر بامِ مجبوری ایک سے زائد زوج کرے تو اسے ہر حال میں چنی ہوئی
کے درمیان عدل روا رکھنا ہوگا۔

زمانہ بد ہے کہ کثرتِ زواج کی عدل سے مشروطِ شخصیت کے باوجود مسلم تو اس کے معاشقہ
سرطانون سے اس شخصیت سے اس قدر ناچیز و مذہم ٹھکایا اور اس کی مٹی پیدا کی ہے کہ اس نے اس
گردنِ مذمت سے جھک جاتی ہے، اس سے نہ صرف اسلام بدنام ہو رہا ہے بلکہ اس کی ترویج و شہرت

کو بھی نہیں اتھارت پہنچا ہے۔ عدل تو درکنار، معاشرتی سرطان ہمیشہ کی طرح کج بھی پتی زون کو اپنی کینز سمجھتے ہیں۔ اس سے ان نیت سوز سلوک کرتے ہیں۔ اس میں تعجب کی کوئی بات بھی نہیں۔ اس لیے کہ علم و فہم کی کمزوری معاشرتی سرطانوں کی سرشت ہے۔

سومنے نکاح کو مہر سے مشروط کر کے عورت کی قدر و منزلت اور معاشرتی حیثیت و ہر قیمت بخشی ہے۔ اس کی مثال کسی غیر مسلم معاشرے میں نہیں ملتی۔ لیکن پاکستان میں بالخصوص جو اسلام کے نام پر جو مسل موافق ہے اور جس میں مذہب پیشوائیت کی اجارہ داری ہے، عورت کو مہر دینے کا رواج ہی نہیں۔ یہاں تک عورت کو مہر دینے کا تعلق ہے۔ کثرتِ ان وگوں کی سبب جو مہر دینے کو نہ تو نکاح کی رنجی شرط سمجھتے ہیں اور نہ حکمِ قرآنی، یہ عورت کے ساتھ نا انصافی اور شادی الہی کی خلاف ورزی نہیں ہے۔ اگر سبب و رقیب سبب تو مجھ سوں پہ ہوتا ہے کہ اس بھوکا پیٹا آدمی کے ذمے در کون ہیں؟ اس سوں پر غور و فکر و تحقیق و تدبیر کا حاصل بھی جو ب سبب کہ اس کے ذمے در معاشرتی سرطان ہیں۔ یہیں یہ عمل نہیں ہوتا۔ یہاں تک معاشرتی سرطان و احسان کے دشمن و رنج مد و تکرار ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو قوم کے خلاف کوڑا ٹکٹ نہیں کہتے، اندازہ اپنی قوت و رسوخ و دریا و دولت کے سحر و جادو کی جیت پر دانی کو سبب کر لیتے ہیں۔ قوم بہری و رب بصر ہو جائے تو اس میں آرزوئے حُسن و زندگانی بہتر و در تونے اور گنج رز و نشو و نما پانے لگتی ہے۔

یہ عمل کو مہر کہ اس سے پیشتر کہ موت جو ہماری مرگ و رز و کی منتظر اور ہماری گھاٹ میں لگتا ہے۔ ہمارے غم و زندگی پر برقِ نف بن کر ہے، ہمیں سُنت پیغمبرِ مکی کے مطابق حسنِ آزادی کے ذریعے اپنی قوم و ملت کو خوش و شاد و سرخ و نوں کے پہنچنے سے رہائی دلانا ہوگی اور اس کے لیے معاشرتی سرطانوں کا تھپکا نا ضروری ہے۔

معاشرتی عدل: سہ میں تھپکا مصلوٰۃ کی اصل توحیدِ اکوہیت کے بعد توحیدِ ربوبیت یا معاشی تمام کوسب سے زیادہ، حیثیت کا عمل ہے۔ توحیدِ اکوہیت اگر حیرات کی عمل ہے تو معاشیات اس کا اثر ہے جس میں سب افراد نسلِ انسانی کا، جو رب عالمین کے عیال ہیں، جلتے ہیں، جو انہیں بدرجہ حُسن

معنی و حاجت مل چاہیے اور احسان کے طور پر بھی ملنا چاہیے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ روزی زندگی کے قیام کے لیے ناگزیر ہے اور زندگی ہو تو انسان اس کی سروسے الہانہ دینے والوں اور فریض کو پورا کر سکتا ہے۔ اس سے اس امر کی توجہ ہو جاتی ہے کہ کیوں قرآن مجید معاشی عدل وغیرہوں پر توجہ دیتا اور انسان کو اپنا دستور حیات بنانے کی تاکید کرتا ہے۔ ورنہ یہ معاشی نا انصافی یا ظلم کے بدترین عواقب و نتائج سے متنبہ بھی کرتا ہے۔ لیکن قرآن حکیم سے ہماری پہچانی و دوری کا یہ حال ہے کہ اس کے احکام کی خلاف ورزی کرنا ہمارا شعار زندگی بن چکا ہے۔ ہمارے ہر قدم کی انتہا یہ ہے کہ معاشی نا انصافی حتیٰ کہ سود کو بھی جہاں اسلام میں انتہائی گناہ و ناجائز ہے، ہم معاشی زندگی کے نشو و ارتقاء کے لیے ناگزیر سمجھتے ہیں۔ دراصل وہاں بیسی سے پتے سے ہونے کو درست کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں قلعہ کوئی حجاب و باک محسوس نہیں کرتے۔ اگرچہ یہ بہت کمزور کرنا مذہب و مکلفہ قرآن کے مترادف ہے۔ اس مسئلے پر تفصیل سے بحث آگے ہوتے ہوئے کی جائے گی۔ اس وقت یہاں چند ایک اشارات ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہاں اس زبیر، اہم و بنیہت، فروز نشے کی سرایت کر دی جاتی ہے کہ قرآن حکیم معاشی نا انصافی کو فساد سے تعبیر کرتا ہے۔ اس لیے کہ اس سے معاشی زندگی کا قیام ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ نا اہلی و خرابی، تنہا و تنہا، فقر و تشنگی کی صورت میں ملتا ہے۔ اس سے کہ معاشی نا انصافی بائبل کے پیوٹے میں فساد یا خرابی کی صورت منظر ہوتی ہے۔ اگر یہ کہہ جائے کہ پاستن کی معاشی زندگی میں فساد برپا ہے اور اس کے نتیجے میں قوم تنہا و تنہا و تشنگی و فقر کی شکار ہے تو یہ مبالغہ نہیں، بلکہ حقیقت ہو گا۔ سرمایہ کاری کی مختلف شکلیں، مثلاً صنعت و منفعت، بینکاری و قسٹ کاری، جنس کاری و سٹریٹ باڈی، سرمایہ کاری و سٹریٹ باڈی وغیرہ وغیرہ اصل میں سود خوری ہی کی مختلف شکلیں اور بڑے مقصد، اس میں کسی حد تک نہیں ہوتا۔ قرآن کے یہ سب مہم بہت نزدیک کی جھٹائی اور وہیں کے ڈسٹرکٹ و ریموٹ علاقوں میں یہ معاشی نا انصافی، سرمایہ خوری، سود خوری اور قسٹ کاری کے بغیر زندہ رہ سکتے نہ خود رستہ ہی کر سکتے ہیں۔

پاکستان سمیت اکثر مسدود اقوام کی پسماندگی و در ماندگی، ذلت و مسکنت، تشنگی و افتراق اور تنہ و فساد
نیز ان کے بہین عدوت و مخی نمت اور جنگ و جدال کے عوامل کو محرکات میں سے ایک معاشی خوراک
نا انصافی ہے جس کی ذمے داری بھی معاشرتی سرگٹوں پر غائد ہوتی ہے۔

یہ بڑی ہی شرمناک و تلخ حقیقت ہے کہ معاشی عدل کے فقدان کے سبب پاکستان کی بیرونی
منڈیوں میں ساکھ بہ نہ اس کی مصنوعات اور خام مال کی اتنی مانگ ہے جتنی کہ ہونی چاہیے۔ اس کی
مصلحت یہ ہے کہ ہمارا معاشی ترقی مہرنگی ہے جس نے قوم کو بددیانت و بدکردار اور حرم خورد و بھر
بنا دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں شیلے خورد و نوش میں مردٹ کرنا، غیر معیاری مصنوعات تیار کرنا،
کمبوتوں، کمپنا، کمناپنا، وکنا، کچھ اور دینا کچھ، عمد شکنی کرنا، غلط بیانی و دروغ گوئی سے ناجائز
منافع کمنا، رشوت لینا اور دینا، طرح طرح کے حیلوں سے ہر قسم کے ٹیکس و محصولات زدن، اسمگلنگ
اور چور کاری کرنا، نیز امانت میں خیانت کرنا ہمارا قومی معاشی کردار ہے اور اس کے باوجود بھی
ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور سمجھتے ہیں۔ حال وہ بریں، ہم اس منصفی میں مبتلا ہیں کہ ہم جس غلط بیانی و دروغ
نماہی و دروغت کے وارث ہیں۔ ہماری اس معاشی بدکرداری، نا انصافی، حرم خورد و بھر و غلط فہمی
کے ذمے داروں و آزرہ ہیں جن کے معاویہ و سرپرست فرعون و ہامان ہیں۔ اس سے ہم یہ قناعت
کر سکتے ہیں کہ حیات تک دنیا اور خصوصاً پاکستان میں سرمایہ داری و سود کاری اور جاگیر داری و زمینداری
نظموں و شرائین، سرداروں، وڈیروں، جاگیرداروں، سرمایہ کاروں، درسا جوکاروں و خاتمہ نہیں
ہوں، معاشی عدل کا مفاد بھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا، ورنہ مندرجہ اس کا معاشی عدل سے محروم رہنا شدنی
ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے اور ہے یہ سائنس سمجھنے کی ہمارے پاس کوئی معقول و حیرت انگیز نہیں تو پھر اس سودی
سرگٹانی معاشی نظام کی نیچ کنی ناگزیر ہوتی، اور اس کے لیے معاشرتی سرگٹوں کو کٹا کر کٹی لڑی
ستہ لگا کر سب قدر یہ ک بفر مکن نہیں۔

یہ اصل جیشہ ہمارے ذہن میں تازہ رہتی چاہیے کہ اگر ان مجید اور ہادیشہ جیشہ کی روست نہ نو
سود و خورد و بھر کی بددست مقبرہ ہے ورنہ اس کی دوی ہی مستجاب ہوتی ہے نیز اس پر جنت حرم ہوتی

اپنے آپ کو عادل و منصف اور رعایا کے دوست و سہی خواہ و حامی و محافظ ٹھہرا کرتے ہیں۔
 نہ ہر شے ایسی حکومت میں سیاسی مدد بخیر ثروت و سفارش کے عوم کو شکل ہی سے مل سکتا ہے۔
 چنانچہ جس طرح نعمتِ شب میں دھوپ کی توقع عبث ہے، اسی طرح سرکاری حکومت کی غفلتوں میں
 عدل و احسان کی روشنی کی بیدار کھنڈ لاواصل ہے۔ سیاسی آزادی سے مفصل بحث آگے آئے گی۔
 قرآن و سنہ اور تاریخ و آثار اس حقیقت کے شواہد ہیں کہ سلام سیاسی عدل و آزادی کا بیٹا ہے۔
 نفیب و عظیم درست ہے، لیکن یہ یقینی شرمناک و عبرتناک واقعیت ہے کہ پاکستان سمیت جملہ مسلم ملک
 ہیں یہ سیاسی عدل و آزادی کا قریب قریب فقدان ہے۔ یہ ظلم ہے جس کے نتیجے میں مسلم قوم میں اقوام
 میں ست حروم و درنیا کی محکوم دوست ٹکریں ہیں۔

آئین فتنی عدل کی سیاسی مقتضیاتِ مسلمہ و مسئلہ ذیل ہیں: (۱) تکریمِ انسانی (۲) خواتین مساوات
 (۳) بیرونی سیاست اور داخلی حسنِ انتظام کی آزادی، ان کی فرداً فرداً مجمل صورت سے سرحد
 کر دی جاتی ہے۔

۱۔ تکریمِ انسانی: عدل کا تقاضا ہے کہ جملہ افرادِ انسانی کو تکریم سمجھا جائے۔ تکریمِ انسانی کو
 ہر حال میں محفوظ رکھا جائے، اس لیے کہ جملہ افرادِ انسانی انسانیت کی بنیاد پر ترقی پزیر تہذیبی و تمدنی
 کے شاہکار ہیں اور مربوط ہیں، نیز وہ نسل واحد ایک اور ہم جنس ہیں۔ اس اعتبار سے مسابقتی
 ایک ہی ہیں تو عدل کی رو سے بھی تکریم کے مستحق ہوئے، لہذا تکریمِ انسانی و برکت میں محفوظ رکھنا
 ہو رہا ہے۔ رب مہربان نہیں کا حکم، لیکن پاکستان سمیت بیشتر مسلم ملکوں میں یہ نہیں ہوتا۔ تو مذہب
 شہور وں کو ذلیل و حقیر، بلکہ دراجہ و تہمت سمجھتے ہیں، لیکن پاکستان میں بالخصوص و اکثر مسلم ملکوں
 بالعموم حکامِ دینی کے برعکس منعت کشوں، مزارعوں، اجیروں، مزدوروں، معذوروں، بیوقوفوں، دیہیوں
 و بدست گروہِ محسوس لوگوں کو ذلیل و حقیر سمجھا جاتا ہے اور مرفہ لوگوں کی تکریم کرنے کو پانی سرش
 بلکہ توہین خیال کرتے ہیں اور ان سے شہور وں ایسے سلوک کرتے ہیں، ہم ایسے کیوں کرتے ہیں؟ ہم کیوں
 بنی نوعِ انسان کی تذلیل و حقیر کر کے حکامِ دینی کی خلاف ورزی بیان و بیرو کرتے ہیں؟ اس سوال

یہ سب کچھ کہ یہ شرعی نیت کا خاتمہ ہے، جس کے استقبالیوں کے لیے اسے انقلب نامزد ہے۔
۴۔ سیر و سیاحت کی آزادی، مدد سانی کی روستاں کل فرزندانی کو ان کے والدین کی
دنیائے میں یہ سیاحت باعقوبت ہونی چاہیے اس کا مطلب یہ ہو کہ جو حکومت سیر و سیاحت کیسے پر قدرتی
سبب سے عورتوں پر کھڑی ہے یہ سیر و سیاحت کی سہولتیں فراہم کرنا ایک صالح و صالحہ حکومت کا فریضہ ہے
اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں عورتوں کی سیر و سیاحت کرنے کی تین گرتیں درج ہیں اس سے جو فوائد حاصل
ہوتے ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ سیر و سیاحت سے قوموں کے ثقافتی مزاج، تمدنی و تمدنی معاشرتی سیاق و سباق کی اور
تاریخ و تہذیب و تمدن کی تاریخ کی اصل کے ساتھ سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اس کے نتیجے میں اس سے عورتیں
کثرت کے موافق رہتے ہیں۔ مدد ہر سیر و سیاحت سے ملک، شہر، شہر و قریہ قریہ اور صحرا و صحرا
کے پہاڑ و جبل و دریا و دریاں سے جو بیانیاتی ذوق ہیں وسعت و ہر قسم کی بھی پیدا ہوتی اور اس سے عورتیں
بھی واقف ہوتے ہیں۔ سیر و سیاحت سے عورتیں و بیانیاتی کو دور کرنے و یکجہتی و ہم آہنگی، نیز خیر سنی و
منفعت اور نفع و فائدہ وسعت و پھیلی پھرنے کا ذریعہ ہے۔

۲۔ انسان میں سیر و سیاحت ہر سبب سے قدرتی و نہیں ہے، بہتہ سہولتیں ایسی نہیں ہیں جیسی ہوتی
ہے ان سے سب سے بڑھ کر یہ کہ بادی کے بیشتر حصے کو ان کے مسائل کے فقدان کے سبب سیر و سیاحت کرنے
سے مواقع ہی میسر نہیں۔ جہاں تک سیر و سیاحت کے تعلق سے، وہ سیر و سیاحت کرتے بھی ہیں تو محض غرض
لشائے کی وجہ سے ان کی سیاحت باعقوبت نہیں ہوتی مقصود ہو و سبب ہو تو بیانیاتی ثروت کے سبب
و باعقوبت یہ سبب کہ نیت و بیانیاتی ثروت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ابتداء ضدین
حوالہ سے ہماری قوم میں سیر و سیاحت کے فیوض و برکات سے بہت حد تک محروم ہے، اور اس کا سبب
بہت سے عوامل ہیں سب سے بڑھ کر یہ کہ سیر و سیاحت کی وجہ سے عورتوں کو تو کشمکش و سیاحت سے
ذراعت ہی نہیں ملتی، دوسرے ذراعت ہی نہیں ملتی سبب تو یہ کہ سیر و سیاحت سے، مفروض، مفروض ہی ہے
بہت سے عوامل ہیں سب سے بڑھ کر یہ کہ سیر و سیاحت کو ضرورت مند کو بوجہ کرنے کی

خواہش شریک کے تلے رس طرح دبا دیا ہے، جیسے کوئی دنہ روئیدہ کو سنگ گراں کے نیچے دبا دے۔ اگر یہ سچ ہے اور یقیناً سچ ہے کہ اسے جھٹلنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی تو پھر ہماری اس محرومی کا ایک ہی مدعا ہے۔ وہ ہے سرفیض ہونا، جس کے لیے حسن و نقاب ناگزیر ہے۔

۵۔ حسن بیان و ابلغ کی آزادی میں مقتضیات عدل میں سے ہے۔ انسان کی ایک قبیح ذوق خوئی یہ ہے کہ رتبہ برکات سے عشق و قلم کے ذریعے یہاں تک پہنچ جائیں کہ نعمت کی سب سے بڑی شرف انسانی اور انسان و حیوان میں باہر و قیاس ہے، لہذا تہدید و تحریف اور جبر و زور سے اس نعمت کو سلب کرنا۔ انسان کو شرف انسانی سے محروم کرنے و اسے اپنے ذوق و رغبت و حسرت کے خلاف وریشم و جرم ہے۔ اس فکر کی نمود پاکستان سمیت قریب قریب سب مسلم ممالک میں عداف کی دقتی ہے۔

مردم مسلم قوم قرآن مجید پر ایمان رکھنے کی مدعی ہیں۔

سورہ آزادی بیان کو انسان کا فطری حق تسلیم کرتا ہے۔ اور اس کا سب سے بڑا ثبوت و حجت یہ ہے۔ چنانچہ انسان کو عشق و قلم کے ذریعے اپنے حق و شہادت، فکر و تخیلات و جذبات و حسرت کے حسن بیان و ابلغ کی آزادی ہونی چاہیے۔ حسن بیان کا مطلب یہ ہے کہ ہر قوم و ملت جو یہاں کر رہی ہو، صورت و معنی اور سلوب کے اعتبار سے جیسے ہونا چاہیے۔ آزادی یہاں بہت سی صورتیں ہوتی ہیں جیسے کہ کسی بات سے کسی کی دل زاری ہونا، جیاتی ذوق پر گراں گزرے، عذوبہ زاری نہ مانتا ہو یا لگی ہو نہ رہنے کی تمکین و موش و نیز وہ مغرب و شرق ہونے پر رقی قدر حسن بہت سی آزادی ہو۔ اور بشر و انسان ہی سے، جو اسے ملن چاہیے۔ اس لیے کہ آزادی حسن بیان کا مطلب یہ ہے کہ انسان اور اس کی معاشرت کی پہچان و شناخت ہے۔

یہ حقیقت ہے جسے فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ آزادی حسن بیان کا بغیر قومیت کوئی بچہ بچہ کی در اندھی ہو جاتی ہے۔ اور ہر قوم کی حیثیت دنیا کی زد و قوم میں اسی ہوتی ہے جیسی اس کی زمین اور ترقی یافتہ ان لوگوں میں کوئی بہرے و نہایت لوگوں کی حیثیت ہوتی ہے جو علم و ادب و دست اندار و رہنما و پار ہوتے ہیں۔ اس سے متنبہ ہو کہ قوم کو آزادی حسن بیان سے محروم کرنا اور اس سے

محکوم و غلام ہیں مائدہ و مائدہ، لہذا وہ بے بس اور محتاج و دستِ نگر بناتا ہے اور یہ ظلمِ عظیم ہے جو معمولی سرکاری معاشروں میں رو رکھ جاتا ہے۔ معاشرتی سرطان اگر اپنی قوت و سطوت اور جبر و کراہ سے لوگوں کو آزادیِ حسن و بیان سے محروم کرتے ہیں تو اپنی سحر کار کی سرطانت سے ان کی آرزوئے آزادی پر کڑے جوں باندھ دیتے ہیں۔ یہ انسانیت کا عبرت انگیز المیہ ہے۔

یہاں یہ خیالی انگیز سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اسلام انسان کی آزادی و حسن بیان کو تسلیم کرتا اور سے بہ کریم کی نعمتِ حق تعالیٰ قرار دیتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے مسلم حکومتوں نے رعایا کو آزادی و حسن بیان سے محروم کر رکھا ہے؟ اس کا ایک ہی جواب ہے اور وہ ہے کہ اس کی علت معاشرتی سرطانت ہے۔ انسان میں جہاں جہاں وڈیروں، سردوروں، جاگیرداروں، خونیں، بڑے بڑے زمینداروں، سربراہی دروز و رزروں کی عسکری ہے، وہاں کسی فرد کو تابِ سخن ہے نہ مجالِ گویائی۔ یہاں بھی سداً کے س قتلے میں محبوس لوگوں کے شوق و فکرم پر پھر سے بیٹھے ہیں۔ حسن و حق کی بات ہو تو معاشرتی سرطانت تڑپ اٹھتے ہیں، اس سے کہ ان کے دل اس کے حریف نہیں ہو سکتے۔ یہ سوال پیدا ہوا کہ معاشرتی سرطانت کا علاج کیا ہے؟ اس از بس تم مسوں کا جو بھومیر سے عمر بھر کے تدبیر فی شرک، منہ عہد تاریخ اور مشہور عصر کا، حاصل ہے، یہ ہے کہ معاشرتی سرطانت لے دو امر ضروری ہے۔ مزار اس کا سرچ "مذہب" نہیں، بلکہ حتمیٰ بالآخر جستجو میں ہے، اس کا ذریعہ مومنو علیٰ معرفتی حُسنِ شرب ہے۔ اس کا منصب یہ ہے کہ پہلے محروم و مظلوم لوگوں کے دلوں میں آزادیِ حسن بیان و نشر و اشاعت کی راہ پیدا کی جائے، پھر معاشرے میں حُسنِ انقداہ رسنے کے لیے جہاد کیا جائے اور اس وقت تک کیا جائے جب تک سرطانت کی بیج کنی نہ ہو جائے اور معاشرہ حکمِ الہی کی عکاسی سے غوثِ مودت، محبت و رحمت اور مس و سلامتی کی جنت نہ بن جائے۔

اصل یہ ہے کہ جہاں تک حقوق العباد کا تعلق ہے، ان میں قرآن کی یہ شقِ ص و احسانِ قول فیض و طرفہ خیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ایسی کسوٹی ہے جس پر فرد و جماعت اور قوم کے تقدیر و رسنے کے حُسن و حسن کی جانچ کی جا سکتی ہے، چاہے وہ کسی بھی شعبہ حیات سے تعلق رکھتے ہوں۔ باغیچہ

اصولِ عدل و احسان ہر قسم کی قدر و انداز جاتی، اخلاقی، معاشی، سیاسی، اقتصادی وغیرہ وغیرہ کی تشخیص و تعیین کا ماگیر معیار ہے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ جس معاشرے میں قرآن مجید کا یکتا عدل و احسان نافذ ہو رہا ہو تو موثر انداز میں نہ ہوا وہ سلامی کیا ہے ان فی معاشرہ کامل سے ناخوشی نہیں۔ یہ اصل اصول بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس معاشرے کا نام سودی، سرمایہ دار، سرمایہ دار نہیں، اصل اصول نہیں ہو سکتا، اسے سلامی سمجھنا یا کہنا، غلط و جہل ہے۔ سائنس بھی اس کی بھی نصرت کر دی جاتی ہے کہ جتنی بھی عدل و احسان حکومت کی ذمہ داری ہے، اس سے متنبہ ہو کہ جس معاشرے میں سودہ کاری ہوتی ہو اور لوگ عدل و احسان سے محروم ہوں یا حصولِ عدل دشمن رو دیں، عدل ہو تو اس حکمِ انصاف کی ذمہ د حکومت ہوگی ورنہ اس کے لیے مدد کی ضرورت کے بندوں کے سامنے جو بدمعاش ہے، یہ یاد رہے کہ کوئی حکمران یا حکومت سے متبر نہیں ورنہ سب بدمعاش کے لیے قابلِ موزعہ ہیں، ہر حال سودہ صورت و رہاں میں غلط و جہل رہے، اس لیے کہ سود یک کا دیکھوں کے لیے مرگِ منہایت

چونکہ سرمایہ دار نہایت مہم کی تائیس سودی سرمایہ کاری پر مبنی ہے، اس لیے اس میں سود کی صورت مندرجہ ہوتی ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس وقت میں مزارع و محنت کش اپنے وسیع ترین مفاد میں اپنے حقِ محنت سے بہت حد تک محروم و مظلوم ہوتے ہیں، نیز ان کی معیشت تلک درونی، دنیا زد، ہوتی ہے، ان کے اثرات ان کی زندگی میں زہر گھولتے رہتے ہیں جس کے نتیجے میں اس کا نفس سقیم و مردہ و اس کے ساتھ ان کی شمعِ حیاتِ مبدیہ موش و راز و سحرِ حُسن و زندگی مفلوج و مردہ ہو جاتی ہے۔ غور سے دیکھیں تو سرمایہ دار سرمایہ کاری بخل و سودی کی شکلیں ہیں، ان کے اندر اس وقت میں سرمایہ داروں کے دلوں میں زکاوت کی شدت کے باعث قنوت پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ قنوت کے سبب اس میں محنت کے سونے پھوٹتے نہیں پاتے، لہذا اس میں غمناک نیست و رحمت، ہمدردی و غمناک رہی، عدل و احسان و ریشہ داروں و قریبیوں کے جذبات کی نشوونما نہیں ہو پاتی، اسی کا نتیجہ ہے کہ غریب و ناتوان اس دنیا و تنہائی کے کرب میں مبتلا ہے، انسان کی یاں و تنہائی، مشغولی و بیکسی و رخص و زندگی سے محرومی کا طعن

اور ان کے لیے دُعا مانگتے ہیں تو ٹھیک ان اپنی کامیابی پر قہقہے لگاتا ہے، جن کی گونج اونچی عورتوں
مذبح کاہنوں، عالی شان ہوٹلوں، جنگلوں اور ایوانوں میں گونجی دیتی اور سو خوردوروں کے کانوں میں زہر
نکھوتی ہے۔

ظہورِ شبِ نواں میں، وحوشِ کچھروں در غاروں میں، حشراتِ ریشہ بوں میں در پستوجِ نور
مصلیوں، در طویلوں میں زندگی رستہ در رت کے مزے بیت ہیں، بخورِ س کے دوستِ آفرین، پیدا کار
محنت کشوں کو یہ سنگدل و سود خور سرِ جانی جھپٹے شبِ بصری کے لیے کہیں جھپٹہ پڑی بھی بنائے نہیں دیتے،
گویا بر زمین رتبہ عجبین نے محنت کشوں کے لیے نہیں، سود خور ہنری سرِ جانی کے لیے بنا دی ہے۔
وہ ان ضعیف و یکس مظلوموں کو اس طرح زندگی کرنے پر مجبور کرتے ہیں جیسے ان کا راجہ نہ ہو نہ
دیوار بستوں میں سردی سردی، گرما میں گرمی اور برسات میں بارش، انہیں لذتِ بندست کٹ نہیں
ہونے دیتی، لذتِ حیات و موت سے ناکت مفلوک ایں و مظلوم محنت کشوں کے دل مستِ پیوستہ
کربِ سلسل اور ریشہ خوف و حزن و ریاس و دم میں گزرتی ہیں۔ در سورتِ ناکت ہی انہیں اپنے غیر خیراتی
کے بارے تھکے، اندھے جسموں، داس و لون و روؤف و غلوں کے ساتھ اپنا خون ریتہ یک کرنے کی
خیال کر رہے ہیں جتنا پڑتا ہے تاکہ جسم و روح ہر شے ٹوٹنے نہ پائے۔ زندگی واقعی رتبہ ذرا بہرہ و بار
کی نعمتِ غنمی ہے، لیکن بہت کم اس حقیقت کا شعور رکھتے ہیں جس سے محروم ہو کر رہیں زندگی میں
قدرِ کمش و محبوب ہوتی ہے کہ اس کو کرب و ریاس میں رہنا تو گوارا ہوتا ہے، لیکن زندگی سے
رشتہ منقطع کرنا منظور نہیں ہوتا۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ زندگی بہت حس کے ساتھ اس قدر
روح پروردگشی و لذت نگین و سرورِ آفرین ہوگی یہ بے حس و سرور ہیں جو خود بھی لذتِ حسِ زہری
سے آشنا ہوتے ہیں دردِ سردی کو بھی اس سے آشنا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ بخورِ س کے
بر فرعون و ہات و در گزرتی روئے ہیں، جو خود بھی لذتِ حسِ زندگی سے محروم ہوتے ہیں دردِ سردی کو
بھی اس سے محروم کرتے اور کہتے ہیں یہی تو ن شرعی سرِ جانی کی نعمت ہے۔

اس مسئلے کو در فیجِ طور سے سمجھنے کی خاطر ہم پاکستان میں محنت و سرِ جانی کا مقابلہ بائزہ ہتھ ہیں یہ

سنت کی بات ہے کہ اس "سلائی ٹک" میں مزارع اور محنت کش عمر بھر بذاتِ حق زندگی سے شناس نہیں ہوتے۔ ان میں بیشتر لباس، روٹی اور مکان کی حسرت لیتے مرجاتے ہیں جنہیں کوئی کچا مکان تیسرا بھی بتا سکتا ہے۔ تو وہ مغربی ملک کے زندوں سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ ان کی معیشت اس قدر تنگ ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے۔ وہ تو انہیں پیٹ بھر کر روٹی اتن دیا مٹے کوڑے اور بٹہ کو جھونپڑی تک مہیا نہیں کر سکتے، حتیٰ کہ وہ ان کو مسک بیماریوں سے بچانے اور علاج میں غیر کرنے، بندوبست بھی نہیں کر سکتے۔ ہر خودِ حق زندگی سے محروم ہوں وہ اپنی اور دکو یہ نعمتیں لینے دے سکتے ہیں؟ ان میں تو خود، رزق کے حق زندگی مردہ ہو چکی ہوتی ہے، وہ اپنے بچوں میں اس رزق و بارش کو سبک کر سکتے ہیں؟ وہ خود علم و ہنر کی روشنی و توانائی سے محروم ہوتے ہیں، اپنے بچوں کو بر روشنی و توانائی دے سکتے ہیں؟ وہ تو خود بصورتِ بشر لد و جا نور ہوتے ہیں، بہرے، گونگے، سرسبز، درخشندہ ہوں، وہ اپنے بچوں کو انسان کیسے بنا سکتے ہیں؟ جو شخص جس کے اتنا غنوں پر پرستار است، ورموت کے ماتے میں زندگی کرنے پر مجبور ہو، اس کے دل میں غم و ہنر اور حقائق و زندگی کی رزق کا حال کچھ ایسا ہوتا ہے، ایسا نہیں ہیں دنیا و نیرہ کا حال، جو ترنگ گڑبڑوں میں سوس پیدا ہوتا ہے کہ اس صورتِ حال کا فہم و درکون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں انسان بنایا ہے، انہیں انہیں حیرت بنانے والا ہے، کون ہے؟ رستہ کریجھنے اپنی نعمتیں جملہ بن نوع انسان کے لیے پیدا کی ہیں، لیکن محنت کشوں، غریبوں، ورمزارعوں کو ان سے محروم رکھنے والا کون ہے؟ جو رزق و محنت کی مہیاں منت ہوتی ہے، لیکن محنت کشوں کو پیدا و رستہ محروم رکھنے والا کون ہے؟ سب سرور کا ایک ہی حور بہت و روعہ ہے۔

سربکار: سود خور و بخیل ورمی شرعی مدین

اس مضمون سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ بنی نوع انسان کا سب سے بڑا اور انتہائی سنگین گناہ انہیں زمیندار و سرمایہ کار ہے۔ ورمہ اباسمک معاشرتی سرطان ہے جس کا تھیلہ کُل وقت انسانیت کا مقتضی، رتبہ جیل کی مشیت اور افضل ترین جہاد ہے۔

۴۔ قانونِ معنی و کتاب

قانونِ معنی و کتاب آئینِ قرآن کی زبیں ہم شوق ہے و رقومِ پید و ریہ دولت کی تیرہ گاہ
لفظی و راکل و حسن معنی و سب سے شرفی ان سے ریہ زبانت سے منقذ و مقصدات
پر بیان کیا ہے مثلاً

وَأَنْ يَكُنْ لِلَّهِ نِسَانٌ رَافِعٌ سَجْدَةٍ ۝ ۱۵۵ اَنَّهُمْ ۝ ۱۵۶ وَرَبُّكَ يَكْرِهِي

مگر جیسی اور جتنی اس نے معنی و جہد کی۔

۱۔ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۝ ۱۵۷ اَلَّذِينَ هُمْ عَنْ عَوَالِدِئِهِمْ اَنْفُسُ ۝ ۱۵۸

۲۔ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ۝ ۱۵۹ اَلَّذِينَ هُمْ عَنْ عَوَالِدِئِهِمْ اَنْفُسُ ۝ ۱۶۰

۳۔ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبْنَ ۝ ۱۶۱

عورتوں کو تن سے تنہا جتن، وہ کمائیں و مردوں کا تن سے تنہا جتن وہ کمائیں۔

مختصر یہ کہ یہ آیت جہاد میں قومی پید و ریہ و دوست کی تیرہ گاہ یہ اصل و معنی میں ہے

پید و ریہ معنی محنت کشوں اپنی وسیع ترین مغیرہ میں، میں سے ہر ایک کا حصہ میں کی جاتی

کے مطابق ہے؟

یہاں سے کہی کہ محنت کر دینی ہوتی ہے کہ کوشش کا معیار ایک تو اس کی محنت و رقوم ہے

اور دوسری کی کیفیت ہے جس کا تعلق زیادہ تر ذہنی حد جیت و کاوش و رقوم و تجربہ سے ہوتا ہے۔

محنت کشوں کی دو بڑی صنفیں ہیں پہلی (۱) محنت کش اور (۲) محنت کش

پہلی محنت کشوں کی محنت وسیع جسمانی ہوتی ہے، جبکہ دوسری محنت کشوں کی محنت و رقوم ہے

جسمانی ہوتی ہے، انداز کیفیت و رقوم میں کہ قیاس سے نسبت زیادہ ہوتی ہے و رقوم نسبت

قومی پید و ریہ میں اس کا حصہ ہو گا و یہ یہ ہے کہ اس میں وہ کوشش بھی شامل ہوتی ہے جو اس نے

اقتسابِ بہرہ میں کی تھی جسمانی کوشش میں کاوش و ذہنی کا غلبہ میں ہو جانے میں ایک تو بہرہ

زیرِ در ہو جاتی ہے۔ دوسری خصوصیات کا معیار بند ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں ان سے منافع نہ دینا حاصل ہوگا۔ ہذا میں نسبت سے ہنرمند محنت کشوں کا حصہ ہے ہنرمند محنت کشوں سے زیادہ بہتر و سرکاری کی روست ہونا بھی چاہیے۔ چنانچہ تقسیم پیداوار میں سعی و کتاب کی کیفیت کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا۔ اور اس کیفیت کی تشخیص و تعبیریں علم و تجربہ اور ہنرمندی و کمالات کی نوعیت کی روایت سے کرنا ہوگی۔ اس سے وہ زمین اس سمون کے ساتھ جس ضرورت و آسان کے نمودوں کو اپنا نا بھی زمینی ہے۔

طلب و رسد کا فائدہ اٹھانا اصول

نہ سربیداری کی بنیاد علم پر ستور ہے اور اس کا ثبوت اس کا طلب و رسد کا سامانہ اصول ہے۔ جس کے مطابق محنت کشوں و مزارعوں کو محنت نہ دینا چاہیے۔ سربیداریوں و زمینداروں نے یہ اصول محنت کشوں کا استحصال کر کے خفا کر دیا ہے۔ جو غلبہ مند نہ، فائدہ مند و رسد کے قانون میں اس کے منافی ہے۔ نیز یہ کہ اس کے قانون سعی و کتاب کا نتیجہ غل ہے۔ اصل یہ ہے کہ سربیداری جو ترقیت میں سود خور اور معاشرتی سہارا ہیں، انھوں نے اپنے تمام سربیداری کے بیچوں میں خرچ کیا ہے کہ اس میں خود کی صورت مضمر ہو گئی ہے جس طرح بجلی کے تاروں میں برقی رو بہا رہی ہوئی ہے، اگر دکانی نہیں دیتی، اس ممانعت کے باعث ان میں ایک بنیادی فرق بھی ہے۔ درود یہ ہے کہ بجلی گھر میں بجلی اس سے پیدا کی جاتی ہے کہ اس سے لوگوں کو روشنی و توانائی ملے گی۔ بجلی کے پائپوں میں دوست پیدا تو محنت کشوں کے خون و پسینے سے لہائی ہے، اگر اس کا بیشتر حصہ سربیدار اپنے سرواٹے کے ٹرانسمیٹس جاتے ہیں، جو سود ہے۔ درجہ محنت کشوں میں اس طرح تقسیم ہوتا ہے، جیسے صدقہ و شہرت تقسیم کی جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں دولت معاشرتی سہاراؤں کے چند کسر نمونے میں سمیٹتی چلی جاتی ہے۔ وہیں گردش کرتی رہتی ہے۔ درجہ محنت کشوں کے اس لئے غریب الیال اور زندگی کے حسن و نور سے محروم ہو جاتے ہیں، کیا یہ ظلم نہیں ہے کہ سربیداری نے انسانی ورفاد نہیں تو پھر کیا ہے؟ چنانچہ قدرت کے قانون مجبوزات

کی دوسری معاشرتی فساد و معاشی ظلم کا بدلہ سرمایہ کاروں کو بھی ملتا ہے۔ ایک تو خود ان پر غرضتہ حیات تنگ ہو جاتا ہے؛ دوسرے ان کا قلب اپنے نور سے محروم ہو کر اندھا ہو جاتا ہے۔ دوسرے ان کے اندر خوف و حزن کی لگ بھگ جاتی ہے، جو کہ انہیں لذتِ حسی حیات سے محروم کر دیتی ہے۔ ملوہ زمین، ان کے ظلم کا بدلہ انہیں مرنے کے بعد روزِ حساب ملے گا۔

چونکہ نظامِ سرمایہ داری میں دولت کا بہاؤ سرمایہ کاروں کی طرف ہوتا ہے، لہذا مفکروں کی حاجت مند محنت کش روزگار کے لیے سرمایہ کاروں کے محتاج و دستِ نگر ہو جاتے ہیں۔ ورنہ یہ وہ ان کی احتیاج و دستِ نگر سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ درقرآن حکیم کے فطری اصولوں کی پشتِ ڈال کر غلبہ و رسد کے غیر منصفانہ و استحصالی اصولوں کے منہ بقی ان کی ہجرت و تفرقہ گری سے محنت کشوں کی تعداد زیادہ۔ در روزگار کے موقع نسبتاً کم ہونے کے سبب، نیز قوتِ ریوت و حاصل کرنے اور دیگر فوری نوعیت کی ضروریات کو پورا کرنے کی خاطر ان میں مسابقت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں ان کی رسد بہ نسبت ان کی ہنگ کے زیادہ ہو جاتی ہے اور اصولِ غلبہ و رسد کی دوسری وہ اپنے حقوق سے محروم، ورنہ کم سے کم محنتاً قبول کرنے پر بازالِ نحوست مجبور ہو جاتے ہیں۔ ان کی اس "مجبوری" سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا نام اصولِ غلبہ و رسد ہے، جو حقیقت میں قارونی اصول ہے۔

سود یا سودکاری کیا ہے؟ یہاں وجہ مددِ دولت کے ذریعہ دوسروں کی معاشی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہی تو ہے۔ اسی طرح سرمایہ کاری کا موجودہ تلف یہ بھی محنت کشوں و مزدوروں کی معاشی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہی تو ہے، جس کا دوسرا نام استحصالی ہے۔ درجونا انصافی و ظلم ہے۔ نہ ہر سہ ماہی نہ کسی مہینوں میں نہیں ہو سکتا اور نہ سہ ماہی نہ اس استحصالی معاشی نظام کا تین سال وقت کا اتم ترین وقت تھا۔ در وقتِ مگر کہ زمین فریبندہ ہے و سرمایہ سب سے گریب ہے۔ یہ زمین سہ ماہی نہ کسی مہینوں میں ہو سکتا ہے نہ اس کی مدد ہی ہو سکتی ہے۔ نیز اس میں تفاق و اتحاد و خیرت یک نگریت، آزادی و مساوات و مساومتی کی فضا بھی کم نہیں ہو سکتی۔ گریب سب سے دیرینہ ہے

ہے۔ اس لیے کہ اس کے بھڑکنے کی ہر سہولت کوئی وجہ جواز نہیں تو چہ چسب نقوب کی فوری ضرورت سے متعلق دوائیں نہیں ہو سکتیں۔

ہم مہم کر رہے ہیں کہ قرآن مجید نے سعی و کتاب کو قومی پیداوار یا دولت کی تقسیم کا اصول یا معیار قرار دیا ہے۔ جو اس کے ثمرات کے عین منافع ہے۔ لہذا اس دفعی اور قلعی اصول کی دولت سے بڑا مفویہ ضرورت سے زیادہ پائے گا پیدا و مرہم کوئی حصہ نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ یہ سب کہ یہ سرمایہ موقوف ہونے کے باعث قوم کا حق یا حصہ ہوتا ہے اور اس کا مذاق باحق فرض ہوتا ہے۔ جس کی ایک صورت اس بیت خدا یا خزانہ عامہ میں جمع کرنا ہے اور دوسری صورت ملک کی زمینوں سے فائدہ لینے کی غرض سے مزید کاروبار کرنا، کارخانے لگانا یا صنعت کاری کرنا ہے۔ مردہ کاروں کی زمینیں بھی ہو سکتی ہیں۔ یہ سب اس کی کوئی صورت کیوں نہ ہو، اس پر منافع لینا سود خوری ہے، جو حرام ہے۔

اس میں زہد و بخل کی ضرورت کم رہی جاتی ہے کہ سرمایہ کاری کر کے زمین قرآن کے مطابق لے جائے تو جائز ہے۔ لہذا یہ سب میں سرمایہ کاری سے سرمایہ کاری سعی و کتاب کی نوعیت کے منافع حاصل کرنے کا مجوز ہے مگر اپنے سرمائے کے عوض منافع لینے کا حق دار نہیں، اس سے کہ سرمائے کے عوض منافع لینا سود یا ربا ہوتا ہے، جو حرام ہے۔

۵۔ ملکیت الہی و متاع انسانی

قرآن کی ایک زہد و بخل کی تفسیر یہ ہے کہ آسمانوں، زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت و متاع انسانی ہے (یونس: ۶۲)۔ اور بقدر قہر ۱۳۷ اس جہاں کی تفصیل یہ ہے کہ آسمانوں و زمین میں ہر شے اللہ تعالیٰ کا متاع ہے۔ اس کی غرض و مقصد یہ ہے کہ ان اشیاء کا مالک کوئی فرد، ملت یا قوم نہیں ہے۔ دوسرے یہ سب اشیاء مرید و الجہاں و کریم کی نعمتیں ہیں جو اس نے ہر ذرا نفع انسانی کی تمتع و استفادے کے لیے پیدا کی ہیں۔ لہذا کوئی فرد، قوم یا قبیلہ ان کا مالک ہے

نہ ہو ہی سکتا ہے جو لوگ جائزہ عریقی سے انھیں حاصل کرتے ہیں وہ اس کے صرف اپنی ہوتے ہیں اور
سے حسب ضرورت قطع کر سکتے ہیں، لیکن وہ احکام و کتابت ان اسراف و تبذیر ہی کر سکتے ہیں۔

گمراہی قرآن ہے، اور یقیناً ہے جب کہ خود قرآن حکیم سے ثابت ہے اور اس کی ایک عملی
شہادت ہمیں پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت یتیمہ میں ملتی ہے تو پھر اسے اپنے ملک میں
نہ نہ کرنا اور اس پر عمل درآمد نہ کرنا، اسے دین سے قیلم نہ کرنے اور اس کا عمل نہ کرنے کے لئے دین
ہے یہ سامنے کی بات ہے کہ حکم الہی یا قرآن دو ایک ملک کے سوا کسی مسلم ملک میں نافذ نہیں
اور اس وقت تک نافذ بھی نہیں ہو سکتا جب تک ان ملک میں معاشرتی و سیاسی کی عمل داری ہے۔
اس اعتبار سے ہم ایسے مسلمان ہیں جو کلمہ تو پڑھتے ہیں، لیکن ایمان کو جزو زندگی بناتے ہیں نہ اس کے
میں بقا و عمل ہی کرتے ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل ارشاد کے ہم ہی مصداق ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا أَنشَأْنَا لَكُمْ دِينًا جَدِيدًا ۖ فَلَا تُبَدِّلُوهُ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا دُخِلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ (البقرہ ۲: ۲۰۹) سے ملنا اس میں یہی طرح داخل ہو جائے اور

شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، وہ تو تمہارا صاف دشمن ہے۔

موجودہ دونوں نصوص قرآنی میں آئین قرآن کی زمین دار ہیں کہ میں تو تو فعلیہ عمل کی صحت ہے

مقتضی ہے، لہذا کوئی قوم اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتی جب تک اس کے نہیں اور اس کے بعد

تو نہیں کو تو فعلیہ تسلیم نہیں کرتی اور ان کے مطابق عمل نہیں کرتی۔ ان نصوص قرآنی کی روش سے ثابت

ہوا کہ جو تو پورے طور سے اسلام میں داخل ہیں اور حقیقت میں مؤمن ہیں، اس کے نتیجے میں ہر

معدیہ ایک تو اس میں نہیں، دوسرے سے یہی ہے، دوسرے سے یہی ہے، دوسرے سے یہی ہے، دوسرے سے یہی ہے

صدقہ، نیت و دیانت، عدل و حسن و جہاں، قوت و توانائی، عزت و عظمت، حریت و

مساوت، آزادی و عزت اور آرزوئے حسن و حیات سے محروم و در موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا

ہے۔ ان نصوص قرآنی کی روش سے یہی ہے۔

۳۔ اور الطارق ۸۶: ۱۳ و بواضع کثیرہ۔

۲۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ : دیکھیے تہذیب ۱۹۰ و بواضع کثیرہ۔

۳۔ إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ : دیکھیے تہذیب ۱۹۰ و یوسف ۲۰۰: ۲۰۔

۴۔ معروض حسن و پرستش : (The beauty and worship of Allah)

۵۔ شرک گناہ و ظلم عظیم ہے : تہذیب ۴۸: ۲۸ و التمس ۱۲۲۔

۶۔ مشرک پر جنت حرام ہے : تہذیب ۵۰: ۵۲۔

۷۔ جمالیاتی نفسیاتی لمحہ : (The aesthetic and psychological aspect of the subject)

بے جو نفسانی میں حسین قلوب کے اور اس کی قبیح نفسیاتی کیفیت و خوبش کو بہت

نفسیاتی کیفیت اور حسین رزوں میں بدل ڈالت ہیں رزوں سے مردانہ و خشنکی کے

ترب و حضور و دید و رضوں و نیز حسن و زندگی و حسن و خیر کی رزوں میں۔ یہاں جمالیاتی۔

نفسیاتی لمحہ معی و بصری مشاہدے سے اس وقت وقوع پذیر ہوتا ہے جب قلوب میں شہزادوں

کی فطرتی صورت سے تعداد موجود ہوتی ہے۔

۸۔ جمالیاتی حسن : (The aesthetic beauty)

۹۔ جمالیاتی و اخلاقی اقدار : (The aesthetic and moral values)

۱۰۔ جمالیاتی تخلیقی فطرت : (The aesthetic and creative nature)

۱۱۔ حسن المآب و حسن مآب : یہ فطرت قرآنی ہے جو اپنی ترکیب کے لحاظ سے زیور و نگار

بیت فرور ہے اور جنت کی دنیا کے حوالے سے بیت مختلف پر درست کرتا ہے حسن مآب

سے مرد جنت ہے اور چونکہ یہ الجبرائیل یعنی موت سے منتر و ناکش جہان حیات میں ہے

اس کے دس کی ۱۰ بیت اس جہان موت و حیات ہے جسے دنیا کہتے ہیں مختلف ہوتی ہے

قیاس جانت ہے کہ جنت چونکہ حسن محض ہے لہذا اسے قبح و شر و خرابی و فساد اور غم و

دلت سے منتر ہونا چاہیے چونکہ اس حسن و نور سے عالم راضی میں ہیں حسین و حسن و نور

اہم کوشش کیے ہیں۔

شدت قرار نے مدنی یا مثال معاشرے کی پہچان یہ بتائی ہے کہ اس میں چار نصف حیات قائم ہیں جنہیں

فعال بھی ہوتے ہیں:

۱۔ زکوٰۃ (۲۵) تمام زکوٰۃ (۲۵) نصف مہر المعروف (۲۵) نصف مہر عن منکر سے سب

کرنے والوں سے فرداً فرداً گنتی کی جائے ثبوت کے طور پر معتقدہ نقص قرآنی پیش کی جاتی ہے:

لَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِمَعْرُوفٍ

وَنَهَوْا عَنِ مُنْكَرٍ وَبِاللَّهِ خَاقِبَةٌ (المؤمرہ) (الحججہ ۶۲) یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے زمین میں

حکومت دی (یا ملک میں اقتدار بخشیں) تو وہ صلوٰۃ کو قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور معروف کا حکم

دیں گے اور منکر سے منع کریں گے اور سب امور کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

مدنی معاشرے میں لوگوں کی نظری و عملی زندگی کیسے ہوتی ہے، شدت قرار نے اس سے بھی

بہیں گواہ کر دیا ہے، لہذا سورہ عصر میں اس کی بھی جھلک دیکھتے ہیں، جس طرح خوردبین کے ذریعہ

میں ہاتھ موجود درخت کی جھلک دیکھ کر ہرگز سب کچھ دیکھ لیتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفٍ خُسْرٍ إِلَّا الْإِنْسَانَ الْمُنَوِّشَ (العصر ۱-۳) اور انسان کا نقص ہے مگر انسان جو

صلوات لے لے کر اور صلوٰۃ بالصبورہ (العصر ۱-۳) عمر یعنی تاریخی عمل کا سبب کہ انسان بدست

خیر سے رہتا ہے، بجز ان لوگوں کے جو میں سے رائے و اعمال صالحہ کرتے رہتے اور ایک دوسرے کو

کی نصیحت کرتے اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہتے۔

نور بار آیات میں تاریخی عمل کے حوالے سے اس عمل کی نشاندہی کی گئی ہے کہ فقہ وہی معاشرہ

زندگی کے لیے کئی اہم اصولی و دینی و اخلاقی و نفسی و دنیوی و دنیوی سے منسوب رہتا ہے جس کے فرد مؤمن و مومن

صدق و صبر و مصلح ہوتے ہیں، مسلمین سے مرد و عورتوں میں جو صدق و صبر و مصلح ہوتے ہیں،

منکر سے بچنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں، لہذا دیگر وہ تشہیر بالحق کرتے ہیں۔

سورہ عنہ و حق کی محولہ بار آیات کا کلی معنی لے کر یہ حقیقت منکشف ہوتی

سب سے پہلی چیز ہے جس میں بزرگ مومن و صالح اور صاحبِ کردار و مصلح ہوتے ہیں۔ غلامانہ بریں، ایمان کا
تک خیرۃ مست صدقہ، صلح کا تین طریقے، زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حق و ممبر کی تین چیزیں ہیں
اور اس میں سب سے پہلی چیز ہے کہ کذب و باطل اور بے صبری و کمزوری کے خلاف تشبیہ حکیمانہ ہے۔
یہ سب چیزیں ہیں۔ اصول کی حامل ہیں کہ جس طرح ایمان و عمل صالح لازم و ملزوم ہیں، اسی طرح صدقہ و
زکوٰۃ لازم و ملزوم ہیں۔ نیز صدقہ و زکوٰۃ کے نفع مومن کی اساس پر ملحق و تشبیہ بالحق کے نفع مومن کا قیام ممکن
ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایمان و صدقہ، عمل صالح و زکوٰۃ، اخلاق و تشبیہ با حق اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر
کے نفع ایک ہی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔

یہ دیکھتے اور سمجھتے ہیں کہ پہلے کی مثالیں مسلم ملک میں بالعموم درپاستان میں بالخصوص مقررہ بار بار
میں شریعت نام نہایت نہیں، اس کے خدائیں کی صراحت کر دی جاتی ہے۔

ار ایمان و اصلاح کے یہ نکتے ہمیشہ ہم سے پیش نظر رہنا چاہیے کہ ایمان کی بنیاد ایمان ہے۔ اس اعتبار
سے حیاتیات نامی میں ایمان کی بہت سی باتیں ہیں۔ زیادہ سبب جو ہم طور سے سمجھتی رہتی ہے۔ ایمان
کی روح توحید اور اس کے معنی توحید پر مبنی ہیں، ۱) اللہ تعالیٰ ۲) نہ کہ اس کے دوسرے و تشریف یا کتب کی
نہ کہ نبی و رسول اور وحی و کفریت۔

ار ایمان بالحدیث اس کا سبب یہ ہے کہ فقط اور تنہا اللہ تعالیٰ ہی کو اس میں اور زمین و آسمان میں جو
نصوت کا جو شریعت ہے، حق و رب اور الہ سمجھنا، اور اس کی جملہ صفات حسنہ پر ایمان و ایمان اور
تقویٰ و امتثال رکھنا، نیز اس عقیدہ توحید کو اپنی نظری و عملی زندگی میں اس طرح جذب کر لینا جس طرح
کہ ہمیں خون کو جذب کر لیتا ہے، چنانچہ جس طرح خون اپنی متوازن گردش سے جسم کو صحت و تندرستی بخشنے لگتا ہے
وہی طرح و غیرت و اس کی نشوونما کرتا ہے، اسی طرح عقیدہ توحید اپنی متوازن فعلیت سے نفس نامی
و بصحت مند و تندرست و زندہ و فعال اور حسی و مہیر رکھتا ہے اور اس کا نشوونما کرتا ہے۔ اس سے اس میں
توجہ ہو جاتی ہے کہ کیوں اس میں غلوئی لگتی ہے۔ جس طرح خون کی گردش متوازن رہے تو بدن
نشت و کمزوری نہیں رہتی، اسی طرح غلوئی میں بدنات اور مشرک کا نہ رسول و

ہو جاتی ہیں، جو اس میں فساد برپا کر دیتی ہیں، جس کے نتیجے میں اسلام میں مہلک میں مہیوں نہ رہی فریق
پلٹ جاتے ہیں، چنانچہ مسلم اقوام میں تقدس، اتحاد اور تشیت و افتراق کا ایک بنیادی محرک وہاں فرقہ پرستی
اور خالق و یہ حال، اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت پر صدقہ دل سے یقین کرنا، ایمان کا تقاضا ہے۔ سرمد کی
رُستے اللہ تعالیٰ ایک فعال ہستی ہے اور وہ زندہ، بذات، عظیم و حکیم، عزیز و قہریر، احسن بنی عین اور برتر
ہے۔ وہ حیات و موت، زمان و مکان، دنیا و آخرت، الغرض مجملہ مخلوقات کا خالق و رب اور سب سے
کی رحمت کی طرح اس کا علم بھی مکمل، شیا کو محیط ہے، لہذا وہ کئیات و جزئیات سب کا مدبر و رکن اور سب
کائنات کو بل شریک غیر سے چلتا ہے۔ جس طرح وہ خود بے مثال و بے نظیر ہے، اسی طرح وہ وحدہ نہ
بھی ہے۔ مذہم کی ہر ایک امی زکی خوبی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت سے متعلق ایک نہایت
فکر انگیز وحیوں بات کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز پیدا کی ہے اسے حسین و زوجین بنایا ہے نہ وہیں کا
مطلب ہے جوڑا، یعنی زور و مادہ، قرآن مجید کے اس علمی قول کی تصدیق اس دور کی سائنس کی سب سے
اس کی مصدق ہے، جمالیاتی زبان میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق فصیحیت جمالیاتی ترویجی ہوتی ہے، اندر میں
ہر تخلیق کا زوج ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے بھی اللہ تعالیٰ ہی الواحد و یک ہے۔

ب۔ رب: اللہ تعالیٰ اس بنیائیں ہی نہیں، ربّ العالَمیں بھی ہے۔ اس کا منصب یہ ہے کہ وہ اپنی
جملہ مخلوقات کو ان کی موزونی تقدیر کے مطابق رزق دتا، اس کی نشوونما کرتا، در انفس جینے پھیلنے کا
ہے، نیز وہ سب کا ایک و قوا اور حاکم و بادشاہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت پر عتد رکھنا
اور اس عتد رکھنے میں زندگی میں خون کی طرح جذب کرینا اور اس کے مطابق عمل کرنا اور اس پر عمل
رہنا، ایمان کا جزو و لاینفک ہے۔

زبان سے تو سب ہی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر رب ہے اور اس طرح فہمی میں بھی ہر رب ہے
کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کو نہ بتا سکتے ہیں، نہ کہ صورتوں میں اس کے برعکس ہے، بہت کم لوگ علم اللہ تعالیٰ
کو اپنا رب مانتے ہیں، دیں یہ سب کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو پناہ رزق و پروردگار اور حاجت رد و مستجاب
مانا ہو وہ غیر اللہ کو یا نہیں مان سکتے، اس کو لگا سکتے نہ اس سے مرادیں، لگ ہی سکتے ہیں، وہ اس کے

مست نہ ہو، نہیں ہو سکتا۔ ورنہ اس کے اختیار سے نہیں بڑھ سکتا۔ ورنہ اس کے بھیجے ہوئے کتاب غور و پیمائش
وہ نہ تو کسی مقدس مہمان کو ورنہ کسی فرعون، پادشاہ، یا رولان یا گزہ کو اپنا رزق، دولت، غلٹ، دستگیر، حاجت و
پرستی کا کٹاں ہی سمجھ سکتا ہے۔ وہ خود بھی معاشقہ سہارا، مسودہ خورشید و حریر کا رانی، مہمان مست خورشید و
نہ نہ خورشید، فرشتہ فروش، دکن فروش، جہاں فروشاں، بازرگ، مسحت و عذبت فروش، بددیانت و دغا میں درخشاں فروشاں
تو فروشاں نہیں ہو سکتا۔

ستریں ہوں رب یعنی ملک و تاج و تاج و بادشاہ ماننے اور اپنی رضا و رغبت سے کہیں کسی نیک
 برکت و عظیم یا عیون و مددگار نہیں بن سکتا وہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی غرض میں نہیں کر سکتا نیز وہ
 نہیں قرآن و رحمانہ کی کہ منافق تو نہیں وائیں کہ دوست تسلیم کر رہے ہیں سکتا کسی حدت جس شخص
 یہاں ہو کہ خدا تعالیٰ رب و حاکم ہے وہ اس کے بندوں کو چاہے وہ محنت کش و مفکر ہی ہو یا
 یہ سرفراز کسی بگ و نسل، قوم و دین و ملک و سرکار کے ہوں، چھوٹا و بڑا ہے اب کو ہر نہیں
 پہنچ سکتا، اور انہیں ہر فرد و مخلوق نہیں بنا سکتا، وہ نہ تو فرعون، یار و قارون یا کافر ہی بن سکتا ہے
 اور نہ ہی مومن، مومن یا کافر ہی بنا سکتا ہے، جو انہیں قرآن کے منافق ہوں، انہیں وہ متکبر و
 کافر نہیں ہو سکتا، اور نہ محنت کشوں کا، ستمیوں ہی کر سکتا ہے، نیز وہ کہیں وہ کام ہو اور نہ محنت خورہ
 کہ وہ ہر فرد میں شرم و سزا نہیں بن سکتا۔

گر یہ سچ ہے اور تینا سچ ہے، کیونکہ اس کو جس نے ک کوئی وجہ جو زمینیں کہ ہمارے مدثر
میں تو حیرت و یونیت ہزاروں کاں رکھنے سے بہت کم وراں کا علم انکار کرے اسے بہت زیادہ میں
ورس میں مدثر آتی صرف نول کی عمر وری و سورت ہے تو ہمیں یہ تمنح حقیقت تسلیم کرنا ہوگی کہ ہمارا
مدثر ہر مد میں سب سے نفی، بلکہ مد میں نسبت، و اسے اسد میں بنانے پر ہمارے دنیوی و اخروی فرج
منہ سے سب سے نیز ہمارے مد میں ہر مد میں زندہ ہے اور ہر دو امر میں سب سے ہذا اس کا علی جہد جرات مسرتی
سب سے جس کے لیے ہم نے اس انقلاب کی تعبیر ختم کی ہے۔

ج. اے : توحید ربوبیت کی طرح توحید اُلوہیت بھی بیان کا جزو الایک ہے۔ توحید اُلوہیت کا منصب

سب فقط اور تمام شہرتوں کو اپنا لے اور محبوب اور محبوب و مقصود بنانا اور اس پر عمل کرنا
 رہنا۔ سوئی معاشرے کی پہچان یہ ہے کہ اس میں صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی اس کا رب اور الہ ہوتا ہے کہیں
 کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہمارے معاشرے میں لوگوں نے بیسیوں الہ بن رکھے ہیں، مثلاً انسان، نفس و خواہش، نفس
 نفسی سے مراد نفسیاتی خواہشات میں، جیسے جنس و خوردنی، شہرت و قوت، بخل و تکاثر و حکومت و قدار
 وغیرہ وغیرہ۔ حسن ہر جہ میں زر و زمین، زن و غیرہ و سہ ماہی یا طوطا ستم ہیں۔ اگر یہ حقیقت سب درستی
 ہے کہ ہمارے معاشرے میں اللہ کی وجہ سے شرکاء و محمد (نبی) تو پھر ہمیں اس کی دورِ شرک و بت پرستی
 کے سول و محرکات کا سرخ لگانا ہوگا کہ اس کا تعلق کر کے اپنے معاشرے کو ساری دنیا کے قرین معین
 تاریخ و مشاہدہ اس حقیقت کے قابلِ تردید شو بہ ہیں کہ حسن و نفسی و فوجی کے چاروں محرکات میں شرک
 قرینیت و فرعونیت و بت پرستی، اس کا شائبہ ہوگا کہ انسان نے رجبہ کے تینوں کئی کے بنیہ ہمارے معاشرے
 شرک و بت پرستی، دروغ و منکر کے منہ سے پاک و صاف ہو سکتا ہے، نہ اس میں سے اس قدر حق و برکت
 کا دور دورہ ہی ہو سکتا ہے، نیز ان معجزاتی سرانوں کے تینوں کئی کے دورِ حرج و مرجع سے مینائی یا

حسن انقلاب ہے۔

۲۔ صلوٰۃ: دین کی بنیادیں درجی صلوٰۃ ہے، چونکہ دین ایک زندہ و حرکی تھا زندگی سے عبارت ہے،
 مذا صلوٰۃ بھی اس کا ایک ہم زندہ و حرکی ذیلی تھا سبب جس کا مدار دین ہے۔ صلوٰۃ نفس کی اندر توجہ
 انفرادی، اجتماعی کیفیت نفس در دین حیات پر در لت کرتی ہے
 اور انفرادی کیفیات نفس اور دین زندگی، میان و تقویٰ، محبت حق و راز و کسے حین زندگی
 ب۔ اجتماعی کیفیات نفس اور دین حیات، راز و محبت قبلہ، اس سے مراد حیات اجتماعی کی حیات
 و صلوٰۃ مسلم کی نظری و عملی زندگی کے دو منزل مقصود کی وحدت ۲، تنبیہ اس کا مناسب ہے
 حق و برکت، حق و برکت، ہم دینہ، ہم قرین و مستحسنة کی متبت۔

قرین مجید در سنت حسنة کی روشنی میں دیکھ جائے کہ صلوٰۃ کا تکمیل و حکمت و روح و تازہ
 کی تعلیم بشمول سائنس و یکن و جی، در ترکیب نفس حین خلاق کی تحسین و تہذیب یا مکرر خلاق کی تکمیل و حسن

کس ذریعہ اور سیلِ صالحہ کہ بہترین حرکت و عامل ہے۔ اس نفعِ مہ کی قیام گاہ مسجد ہے اور اسے حسنِ نیت
کے ساتھ کرنا اور اس میں عریض سے چلنا حکومت و معاشرہ دونوں کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ نقدِ مصروف
معاشرہ کی سب سے بڑی پہچان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک تو اس میں معاشرے میں سب
معاشرے میں درجہ قرار دیا۔ جتنی کی نیابت کی نظر ہوتی ہیں۔ دوسرے افراد معاشرہ صالح ہوتے ہیں، مفید
نہیں ہوتے۔ معاشرت کے منہ پر میں وسعت، عدل و حسن، انصاف و مساوت، آزادی فکر و عمل، محبت و
دوستی، محنت کشی و صبر، ہمدردی و غمگینی، ثناء و قربانی اور تشہیر و الحق میں۔ برعکس اس کے فساد کے
منہ پر تشدد و فتنہ، بددیانتی و خیانت، فحش و منکر، انہم و استحقاق، نفاق و قوم فرودشی، ناخواندگی و
جست و کذب و کمزوری، فقدانِ عدل و حسن، بکمال و سود کاری ہیں۔ اس اعتبار سے سرِ نیت کو معاشرت
کی فہم و فہم نش قرار دیں تو سب جانے ہوگا۔

ماحول کو مہیا کہ اس میں معاشرہ فطرتی و ایمانی و رقی و رونی و کزری خدوں سے جو دراصل معاشرتی
سازن ہوتے ہیں پاک و عارف ہوتا ہے۔ اور اس میں حاکمیت اعلیٰ شدت رکھتی ہے اور تمنا و ہی کو
ہریت ہوتا ہے اور اس میں زندگی آئین قرآن اور اسوہ حسنہ کے مطابق بسر کی جاتی ہے۔

ب یہ ازل سے جو وہاں صلب ہو چکا ہے کہ پاکستان سمیت دنیا کے جہاد مسلمہ میں
کوئی فرقہ و سیاست جہاں متذکرہ پارٹنر حیدر علی خان ہو اور جو مد شرقی سرحدوں سے پاک و صاف ہو
اور اس میں زمین و آسمان کا فرق ہو وہ صالح ہو؟ اب اس سوال کا جواب نفی ہی میں ہو سکتا ہے۔
چنانچہ یہ تصور درتسیم کر لینے کے بعد کہ ہمارے شرع و اسلامی نہیں سرحدیں ہیں کیا ہمیشہ مسلمان ہم پر
فرش نہیں ہو جاتا کہ ہم سے حسن و نقد بیک ذریعہ مد شرقی سرحدوں سے پاک و صاف کر لینے کے لیے جہاد
کے لیے؟ یہ صورت حال یقیناً انتہائی تشویشناک اور تباہ کن کی متقاضی ہے۔

۱۰۰ زکوٰۃ، مصروفہ ہفتہ نامہ زکوٰۃ ہے، وجہ یہ ہے کہ مصروفہ نامہ میں بیان کے صحیح کی پرورش کرتی ہے
تہذیب و تہذیب و رخت بناتی وہ اس کے ثمرات سے دوسروں کو بھی فیش و فائدہ پہنچانے کی تحریک کرتی ہے
بیسار بزرگوار ہے کہ مصروفہ ایک توانا کے جذبہ محبت و اہم کی اور دوسرے اس کے اس اعتقاد و ایمان

ادراغراف و انظار کی منظر جوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کا رب ہے اور اس کی نعمتیں جہد ہی نوح
 انسان کے تمتع و استناد کے لیے ہیں، لہذا سب کو ان کا حق میں چاہیے و سب کو اس سے قدر
 استفادہ کرنے کی راہی ہونی چاہیے۔ چنانچہ اہل ایمان و عباد صلوٰۃ بتائے کہ اپنی نماز کے ساتھ
 کو محسوس کرتے ہیں کہ اس کے پاس جو نعمتیں ہیں وہ رب عظیم کی انعام ہیں اور ان میں سے شکر کے لیے
 افراد کا بھی حق ہے، لہذا انہیں ان کا حق دینا ناگزیر ہے۔ جب قرآن حکیم بتائے کہ زکوٰۃ سے تعمیر و ترقی
 حاصل ہے کہ بتائے کہ زکوٰۃ کے بغیر کتب و تصانیف و کتب و کتب ہو سکتی دوسری اہل ایمان و عباد
 محبت و انعام لیں اور عقیقہ و حیدر و برکت پتیا نہیں ہو سکتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ و زکوٰۃ مستمرا
 ہے۔ بلکہ یہ مناسبت واضح ہو کہ صلوٰۃ و زکوٰۃ رزم و مزوم ہیں۔ اس سے مستند ہو کہ ایک کی دوسری
 کے بغیر تکمیل نہیں ہو سکتی، اس طرح ایمان کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

اگر صلوٰۃ اہل ایمان میں محبت، ہی کی شمع نہ موش کو فروزاں کرتی، جہد و عبادت کو نہ رتی اور
 اس کی تسکین کرتی ہے، نیز اس کے اندر اخوت و محبت، مساوات و حریت، عدل و حسن و ریشہ راز
 کے جذبات کی پرورش کرتی اور اہل زکوٰۃ کی ترغیب دیتی ہے تو زکوٰۃ اہل ایمان کو صدقات و خیرات
 اور "فاق با عفو" یعنی ضرورت سے زیادہ دولت کو سد تھالی کی رو میں خرچ کرنے کی ترغیب
 دیتی ہے۔ بہرحال قرآن حکیم کی رو سے ایمان کا تقاضا ہے کہ صلوٰۃ و زکوٰۃ سے درہل ایمان اس
 تقاضے کو پورا کرنے کی خاطر صلوٰۃ و زکوٰۃ کے ساتھ مقدم کرتے ہیں۔

قرآن مجید و روایت طیبہ کے مندرجہ ذیل سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ جو جو جاتی ہے کہ زکوٰۃ کی
 نیت مدد و شکر کو مدد و احسان اور زکوٰۃ وفاق با عفو کی بنیادوں پر متوار کرنے سے ہے کہ اس
 سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں: ایک تو اس میں کمال و قوی کا نفاذ ہو جاتا ہے جس کے
 نتیجے میں معاشی و تمدنی صورت حال بہتر ہو جاتی ہے اور دوسرے کارکردگی کے لحاظ سے شکر و خیر
 ہے۔ تیسرے، افراد و مشاہیر کو مدد و شکر کو مدد و احسان سے بہتر ہے۔ چوتھے، مدد و خیر و خیر و خیر
 اور شکر و خیر و خیر سے مستفید ہوتا ہے۔ چوتھے، اس میں گروہ و دولت و عزت و عزت و عزت

ہیں موزوں ایک نیت پیدا ہوتی ہے جو حسد و بغض، تضاد و تخیف و رمدارت و مضمیت و استبدادیت
 مدد سے ترقی کرتی ہے، چھٹے، اس سے معاشرے میں ثروت و مسرت ایک نکتہ دیکھتی اور ترقی و
 ترقی کی فضا پیدا ہوتی ہے ساتویں، اس سے قوم میں دنیا و دنیوی کی قوت و توانائی پیدا کرنے میں
 ترقی و ترقی ہوتی ہے، آٹھویں، یہ معاشی زندگی قوم کی ہمہ گیر ترقی و نعمت فراہم کرتا ہے، نویں، اس
 سے ترقی و ترقی کی ترقی ہوتی ہے، دسویں، اس سے فرد و قوم میں ترقی و ترقی کا نشو و
 نما ہوتا ہے۔

اس نکتہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ دونوں نظام اپنی اصل فیوچر پر استوار ہیں اور احسن
 صورت سے ہماری ترقی و ترقی کو عطا کرتے ہیں یعنی متقی و صدیق، مومن و مہربان اور مجاہد و معاصرین و مہرور
 نیز خوشحال و ترقی یافتہ و ترقی یافتہ قوم بنانے میں، نیز اس پر دنیوی و دنیوی ترقی کی رہیں و روشد
 کرتے ہیں۔

ہاں اس زمیں پر دیگر گہرے نکتے کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت حسنہ
 کی رو سے زکوٰۃ میں تنفیذ و ترقی پائی جاتی ہے، جسے نف زکوٰۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور یہ
 نف زکوٰۃ نہ کرنے و نہ کرنے کی بنیادی ذمہ داری حکومت کی ہے، اس کا منسوب یہ ہے کہ حکومت
 اس کا منسوب ہوگی اس سے زکوٰۃ لینے و اس سے بیت المال یا خزانہ عامہ میں جمع کرنے و اس سے
 ترقی و ترقی کی معاشی حالت سدھارنے و اس کی کفالت کلی کرنے کی مجاہد ذمہ دار ہے، چنانچہ اس
 مقصد کے لئے بیت المال یا خزانہ عامہ کا قیام و فراہم حکومت کی اولین ذمہ داریوں میں سے ہے۔
 ہرگز زکوٰۃ کی نیت واجب کہ ہمہ گیر چھکے میں اقوام کی معیشت کو کنز و حسین و اس کی گردن و دوت کو
 متوازن بنانا، نیز اس کے ذریعے کو کل حیات اجتماعی پر محیط کرنا ہے، اس اعتبار سے نف زکوٰۃ کا منسوب
 معاشی نظام ہوا۔

قریب جیکر در سنت حسنہ کی رو سے مردم کے معاشی زندگی کی قیامی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے
 معاشی زندگی میں وہ حسین نتائج برآمد ہوتے ہیں، جن کی نشاندہی کی جا چکی ہے، مثالی کے طور پر جملہ افراد

قوم کی کفالت کئی کا معقول و پائیدار نظام و انتظام ہوتا ہے، خصوصاً بے کاری و بیماری، پیری و معذوری اور بے کسی و بے چارگی کی حالت میں۔ کفالت کئی سے مراد افرادِ قوم کی جملہ ضروریاتِ زندگی جیسے منہ سب روزگار، خوراک، مکان، لباس، علاج معالجہ، تعلیم و تربیت، صحت و تفریح، تحقیق و تجربات اور تحفظِ کُل، مثلاً بن وں، گھر بار، عزت و بر و اور آزادی کا تحفظ) کو قومی وسائل کے مطابق پورا کرنا۔ عصرِ حاضر میں قوم کی کفالت کی ایک فکر، نیکرز و بصیرت افروزان ہیں کٹر مغربی ملک میں متی بنے مثلاً امریکہ، کینڈا اور انسلٹن وغیرہ وغیرہ میں۔ ان ملک میں کفالت قومی انتظام میں کیمنہ بہت غیرت دکھتا ہے کہ ہم کس قدر غلام و جاہل ہیں کہ کفالت ہم زکوٰۃ کے قیام کی اہمیت اور غرض و ذمیت کو پس ہٹا فراموش کر بیٹھے ہیں جیسے

خوب تھا جو کچھ کہ دیں جو سنا افسانہ نق

نیز ہم آج کل یتائے زکوٰۃ کے سلسلے میں جو کچھ کر رہے ہیں، وہ تو اس کے ساتھ مسخر کرنا و رہنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔ واقعی یہ تسمیہ بائیں و جاہل قیامیسی فریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج صحت و جہد اہل نظر کے دل میں یہ سوں پیدا ہوتا ہے: کیا قرآن حکیم کی رُست ساری تہ و کادوسر، تمہارے کفالت زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے زکوٰۃ یا کفالت قومی کا نظام قائم کیا تھا یا نہیں؟ اگر کیا تھا تو یقیناً کیا تھا۔ جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ کفالت ہم زکوٰۃ اپنی اصل شکل میں کسی مسلم ملک میں قائم نہیں؟ تاریخی اصل کی سند شدت پر اس کا جواب یہ ہے کہ کفالت ہم زکوٰۃ کے فقدان کی اصل وجہ یہ ہے کہ جملہ مسلم قوادسریں زدہ ہیں۔ بانہ دیگر مسلم معشروں پر فزونی و یا مانی اور قارونی و آذری سرحدیں مستعد ہیں، جو کسی عنوان سے وقت تک اسلامی کفالت ہم زکوٰۃ بصورت کفالت قومی قائم نہیں ہونے دیں گے جب تک کہ کفالت قومی کفالت نہیں ہو جاتا۔ چونکہ معاشی سرطانات کا نتیجہ کفالت قومی ناگزیر ہے، لہذا یہ سوں پیدا ہو کر رہے ہو؟ اس کا مختصر جواب تو ہے: بذریعہ حسنِ انتظام، لیکن منہاجِ انتظام سے بحث پہلے وقت ضروری ہے۔

(۴) امر بالمعروف

۱۔ باعروف قرار مجید کی بناءً اُن شخصیات میں سے ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حکومت
برسرِ مہربانہ و باعروف کی تشبیہ و بدیع کو احسن و اکمل طریق سے منتقل و انضمام کر کے باعروف سے
مستخرج ہے۔ اہل صالح، خیر، حسنہ، ہر نیکی و برہمیزی کا یہ مستحب، حبس انسان عقلاً، طبعاً و روحاً، جاننا
برآفتاب ہے کہ وہ واقعی ایسا ہے۔ جس کی خداوند فیض مسکری ہے جس کا مطلب یتیم و یتیم و فساد و فساد
مردوں و درجہ و گناہ یعنی ہر وہ تہیج و شیعہ فعل ہے جسے انسان عقل، طبعاً اور و جاننا جاننا برآفتاب و
جس کا کہنا ہے کہ اس سے نہ کہ گناہ ہے، نیز اس سے منسوب ہونا پسند نہیں کرتا۔ ہر حال، "خانی عن معارف"
ال تشبیہ و بدیع کے سر میں حکومت کی ذمہ داری ہے، اہل باعروف کے ہر شخص کی تشبیہ و بدیع اس کی عاری
میان نہیں۔ اہل باعروف سے مراد یہ ہے کہ ایک تو بدیع و تشبیہ میں کتنے باعروف نہ ہو، دوسرے باعروف
اہل باعروف کے ہر شخص سے مراد یہ ہے کہ باعروف کے ہر شخص کی تشبیہ و بدیع

یہ سچ ہے کہ امر بالمعروف کے بدشع و تشبیہ کا انتہائی کم کرنا سرکاری حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے۔
 اور یہ سچ ہے کہ اس لیے کہ یہ فرض کیا جاتا ہے تو پھر غور سے دیکھنا یہ ہے کہ مسئلہ کا تئیس پانچ سو تریس تہم
 فیصد داری سے امداد برائے ہو رہی ہے یا نہیں؟ ہر مسلم حکومت کا انتہائی بدشع و تشبیہ دور میں حقیقت کا شاہد
 بنا کر دہرائی میں ذمہ داری سے امداد برائے نہیں ہو رہی۔ ستر پستہ تو یہ ہے کہ کسی مسلم حکومت میں کسی فرد یا
 جماعت کو نہ اس امر بالمعروف کے بدشع و تشبیہ کی گزارش ہی نہیں در کوئی یہاں کرنے کا مجاز ہی نہیں کسی
 مسلم حکومت میں نہ تو اس حقیقت کی تشبیہ ہوتی ہے۔ ورنہ ہی ہو سکتی ہے کہ سرکاری معاشرہ معاشرتی زندگی
 یعنی ان لوگوں، باہنوں، آقاؤں، درباروں سے پاک و صاف ہونا چاہیے۔ وجہ یہ ہے کہ معاشرہ کی زندگی
 کسی کو اپنے استیصال کی دعوت نہیں دے سکتے اور انہیں مجھے مارا جیسی حق نہ حرکت نہیں کر سکتے۔ اسی طرح
 کسی انسان کو اس حقیقت کی تشبیہ کی ہمارے معاشرتی زندگی میں بنیاد و ستون اور سرود
 جاریہ پر متورس ہونا ضروری ہے۔ ورنہ اس کی زندگی میں درباروں کا استیصال بدی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ہمارے

معاشرے میں احکام ہی یا کلمیں قرآن کا نقشہ نہ ہے درمداخل عدل و حسن کا من میں ہے؟
 لغرض جس معاشرے میں امر بہ معروف کی جرات ہو نہ ہو من شرک کی، اس کے غیر اسلامی ہو
 سرکاری ہونے سے متعلق و درائیں نہیں ہو سکتیں یہ صورت حال جس نقشب کی متقاضی ہے درحقیقت
 ایک مکمل تحریک چاہتا ہے جس کا احس و اکل نمونہ ہمیں پیغمبر مفلح و آخر مصلیٰ سد عیہ و سلم کی تحریک تہذیبی
 میں ملتا ہے۔

(۵) منی عن المنکر

منی عن منکر قرآن مجید کی اہم ترین جالیاتی اخلاقی صورتیں ہیں سے ہے درمداخل معروف
 کی خداوندی قبض ہے منکر کا مطلب ہے ایسی چیز فعل یا بات جس سے انسان جھٹکا پڑتا ہو اور جو
 عقل و ضمیر، جاتی حق اور نفس کو مرہ نیز شریعت کی روت کردہ و نابز و رقیع و مشرور و راسخ
 سے مسوب ہونا پسند نہ کرتا ہو یہ بڑی وسیع معنی اصطلاح ہے درمداخل و شرف و کمال، شرک و بت پرستی
 نقشہ و فساد، کذب و نفاق، ظلم و استعصان، سود و خوری و سود کاری، کتا و احرام، سرف و تہذیب، غرض
 بیاد کاری و حرام خوری کی ہر شکل پر مبنی ہے، مزوہ ہمیں اس میں سبب زدگی، غرض و کینہ زدگی
 اور تدلیل ناسانی کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ سہم کی خورقیت کا لفظ امر بہ معروف و منی عن منکر کی بنیادوں پر تصور کیا
 اور اس کی غیر معمولی ہمیت کا اندازہ محض اس مرے لگایا جو کتابت قرآن مجید کی روت سے
 قائم کرنا اور اس حسن طریق سے چرنا، سد می حکومت کی دین ذمے داری ہے۔ درمداخل معروف
 کی ایک امتیازی خصوصیت اور پہچان ہے، دوسرے نقشوں میں جس معاشرے میں سد می کو چاہیے
 اخلاقی تہذیب نہ نہیں وہ قرآن مجید کی روت سے اس میں نہیں، لہذا مسلمہ معاشرے کو سد می بنائے
 کسے یہ سد می کو کافی مانا گیا ہے اس تہذیب کے درمداخل و منی عن منکر میں ایک تشہیر و ہر شہرہ
 اور دوسرے قانون و اخلاقی و معاشرتی دباؤ کے ذریعے حکم نہ عمر بقیہ سے لوگوں کو منکرت سے باز

کی تاویل بانی تل اور قمیہ بابا حل کے خوشنما ہاوں میں اتنی مدت سے گزرتی رہیں کہ ہمیں اپنی گرفتاری و زندگی کا احساس و شعور بھی نہیں رہا۔ یہ صورت حال ہو تو قوم مردہ کھدتی ہے۔ مردہ قوم جس و سرور زندگی کی مدت سے تو نشانہ نہیں ہوتی، لیکن آتش خوف و حزن کی آفتیوں کا احساس ہوتا ہے۔ یہ احساس اس حقیقت کی علامت ہوتا ہے کہ قوم میں بھی تکس کی نشوونما کا امکان ہے۔ و راستہ معاشرتی زندگی میں رہائی دلائی جاسکتی ہے۔ اگر کسی وجہ سے یہ احساس نہ ہو تو قوم کی ہلاکت و بربادی اس کا مندرجہ ذیل ہے۔ قدرت کے قانون حرام آزادی کے رُستے کے لئے زندگی کا نکلنا دینا مگر نہایت ہوتا ہے۔

وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا!

ہمیں یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ فرد ہو یا قوم وقت کبھی کسی کو انتظار نہیں کرتا۔ وقت صرف ان کا خیر مقدم کرتا ہے جو اسے اپنا مرکب بنانے کی خاطر اس کے منتشر درجہ کے رہتے ہیں اور اسے بڑھ کر مضبوطی سے تھام لیتے ہیں جس قوم میں وقت کو اپنا مرکب بنانے اور اس کے ذریعہ سفر زندگی کاٹنے کی کوشش ہوئی ہے، وقت سے منزاں تنویر پر پہنچا دیتا ہے۔ رہو یہ وقت کے بغیر سفر کرنے والے لوگ دریا ندہ و پس ماندہ و محروم دنیا کا مرہبہ ہیں۔ دنیا کی نسل میں غیاب وقت ہے، ہندو لوگ وقت کو ضائع کرتے رہتے ہیں، وہ دنیا کی نسل اور قوم و جہاں ہوتے ہیں، جیسی کہ پاکستانیت مسلم اقوام ہیں۔

وقت ایسا مرکب ہے جو اپنے رب کے رد و جوہر و بہت و ستار کے ساتھ ہوتا ہے۔ تیز و برق رفتاریں جاتا ہے۔ ایک لمحہ میں ہو تو وقت برق منشا برق ہی کر کے گزرتا ہے۔ دنیا پر پہنچا دیتا ہے۔ قوم میں اس نسل کے بھی ہو تو وقت کبھی اس کے لیے نکل نہیں دیتا۔ اس کے لیے وقت نا قابل عبور دریا پار کرتا ہے۔ میں جو وقت کے پیچھے چلتے ہیں انہیں دریا بڑھ کر دیتا ہے۔ تاریخ ہر سب کے جوہر و وقت کے ساتھ قدم نہ کر نہیں دیتی وہ ان قوموں کے مقابل میں پیچھے رہ جاتی اور ان کی پیروی کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ جو تیز رو و درگاہ وقت ہوتی ہیں، پس ماندہ و درگاہ

وقت کے ساتھ نہ چلتا اور اس کو اپنا مکیب نہ بنائے کہ نظری نتیجہ ہے۔ دریا تاریخی عمل ہے جو کبھی رکتا نہیں۔ اگر بارش دیتی رہتا ہے۔ کہانات رہنماؤں و ممکن ہے اور ممکن کی طرح زمان بھی اندھا کی تلقین ہے۔ راست بھی ممکن کی طرح بنی فوٹو انسان کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے جس طرح ممکن یا ٹیلے ذاتی و مسخر کر کے تو میں قوت و وسعت حاصل کرتی ورس کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتی نیز اپنے جہاں زمین پر ہر ترقی و ترقی کی دور میں سوقت سے باقی ہیں۔ اسی طرح زمان یا وقت کو مسخر کر کے دن تو میں ترقی کی دور میں آگے ہیں و رفتہ رفتہ انہیں ہی قوموں کی قیادت تفویض کی ہوئی ہے۔ وقت و شبہ امتداد کی ایسی نعمت غنی ہے جس میں دنیوی و دُنیوی فوز و فلاح اور حیات و برکت پائے جاتے ہیں۔ اندھ کوک میں کی قدر نہیں کرتے وہ گنہگار نعمت بیت گناہ کو کبھی کہہ سکتے ہیں جس میں چیز سب نعمت ہے۔ یہ سنت پرست ہیں جس کے لیے بھٹ قدرت کا قیون آرزو کی تعبیر اختیار کی ہے۔ سنت پرست کی ذلت و مسکنت کا بنیادی سبب یہ ہے کہ وہ صدیوں سے کفر و نعمت کا رکاب سبب ہوتا ہے۔ دربارت کم میں کہ شعور رکھتے ہیں۔ ہم سے کفر و نعمت کی وجہ حقیقی آرزوئے نعمت کا فقر و تنگدستی ہے۔ یہ قدرت ہے کہ مسلمانوں میں بخیر زمان و ممکن کی آرزو زندہ و حر کی نہیں۔ اس لیے یہ بھی حقیقت ہے کہ میں آرزوئے نعمت کے فقر و تنگدستی کی بنیادی وجہ میں شرعی سرچشموں کی غفلت شافی ہے۔ یہ ایک کل یہ انداز نہیں کہ خوش نشہ تو زندہ و فلاح رہتی ہے۔ لیکن آرزوئے حسن و زندگی خفتہ و زندہ ہوتی ہے۔ یہ یہ درست ہے کہ آرزوئے حسن و زندگی ہی تسخیر زمان و ممکن اور ترقی و کام کے حصول کی آرزو و منبع و رشتہ شریب کی پیش شرط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عامہ سائنس کے دعوے میں آرزوئے حسن و زندگی رُودہ رکھنے و بیدار نہ ہونے دین معاشرتی سرچشموں کی کمکت عملی حاصل رہی ہے۔

جس طرح بادلوں میں برقی پنہاں ہوتی و اس کے حسن اعتماد سے پن جھلوا پیدا کرتی ہے۔ کچھ ہی طرح مثال کے طور سے وقت میں جمیاتی۔ نفسیاتی سن ضمیر ہوتی ہے۔ جو فکر و عمل کے حسن اعتماد سے نفس قوم میں پن جھلوا پیدا کرتی ورس کی ناپا پلٹ کر دیتی ہے۔ مسلمان صدیوں سے سرت و زندہ معاشرہ ہیں۔ درجہ و بیرونی معاشرتی سرچشموں کی مکتومی و فکری میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور یہ اس بات کی

دلیل ہے کہ ہم وقت ایسی نعمتِ عظمیٰ کی تکفیر کرنے والے نریاں کامیں۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ہم وقت میں منہمک کنی زیادہ جمالیاتی، نفسیاتی اُنات کو اپنے تجوُّلِ عرفانہ و کم کوشی کے سبب ضائع کر چکے ہیں اور کہ سب سے بڑی ورخمارِ تغافل میں نہ شام ہیں۔ اس سے پیشتر کہ وقت ہماری قومی و ملی زندگی کا سلسلہ منقطع کر دے، ہمیں خود اپنی نریاں کاری کا سلسلہ ختم کر دینا چاہیے۔ نریاں کاری میں برقی فنِ منہمک ہوتی ہے اور اس کا سلسلہ دراز تو ہو سکتا ہے، مگر متناہی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ یہ سلسلہ اپنی فطری حدود سے تجاوز کرتا ہے تو اس کے اندر ایسے زور کا دھماکا ہوتا ہے کہ نریاں کاری برقی فنا کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

میری نظر میں ہماری نریاں کاری اپنی فطری حد سے بڑھ کر گئی ہے اور اس میں پریشی برقی فنا خرمین قوم و ملت پر گرنے کے لیے پیچ و تاب کھار رہی ہے۔ اس انتہائی خوف ناک صورتِ حال نے مجھے مسلمانانِ عالم کو بالعموم اور پاکستان کے مسلمانوں کو بالخصوص حُسنِ انتداب مینے کی تحریک کی ہے۔ کاش میری آواز غیر مسلم اقوامِ عالم کے کانوں تک پہنچ سکتی تو میں انہیں بھی دعوتِ حُسنِ انتداب دیتا۔ وجہ یہ ہے کہ خونِ انعام معاشرتی سرطانوں کا طبعی خاتمہ ہے کہ جب وہ اپنے شکارِ فرد و قوم کا اپنے انداز سے کے منافعِ خون چوس لیتے ہیں تو ایک دوسرے کے خون کے پیالے ہو جاتے ہیں اور اس کا نتیجہ ہر گز فریبِ جنگوں کی صورت میں نکلتا ہے۔ آثارِ بتا رہے ہیں کہ معاشرتی سرطان ایک دوسرے کے خون کے پیالے ہو چکے ہیں اور قیامتِ مغربی برپا کرنے والے ہیں۔ اس سے پیشتر کہ وہ عمودِ حیات کو ہلک و برباد کر دیں، دُنیا بھر کے منہمک کنوں، محنت کشوں، در دیگر صالح انسانوں کو چاہے کہ وہ متحد ہو کر اپنے آپ کے معاشرتی سرطانوں کا تہیصال کھی کر دیں۔

حواشی

۱۔ کلیات و جزئیات کا علم: یونانی حکماء میں سے ارسطو (۳۸۴-۳۲۲ ق م) اس نظریے کا نقیب تھا کہ اللہ تعالیٰ (مغور باشد) فقط کھیت کا علم رکھتا ہے، جزئیات کا نہیں۔

قرآن مجید نے اس باطل نظریے کی مختلف سالیب میں پرزور تردید کی ہے۔

۲۔ حسن انقلاب و تحریکِ رحمتہ للعالمین: اس کے لیے دیکھیے مصنف کی کتاب پیغمبرِ اعظم و آخر،

طبع ثانی، فیروز سنز لیمیٹڈ، مور ۱۹۸۲ء۔

باب (۴)

اسلامی یا مثالی معاشرے کی تعمیر تائید

رب ذوالجل و اکرام نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی و رسول در
 رحمۃ اللہ میں بنا کر مبعوث کیا تھا۔ اور آپ کی بعثت کی غایت بنی نوع انسان کے لیے قرآن حکیم کی روشنی
 میں ایک ایسے اکمل و احسن معاشرے کی تشکیل و تعمیر کرنا تھی، جو ہر زمان و مکان کے لیے میزوں و درہر
 اعتبار سے مثال ہو۔ چنانچہ یہ آپ مثالی معاشرے کی تشکیل و تعمیر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو رب کریم
 نے ان مستقبل کے چمکدہ بنی نوع انسان کو ایک ایسے عسوس درسا مید و بدی حقیقت سے آگاہ کیا جس
 کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ ارشاد ہو: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ
 أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ لَآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝۱۳۳
 (۲۱: ۳۳) اسے بنی نوع انسان، یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول اسے خلقِ عظیم، حسن کردار، ارشاد
 کارناموں میں (زندگی کرنے کی) حسین نمونہ ہے۔ اس کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا و راستہ
 کا بکثرت ذکر کرتا یا اسے کثرت سے یاد کرتا ہے۔

اس آیتِ جلیاء میں یہ نکتہ از بس فکر انگیز و بصیرت فروز ہے کہ بلاشبہ آپ کے کارنامے و عظیم و مثال
 ہیں، کیسے ان سے ہدایت و فیضان و ہی لوگ پاسے ہیں جن میں مندرجہ ذیل تین صفات پائی جاتی ہیں:
 ۱۔ وہ جنہیں اللہ تعالیٰ کی دید و رفتار، قرب و حضوری در رحمت و رضوان کی امید ہوتی ہے۔ دوم،
 جنہیں قیامت کے دن نجات و فلاح پلنے کی امید ہوتی ہے، سوم، جو یادِ الہی کو حرز و جوں بنائے رکھتے
 ہیں، اگر یہ حقیقت ہے اور یقیناً ہے کہ بحیثیت امت مسلمہ ہماری زندگی سوہ حسنہ کے ساتھ ہی نہیں

تو پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم میں تذکرہ بان صفاتِ ثلاثہ کا قریب قریب فقدان ہے۔ اگر ہم میں یہ صفات ہوں تو ہم یقیناً حمتہ العالمین کے سوا حتمہ کے مطابق زندگی کر سکتے۔ چونکہ زندگی معاشرے میں بسر کرنا ہوتی ہے، لہذا ہمارا معاشرہ اسلامی ہونا، یعنی ایسا ہوتا جیسا آپؐ نے تشکیل و تعمیر کیا تھا، لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ پاکستان میں نہیں دُنیا کے کسی ملک میں بھی اسلامی معاشرہ موجود نہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ کسی مسلم قوم کو اسلامی معاشرے کی سچی آرزو نہیں تو یہ مبالغہ نہیں، اعترافِ حقیقت ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ کسی مسلم ملک میں بھی ایک اسلامی معاشرے کی تعمیرِ ثانیہ کا آغاز نہیں ہوا، اگرچہ بعض ملک میں ایسا کرنے کا غمگینہ بہت ہے، جو محنتِ شریکوں کی تشہیرِ باطل ہے جن کی ہر مسلم ملک میں غلامی ہے۔ معاشرتی سرشتان لوگوں پر اپنی بیروت و مشورت کی غم رکھنے کی خاطر تسمیہ بابا اصل اور تویل بابا اصل کے ذریعے تشہیرِ باطل انتہائی زور و شور سے کرنے کے عادی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ یہ بات جانتے ہیں کہ جھوٹ گرچہ باطل ہوتا ہے، لیکن جب بہت زیادہ بار بار اور زور و شور سے بول جائے تو اس میں شیطان کے جھاتی قریب کا عنصر شامل ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں اس میں لوگوں کو مسحور و مسحوب کرنے کی تدبیر پیدا ہو جاتی ہے۔

اسلامی معاشرے کی تعمیر نو کے دعوت سے اس اعتبار سے بھی ہے بنیادیں کہ وہ پرانی عمارت پر تعمیر نو کرنے سے پہلے بوجہ عمارت کو زخم و بن سے اکٹھا کرنا ناگزیر ہوتا ہے، لیکن ابھی تک کسی ملک نے نہ صرف کہ پرانی عمارت کی بنیادوں کو منہدم نہیں کیا، بلکہ ایسا کرنے کا منصوبہ تک نہیں بنایا، اس لیے کہ مسلم معاشرہ سرشتان زدہ ہے اور وہ مختلف ذیل بنیادوں پر استوار ہے: (۱) فرعونیت (۲) پامانیت (۳) قارونیت اور (۴) کزرت۔ ان ترائی تعلیمات کی مختصر اصرحت کر دی جاتی ہے:

۱۔ فرعونیت: یہی طرزِ حکومت کو کہتے ہیں جس میں آئینِ قرآن نافذ نہ ہو۔

۲۔ پامانیت سے فرعونیت حکومت کی افسر شاہی مراد ہے۔

۳۔ قارونیت: غلامت ہے نفہ سرمایہ داری کی، جس کی بنیاد سود و فتنہ پر استوار ہو۔

۴۔ کزرت: غلامت ہے باطل و پیشہ دارانہ مذہبی پیشوائیت کی، جو تسمیہ بابا اصل اور تویل بابا اصل

کے ذریعے احکامِ الہی کو کچھ کا کچھ بنا دیتے اور ان کے نام پر اپنے عقائدِ باطلہ کو گوں پر مسلط

کرتے ہیں، عداوت پر یا شرک و بت پرستی، اقبال پر پرستی، کافر پرستی، داؤد پرستی، کشتی پرستی اور غیر ان کی خدمت ہے۔

گرچہ ہم نے آزد و معزز اور ترقی یافتہ و نشہ رقوم و ملت کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے اور دنیا
سب قومیں سب سے پہلے ان مدنی سرگاہوں سے نجات حاصل کرنا اور ایک ایسے معاشرے کی تعمیر کرنا
ہوگی، جو نہ صرف یہ کہ فرعون، ہانی، تارونی اور آذری بلقیوں سے پاک و صاف ہو، بلکہ اس میں ہر
نسل و نسل کے امکانات کو ختم کرنے کا بھی پورا پورا اہتمام کیا گیا ہو، تاہم تاریخ شاہد ہے کہ سرگاہی معاشرے
میں سرگاہوں کے انتہا کا احسن طریقہ حسن و نقیب ہے جو صاحبِ حق و حقیقت اور ہمت و ہمتی کے
تھے، یہ انقلاب چونکہ فرد و نسل انسانی کے حق میں ہمت و ہمتی و خرد و ہمتی کے لیے تھا،
اسے دیگر نوعیت کے انقلابات سے ممتاز کرنے کی خاطر ہم نے حسن و نقیب کی تعبیر اختیار کی ہے۔
رمز و نماد میں حسن و نقیب ہمہ گیر اور سرگوشہ حیات میں تھا، جس کے نتیجے میں خرد و ہمتی و ہمتی
میں مکمل تم آئیں و موزونی پیدا ہو گئی، وہ منہج و جہاں و جہاں بن گئی، اگر آپ کی سیرت و سیرت
مثالی نمونہ اور یقین ہے تو پھر ہمیں آپ کے نمونہ حسن و ہمتی معاشرے کی تعمیر کرنا ہوگی،
مصنف نے اس موضوع پر اپنی کتاب پیغمبر اکرمؐ و آثار میں تفصیل سے بحث کی ہے، جس سے اس
عنوان اختیار کیا جاسکتا ہے جو اسلامی معاشرے کی تعمیر ہے، ہماری مدد و رہنمائی کر سکتے ہیں۔

تعمیر معاشرہ کا پہلا مرحلہ: سیاسی زندگی

ہر زمان و مکان کی عظیم ترین و تاریخی ساز و نقیب آفرین شخصیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ
عبید اللہ کے منہاج و نقیب کے سلسلے میں ہماری بحث و نشر، موضوع تعمیر معاشرہ کا پہلا مرحلہ سیاسی
زندگی ہے، اُس نے ہجرت کے بعد سب سے پہلے مدینہ منورہ میں مدنی معاشرے کی صورت نوونے
کا منصوبہ بنایا، دیرِ غیر میں پیدا و انتشاری و گزشتہ و نئی کی کثرت بھی تھی، اور انھیں تدریجاً
ایسے تھوڑے اور اہل شرف و قبائل کی حمایت بھی حاصل تھی، جب کہ مسلمان سب سرداران اور

کس پرسی کی نکت میں تھے۔ لیکن حکمت نبویؐ نے یہودی ایسی غیار وزیرک قوم اور بدوی عربوں ایسے کٹر جنگجو، درو یاہ صفت قبائل کو جس طرح مرغوب و مسحور کر دیا کہ انھوں نے تحریری معاہدے کے ذریعہ مدنی حکومت و راس کی بالواسطہ بلا دستی اور آپ کی سربراہی کو تسلیم کر لیا اور اس کے سیاسی و عسکری حریف بن گئے۔ آپ کی تحریک حسن انقلاب کی پہل فقید المثال کامیابی تھی، اور اس کی اہمیت اس سے بہت زیادہ ہے جو سیرت نگاروں اور مورخین نے اسے دی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدنی معاشرے کی بنیاد توحید پر رکھی۔ توحید دراصل دین کی روح ہے و مسلمات کی حیثیت کئی کے رگ و سپے میں جاری و ساری ہو تو وہ مؤمن و موحد بنتا ہے۔ حیات کلی سے انسان کی زندگی و عمل اور انفرادی و اجتماعی زندگی مراد ہے۔ اس جگہ اس لطیف نکتے کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ کسی معاشرے کی تشکیل و تعمیر نو کے لیے "معاشرتی زندگی" کا ہونا گزیرہا ہے، اور معاشرتی زندگی کسی قوم کے سر زمین میں رہنے والے لوگوں کی اجتماعی زندگی سے عبارت ہے جو ان کے معاشرت، مشترکہ مفادات، فکری و مذہبی ہم آہنگی اور تنظیم رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے بتایا کہ یہ براہ مہکت کی حیثیت سے اپنی نوازیہ شہری مہکت کے افراد و جماعتوں میں عدم کے عتد جلیلہ و عظیمہ کے ذریعے فکری و مذہبی ہم آہنگی، خیریت و مساوات، درازدستی معاشرت و آزادی نیز وحدت و تنظیم پیدا کر دی۔

بایک زبانی حقینہ و بصیرت فرمود حسب اتفاق ہے کہ پیغمبر عظیم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک اسلام اور جمہور صلح تحریک حسن انتساب تھی، اس کی طرف تحریک پاکستان کا نعرہ بھی "لا إله الا الله" تھا اور دونوں مقصد مدنی معاشرے کی تعمیر تھا، لیکن ایسے معاشرے کی جس کا روبرو صرف درختماں شتھان ہو اور اس میں فرعون و ہاتھ ہوں مگر رزق و زراعت و باطن حکم فساد شتھان کا چلتا ہو اور وہ خوف و حزن سے محسوس خیریت و محبت، آزادی و مساوات، عدل و احسان اور امن و سلامتی کی جنت ہو، مقصد سچا اور نفع ملی تھا، رتبہ جیل سے تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کر دیا اور مسلمانوں کو بہت عظیم مہکت کا وارث بنا دیا۔ لیکن ہم نے پناہ و ناز کیا، دراپنے پیشانی قومی سے منحرف ہو گئے، چنانچہ ہم نے نہ تو یہاں مدنی معاشرے کی تشکیل و تعمیر کرنے کی کوشش کی، نہ نہ آئیں قرن کا ذکر کرنے کی یہ یقیناً ہمراہ عظیم و جہل ہے کہ

ہم نے رستہ کریم کی اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر نہیں کی بلکہ اس کی تکفیر کر لیں۔ قدرت کے نورِ ہدایت سے
 عمل اور قانون، احترامِ آرزو کی رُوسے ہمیں اس مد شکنی و رکشہ زنی نعمت کی سرسبز تہی و رملی چٹان پھر
 ہمارا معاشرہ سلطانِ زدہ ہو گیا، اور ہم ہر فرعون، پانی، قارونی اور آری سرطانِ دیرینہ منہ ہو گئے
 جو مسلسل ہمارے خون چوس رہے ہیں، وراثتوں نے ہمیں اپنا محکوم و غلام اور محتاج و دستِ نگر بنا کر رکھا ہے۔
 اس کے نتیجے میں معاشرے کے ہر گوشے میں فسادِ رونی ہے اور ہم میں آرزوئے حسن و زندگی مراد ہو چکی ہے
 اور ہمارے نفس تشِ خوف و حزن میں جل رہے ہیں، اور ہلاکت و بربادی ہماری منتظر ہے، لیکن جوئی و تامل
 میں سرشار ہیں اور ہم میں مرگِ مفاتحت سے بچنے کی سبب و جستجو کا فقدان ہے، اور یہ صورت حال قوم کی
 مرگِ مہم کی دلیل ہوتی ہے، لیکن بہت کم اس کا شعور رکھتے ہیں۔

پس چہ باید کرد؟

اب سوچ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں کن کیا چاہیے؟ اس زمیں اہم سوچ کا میدانِ سادہ و سادہ ہو کر رہا
 آخر یہ کیا ہے کہ ہمیں عزت و قدر ہو، مذہبی تدبیر و حکم کے محتاج نہ رہیں، کہ متعلقہ سب سے غریب و دور
 سرکارِ زدہ معاشرے کا رتبہ سب سے نیچے کر کے میں قرآن کی ساسِ محکمہ بہ سب سے معاشرے کی تعمیر نو کرنی چاہیے
 جس کے مرحلہ و رفتاریات کو تفصیل سے بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

قومِ یونس کی توبۃ النوح اور ہم

اگر تھوڑا دیکھ سب کہ امتِ مسلمہ قرآن مجید کی نعمتِ انبی کو چھوڑ کر اس کے غور و ہدایت و رہنمائی
 برکات سے محروم ہو چکی ہے، اس کے نتیجے میں ایک تودہ گمراہ و شقی طلبِ نجات و نجاتِ عاجل، مجرمانہ و گنہگار
 و مشرک و عنانِ پرست، کلاب و مزہ پرست، ذرا بے دینی و نفس پرست، جو کچھ سب سے دور و دستِ مسلمہ
 کی ایک پرندہ سب سے ہمارے منڈا رہے ہیں، اس سے پہلے کہ غلبہ اس پر ہے اور ہم بیک و بیدار ہو
 جائیں یا محکوم و غلامی ہماری تقدیر بن جائے، ہمیں حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی طرح رستہ و توبہ

وہ کہہ کر کہ جسور سپہ دل سے اپنے جرم و گناہ و ظلم و عدوان، تیرے عذر شکنی و رکھنے کی نعمت کا اقرار و انکار
کرنے بخشش و معافی مانگنی اور توبہ، شہوت کرنی چاہیے۔

میں تو یہ اس بات کی کرنا ہوگی کہ میں پاک تان ایسی نعمتِ غنمی کی پھر قدر ناشناسی یا تکفیر نہیں کریں
گئے، بکر کے تندرورس کا نزدیک کریں گے۔ قدر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس سے سچی محبت کریں گے
اور اس کی تعمیر و تقییس اور تحفظ و ترقی کے لیے بھرپور محنت و مشقت، سعی و جہاد اور جہاد و جہاد اور
کسی قسم کی ہائی وائی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ سروہ بریں، ہم ایک تو اس کی پیداوار اور دولت میں
نہ نہ کریں ہیں کوئی کہہ سکتے ہیں کہ اور دوسرے قومی دولت کی تقسیم آئینِ قرآن، مشد عدل و
احسان، سعی و کتب، اور ملکیت، انی و متاع انسانی کے قوانین کے مطابق کریں گے، اجن کی تصریحات
نہ نہ کریں ہیں، ترکہ بیت و ارمنا شر سے کو غزو و شرک، جبر و گناہ، ظلم و استیصال، فساد و عروہ، فحش و منکر
رشتہ و بد رشتہ، سیاہ کاری و جرم و خوراک، کافری و کفر و جبر و سر، ناخواندگی و جہالت، نکاح و تبلیش، بخل و ہوا
کتنے زور و جہاد، مزارعت و سہارت اور سودی سرپرہ کاری و دیگر کاموں کی ہمدستیات و معاشرتی رشتہ
ست جہان سکون و راحت میں ایک و معافی کرنا ہے کہ قوم فطری انداز میں نشو و ارتقاء کر کے ترقی یافتہ
نہ نہ کریں صرف میں شامل ہو جائے ورنہ پر بدقت سے جانے کی تدبیر و تجویز میں لگ جائے۔

غزوہ بریں، نہیں ہونے میں عہد کی تجدید بھی کرنا ہوگی کہ ہم جو تانہ پاکستان میں وہ حسین و مثالی
تک و تکریم کے جہان کی رہنمائی و تہذیب و تمدن کے نام کی تانہ جس کی اس کے کلمہ طیبہ اَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
وہ کہہ کر کہ جسور سپہ دل سے اپنے جرم و گناہ و ظلم و عدوان، تیرے عذر شکنی و رکھنے کی نعمت کا اقرار و انکار
کرنے بخشش و معافی مانگنی اور توبہ، شہوت کرنی چاہیے۔

اسلامی حکومت و حکمران

میں قرآن کی دو آیتیں یاد ہیں: اَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اور (۲) اَلْحُکْمُ

اللہ تعالیٰ ان مہینوں کی ت کا منصب یہ ہے کہ ان کی فوج انسانِ مارتھائی کے بندے میں الرز ہی نہ کہ
معبود و مقصود، ازق و پروردگار، آقا و ملک درحکم و بادشاہ ہے۔ اور نہ صرف یہ، بل حکم جیسے کہ کسی
ادارہ کا نہیں۔ اس کا منصب یہ ہوا کہ جو شخص اس فرد ہو یا جماعت، اقتدار و پادشاہیت یا عسکری قوت کے بل پر
غیر قرآنی احکام یا آئین نافذ کرتا ہے، وہ قرآن، مہبط قرآن، و منزل قرآن آئینوں کا ٹکڑا نہ کر سکتا ہے۔
کی محرومی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ بات سب پر رشتا نہیں۔

بہرحال، اسلامی معاشرے کے جمیع افراد صرف اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے حکم کے متوجہ
ہوں گے اور کوئی شخص چاہے حکمران ہو یا حکم کی جماعت، اس سے مستثنیٰ نہ ہوگا۔ بعد اس کے سب سے بڑا
ہوگا آئین قرآن سب کے لیے ہوگا اور کوئی اس سے ہٹا نہ ہوگا۔

جہاں تک ممکنات کے سربراہ کا تعلق ہے، وہ بہرحال میں اللہ تعالیٰ کے احکام یا آئین قرآن کے
مقابل حکومت کا کاروبار چلے گا اور فیصلے کیسے کیسے، لیکن وہ اپنی مہینوں کی کوئی قانون نافذ کرنے یا
حکم چلانے کا مجوز نہ ہوگا۔ اس کی حیثیت حکمران کی نہیں، نائب حکمران کی ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ ملک و قوم
تو فقط اللہ تعالیٰ ہے، خدا و اللہ تعالیٰ کے خلیفہ، نبی کی حیثیت سے اس کے بندوں پر ان کے
احکام کے مطابق حکومت کرے گا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے سامنے جو بڑا ہوگا، دوسرے
لشکروں میں حکمران کی مسئولیت نہ رہی ہوگی۔ سب حکمران کے لیے قرآن مجید و خلیفہ کی تعبیر و تفسیر کی
ہے، بخلاف اس کے جو حکمران رعایا پر اپنا حکم جاتا ہے، غیر قرآنی آئین نافذ کرتا ہے، وہ حقیقت میں ہے
بپ کو لوگوں کا حکم دخل سمجھتا ہے، خدا اس کے لیے ہم نے فرعون کی قرآنی تصویر اختیار کی ہے۔
اس کا منصب یہ ہو کہ اسلامی مملکت کا سربراہ خلیفہ ہوگا، فرعون نہ ہوگا، چاہے سے بادشاہ،
شہنشاہ، نواب، سردار، صدر، وزیر اعظم، چیف مارشل، یا دیگر ٹیٹل کے نام سے موسوم کیا جائے۔

پختہ حکمران یا خلیفہ کا حسنِ انتخاب

مقتداتِ جدید و محرکہ میں قوتِ نوازہ ہوتی ہے جو کسی سرے کے باشندے کے لوگوں میں توہینیت پیدا

کرتی تھے۔ قومیت میں احساسات و جذبات، نگہ و نظر اور خُلق و کردار کی ہم آہنگی پائی جاتی ہے؛ نیز یہ قومیت ہے جو قوم میں اتحاد و تنظیم، ہیبت و جبروت، جہاں و جہول اور قوت و توانائی پیدا کرتی ہے جیسے حکمرانیت سبیلوں کو قوت دیتی ہے؛ یعنی ان میں نظم و ضبط، ہیبت و جبروت، جبر و قہاری، قوت و توانائی اور عبادتِ مسکوت پیدا کرتی ہے۔ قومیت کو حکومت مستزم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ درحکومت ہے جو قوم کی آزادی و قومیت، نشو و ارتقاء، امن و سلامتی، انفرادیت و تشخص و اس کے معتقدات، جیلہ و محرکہ کا محافظ و نشان ہر نسبت سے حکومت کے در سے کی غیر معمولی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ پیغمبرِ مہم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے انتہائی نفاذِ حاکمیت کے باوجود وہاں بدلتا غیر مسلم حاکمیت سے اسلام کی حکومت کا ادارہ قائم کر لیا اور اسلام کی مینٹ تو اس سے تسلیم بھی کر دیا کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

آپ کی حکومت کی سب سے نمایاں خصوصیت "ایمن قرآن" تھا جو اس میں اس طرح جاری و ساری تھا جس طرح جسم میں خون جاری و ساری ہوتا ہے۔ صراطِ جسم میں ایک تو خون کی گردش معتدل و متوازن ہوتی ہے اور دوسرے وہ کُل جسم کے رگ و پے میں جاری و ساری رہتا ہے اور یہی صحتِ جسمانی کا راز ہے۔ ایمن بنیاد پر مشابہت کی بات ہے کہ جسم کے جس عضو یا جدارہ میں خون جاری و ساری نہ رہے تو وہ منسوج و متہشم ہو جاتا ہے اور اگر دورانِ خون میں کسی وجہ سے اعتدل نہ رہے تو جسم کو بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔ یہ مثل معاشرے پر صادق آتی ہے۔ چنانچہ اس میں "ایمن قرآن" جاری و ساری نہ ہو جیسا کہ پاکستانی معاشرے میں نہیں ہے تو اس کا وہی حشر ہوتا ہے جو مسلم معاشروں کا ہو رہا ہے۔ اس وقت امتِ مسلمہ کا ہر گوشہ حیات فز زوہ اور وجود سرشار زوہ ہے؛ لہذا حکومت کے ہر ادارے کی اولین ذمہ داری ہیبت و جماعہ کو داخلی و خارجی معاشرتی سرشاروں کے پنجہ بند دستِ نجات دہانے کی ہے اور اس کا قلع قمع کرنا درن درن کی نشاۃ ثانیہ کے امکانات کو ختم کر دینا ہے۔

ہر زوہ اپنے نظم و ضبط و رخصت کارکردن کے لیے مدبر و مہتمم یا ناظم یا تائب، لہذا حکومت ایسے افسرین و سربراہوں کے لیے بھی ایک قومی قیام یا سربراہ کا ہونا گزیر رہا ہے جسے خلیفہ کہتے ہیں۔ خلیفہ سچا کامران

ہو تب ہے، درجہ ہٹے حکمران کو قرآن مجید سے فرعون و نمرود سے تعبیر کیا ہے، سچے درجہ ہٹے حکمران میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ سچا حکمران اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے اس کے احکام کے مطابق حکومت کرتا ہے، ان پر خود بھی عمل کرتا ہے ورنہ یہ اسے بھی عمل درآمد کرنا ہے۔ بخلاف اس کے جھوٹے حکمران یا فرعون احکام الہی کے ساتھ اپنا حکم بھی جڑتا ہے اور اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھتا ہے، جو حال حکومت کا داغ پائے کے لیے مضبوط ہاتھ، مضبوط دل اور منہ پر دماغ کی حاجت ہوتی ہے، قرآن مجید کو رو سے قدرت کی جیت چار صفات حسنہ سے مالا مال ہے، ایمان و صالحیت اور ایم و جہد میں زیادتی و فوقیت اب ان شرائط قدرت کی مختصر اصرار مت کر دے جاتی ہے،

۱۔ قدرت کو ایمان و اعتقاد ہی مستلزم ہیں، اس لیے کہ خلیفہ کا فرض منصبی احکام الہی کو، نذر کرنا، عمل درآمد کرنا، در خود بھی عمل کرنا ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان و ایمان کی حالت کے بغیر خلیفہ کسی عنوان اپنے فرض منصبی سے شہداء برا نہیں ہو سکتا۔

۲۔ ایمان کو صالحیت مستلزم ہے، اس لیے کہ ایمان کا تقاضا ہے اعتقاد ہی سب جس کے لیے ایمان عمل صالح کی تعبیر بھی امتوں کے لیے ہے، نہ کہ ہر شخص کا ایمان زیادہ ہوگا اس میں صالحیت بھی سی نسبت سے زیادہ ہوگی۔ چونکہ زندگی کے متعدد شعبے ہیں اور ان سب میں شخص و حکمران کی صلاحیتیں دوسروں پر سلطنت سے جانا محال نہیں تو ایسی دشواری ضرور ہے، لہذا جس تک حکومت کا تعلق ہے جو مؤمن سیاسی شعور و حکمت میں دوسروں پر فوقیت رکھتا ہو، وہ قدرت کا زیادہ ہونا ہوگا۔

۳۔ علم میں زیادتی، علم میں زیادتی کا مطلب اس کی قوت و توانائی، نور و ہدایت و رحمت و درستی میں بہتات ہے جس کے نتیجے میں صاحب علم کی قوت فہم و درک، سرمستی عقل و فکر، نسبت و حکمت اور نور قلب میں بھی اسی نسبت سے زیادہ ہوتا ہے، اصل یہ ہے کہ علم میں زیادتی نور قلب کے تمامہ بہت در است کرتی ہے جسے قرآن مجید نے فرقوں سے تعبیر کیا ہے، فرقان خیر و شر و سورتوں میں، حق و باطل و حسنہ و قبیحہ میں تمیز کرنے کی در غل و غلہ کی قوت ہے، اور خارجی نورانی قوت کا بہت کم اثر ہے، سب کا رو بہ ہو کر ان فرقوں کے مابقی چھوٹے کے لیے خلیفہ کے لیے صاحب فرقان ہونا ضروری ہے، بہرحال، حکومت

ان میں قوتِ یقین و کردار، خشیتِ الہی و خود اعتمادی، نیز خود آگاہی و خدا آگاہی پیدا ہوتی ہے اور ایسے صاحبِ قلم حکمران کے دل میں قرآنِ حکیم کا نفاذ و تقسیم و ترقی و ترقی کرنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔

۴۷۔ جسم کی زیادتی سے قلب و بدن کی قوت و صلاحیت کی زیادتی مراد ہے۔ یہ مقولہ جتنا مشہور ہے ان سچا بھی سب کہ صاحبِ جسم ہی میں قلبِ صالح ہوتا ہے، صحت مند و طاقتور جسم میں دل و دماغ بھی مضبوط ہوتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر، صحت مند و مضبوط انسان عموماً شجاع و حوصلہ مند، صابر و ثابت قدم، جفاکش و بھڑی، روشن دماغ و عظیم دیر و مفکر اور دور اندیش و زمانہ شناس ہوتا ہے۔ نیز اس میں ہمت و صلب و دیرینہ فیصلے کرنے کا عزم و حوصلہ ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی رو سے جو مملکت سب سے زیادہ ان نعماتِ ربیہ کا حال ہوگا وہ غرناہ سب سے زیادہ سزاوارد و بل ہوگا۔ مگر اسے خلیفہ بنانا قوم پرہیزگار و جب سب اور قوم و ملت کے بہترین مفاد میں بھی ہے؛ نیز اس کے انتخاب کے بارے میں قبائلی، لسانی، جغرافیائی، لسانی و غنیمت کو رو رکھنا، حالِ قرآن کی خوف و رزق بھی ہے اور قومی مفاد کے خلاف بھی۔ اسی غنیمت حقیقت میں ممانعت ہے جو قوم کا سرخانی مرض ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ سپانیہ ہو یا ہندوستان، مشرقِ بعید ہو یا مشرقِ اوسطی، فراتہ ہو یا دشتِ ایشیاء، مسلم سلسلوں کے زوال و سقوط میں غنیمت نے ان کردار ادا کیے ہیں جنہوں نے یہ نیکو انتخاب خلیفہ کا قرآنی اصل اصول یہ ہے کہ جو شخص ایمان و صلاحیت میں برتر ہو اور جسم و جسم کی قوتوں کے لحاظ سے دوسروں پر فوقیت رکھتا ہو وہ خلافت کا سب سے زیادہ مستحق و مستحق ہے، مگر قوم کو اسے منتخب کرنا چاہیے؛ نیز خلافت کا معیار امارت ہے نہ وارثت، بلکہ تقابلیت ہے۔ اس سے تمام نظریات کا بشران ہو جاتا ہے جو خلافت کو موروثی و اس کا معیار امارت یا مال و دولت سمجھتے تھے یا سبکتے ہیں۔

قرآن مجید کی رو سے ہر انسان واجبِ شکر ہے۔ چاہے وہ مومن ہو یا کافر، مرفہ الحال ہو یا غریب، محاکم ہو یا محکوم، آقا ہو یا ملزم، حیر ہو یا اجیر، سرما ہو یا کار ہو یا محنت کش، بالفاظِ دیگر، ہر انسان کا مستحق معیار انسانیت ہے، لیکن انسانی معیار تقویٰ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو تقویٰ میں دوسروں پر فوقیت رکھتا ہے، وہ دوسروں سے زیادہ عزت و کرم کا حقدار ہے۔

اسی طرح خلافت کا مطلق معیار ایران و صالحیت اور اضافی معیار ”علم و جسم“ ہے۔ یعنی جو مومن بزرگ شخص دوسروں سے زیادہ علم و جسم کی قوت میں رکھتا ہے، وہ خلافت کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ اُسے خلیفہ منتخب کرنا قوم پر واجب ہے۔

انتخاب خلیفہ کے اس قرآنی اصل اصول کی رو سے جمہوری انداز کا مروجہ طریق انتخاب خلیفہ ٹھیکر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ موجودہ انتخابات جماعتی اساس یا عصبیت پر ہوتے ہیں اور معیار انتخاب پاریمان کے ارکان کا ہوا حکمران کا، ”قرآنی تدبیت“ نہیں، جماعتی عصبیت ہو رہا ہے۔ اس طرح جمہوری ملک کی اقوام اپنے لیے بہترین ارکان اور حکمران منتخب کرنے میں عموماً ناکام رہتی ہیں۔ ایک خلیفہ منتخب اور بھی ہے جو ”ترقی یافتہ“ دور میں بھی بدقسمتی سے مسلم ملک میں پایا جاتا ہے۔ درودست ہو سکتی، موروثی طریقہ انتخاب تحریک اسلام کا ایک بنیادی مقصد استیصالِ ملوکیت و اس کی جگہ اور خلافت کا قیام ہے۔ درجہ، لیکن امت مسلمہ کے حکم و جمل کی منتہی یہ ہے کہ ملوکیت جو سہ ماہیِ زمانہ انسانیت اور دشمنِ اسلام ہے، مسلم ملک میں وجود ہے اور اپنے آپ کو موقوتِ ابدیت قرار دے کر فخر کرتی ہے۔ علاوہ بریں، ایک طریقہ حکمرانی اور بھی ہے جسے ”تشریف با تقوۃ است تعبیر کر سکتے ہیں۔ تشریف با تقوۃ کا مطلب عسکری قوت کے بل پر حکومت پر قبضہ جابینا ہے۔ بدقسمتی سے یہ طریقہ بھی ایک سمیت زیادہ تر مسلم ملک میں رائج ہے۔

ہمارے معاشرے کی ساری زندگی درجہ، حالی، تشدد و انتشار و پریشانی و ناانگہائی کا ایک سبب یہ ہے کہ ہم نے انتخابات میں ”قرآنی تدبیت“ کے اصول اپنا یا ہی ہیں حقیقت یہ ہے معاشرتی سرگونی کی تشویر، باطل کے سبب مسلم قوم کو یہ بھی محروم نہیں کہ خلیفہ یا مجلس شوریٰ کے رہنے کے انتخاب کا قرآنی اصل اصول کیا ہے؟ چونکہ ہمارا معاشرتی نظام سرگونی ہے، لہذا اس کے ترمیم کے بغیر اسلامی نظام کے قیام کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا، اور اسلامی نظام کے قیام کا واحد ذریعہ ”یمن قرآن“ کا نظام ذبطیہ ”سودہ حسنہ“ ہے۔ مختصر یہ کہ جب تک ہم احکامِ دینی کی ”یمن قرآن“ کو اپنا دستورِ عمل نہیں بنائیں گے، ہم اپنے سرگونی معاشرے کو کبھی سودی نہیں بنا سکیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ

سرانجامت کا علاج جو احتسابی یا آئین انقلاب کے سوا کچھ اور نہیں۔

طریقہ انتخاب

قرآن مجید نے خلیفہ کی اہمیت و جو معیار بتایا ہے، وہی معیار اس کے انتخاب کرنے والوں کا ہونا چاہیے، اور نہ مستحق و موزوں خلیفے کا انتخاب نہیں ہو سکے گا، وجہ یہ ہے کہ جو شخص حکومت کے فرائض ادا کرنے کے فرائض و مقاصد اور فیوض و برکات سے آگاہ ہی نہیں اور جو شخص یہ جانتا ہی نہیں کہ خلیفہ کی اہمیت کا کیا کیا ہے، یعنی قرآن حکیم کی رُست خلیفہ کن اوصاف سے متصف ہونا چاہیے، اس کی رائے سب مناسب ہو سکتی ہے، مگر وہ اپنی رائے دینے کا سزاوارد اہل نہیں ہو سکتا، اور اسے خلیفہ کے انتخاب میں رائے دینے کا حق نہیں دینا چاہیے، یہ سزا یتیمان، اندھے، دیوانوں کو منی چاہیے جو علم اسی قوت منیرہ سے چمکنا، آپ کو محروم رکھتے ہیں، حالانکہ علم یکساں ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرائض ہے، جو شخص کلمہ طیبہ پڑھتے اور اپنے آپ کو مسلمان کہنے و کہلانے کے باوجود اس ارشاد نبویؐ کی سربانی کرتا اور اپنے اس فرائض اور منہ سے قرآن کو پورا نہیں کرتا، اسے اس جرمِ نافرمانی و محرومی نور و ہدایت کی کمر سے کمرہ سزاوارد منی چاہیے کہ اسے کسی انتخاب میں رائے دینے کا حق نہیں دینا چاہیے، یہ سزا ایسے ناخواندہ و نادان لوگوں کے عروہ قوم کے حق میں بھی رحمت ہوگی، وجہ یہ ہے کہ اس سے افراد قوم میں علم کی اہمیت و اہمیت کا شعور بیدار ہوگا کہ علم یکساں فرائض اور نہ یکساں گناہ کیہ اور نور سے محرومی ہے، درست قوم میں تحصیل علم کی طلب و جستجو پیدا ہوگی، اس کے نتیجے میں قوم کی زندگی میں وسعت و کثرت دگی اور رفعت و عظمت پیدا ہوگی۔

حالانکہ قوم یہ ہو کہ خلیفے کے انتخاب میں صرف ان لوگوں کو رائے دینے کا حق من چاہیے جو قرآن مجید کے اصول کے مطابق راستے کے اہل ہوں، یعنی وہ مؤمن و صالح، علم سے بہرہ مند اور جسم و قلب کے انداز سے صحت مند ہوں، بخلاف اس کے جو اہل ناخواندہ و نا تر عقل، ذہنی مریض، منشیات کے مددی، ترکاب و زنا، مشرک، کافر و فاجر، مجاور، مجذوب، درویش وغیرہ وغیرہ جو قوم کی سیاسی و معاشرتی

زندگی میں دلچسپی اور نہ اس کی تعمیر و ترقی میں منہمک ہی لیتے ہیں، راستے دینے کے مجاہد نہیں ہوتے۔

مجلسِ شوریٰ

فرعونیت کو اگر باہانیت متکرمات تو خرافات کو شورِ ثبوت اور دونوں لازم و ملزوم ہیں، قرآن حکیم کی رو سے امورِ ممکنات میں مشورہ لینا، خلیفہ پر لازم یا شرعی زبان میں فرض ہے۔ اب سولہ پیارے کتاب کے مشیر کون ہونے چاہئیں؟ اس ہمسوں کے جواب قرآن مجید اور سنتِ حسنہ سے یہ کتاب کے خلیفہ کی حیثیت کا معیار وہی ہے جو خلیفہ کی اہلیت کا ہے۔ اصل یہ ہے کہ خلیفہ کسے دینے والوں اور شہرہ کی حیثیت کا معیار اور انتخاب کا اصل اصول کیا ہے؟ منہ خلیفہ کے مشیر اسے ہر مسئلہ پر نہیں جوڑیں۔ اس وقت اور عہدیت و جہانی صورتِ حیات میں دوسروں پر فوقیت رکھتے ہوں، ایسا جس سے کہ یہ اصل راستے کی تعمیر اختیار کرنا، حسن ہوگا۔

یہ درست ہے کہ اپنے مشیروں کا انتخاب خلیفہ کا حق ہے، لیکن قرآن مجید کی رو سے اس وقت میں بھی اُسے بعض اہل حسنِ رائے سے مشورہ کرنا، رسم ہے۔ مشورتِ اسلامی زندگی کا اصل اصول ہے اور اُسے کل امورِ حیات میں اپنا مسلحوں پر واجب ہے۔

اس جگہ جمہوری اصولِ مشورت اور "سولہ" اصولِ مشورت کے بنیادی فرق کی ضرورت کو دیکھنا چاہیے۔ جمہوری سولہ مشورت کی رو سے امورِ ممکنات کا فیصلہ اکثریت رائے کرتی ہے، درحقیقہ پر کسے قبول کرنا لازم ہوتا ہے، چاہے وہ فیصدِ غلّ و دین کی رو سے غلط اور دین و ملت پر مضر اور فاسد فیہ کے لیے منفرت رہے ہی کیوں نہ ہو۔ بخلاف "اسلامی" اصولِ مشورت کا اصول یہ ہے کہ خلیفہ کو امورِ ممکنات میں اپنے مشیروں کا مشورہ تو ضروری ہے، چاہے وہ اکثریت رائے کرتی ہو یا نہیں۔ لیکن فیصلہ اپنی صواب و دید کے مطابق کرنا چاہیے۔ خلیفہ کو اکثریت رائے کا احترام تو ہونا چاہیے اور اس پر غصہ نہیں، نہایت سے حکیمانہ غور و فکر بھی بدرجہٴ مذہبیت کرنا چاہیے، لیکن اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو فیصلہ غلط و ناخوب ہو یا دینی، قومی اور ملک من و دے کے منافی ہو تو وہ سب مسترد کرنے کا حق ہے۔

چونکہ خلیفہ مومن و صالح، از وی علم و صحت منہ جسم و دل و دماغ کا ایک ہوگا، لہذا وہ خود غرض و
 خوش ما پسند ہوگا نہ بزدل و نہ کاثر پسند، بلکہ وہ خود اعتماد و متوکل اور متقی و صاحب راستے ہوگا، نیز خدشات
 کو فحش و زشتی کی طرح گرس بارانہ نہ ہی سمجھے گا، لہذا وہ فرعون ہوگا، نہ اس کی طرح تخت حکومت
 پر ہمیشہ متمکن رہنے کی خاطر پیش مشیر و دونوں، گزروں و رہبانوں میں سے منتخب ہی کرے گا، اگر وہ
 ساری بات کردہ خلیفہ نہیں، فرعون ہوگا، لہذا خدشات کا سر دار نہ ہوگا، نتیجتاً اس کی حالت انفرادی
 ہی نہ رہے تو نہیں، البتہ اجتماعی طور سے ماحول ہو جانے کی ضرورت ہے، حکومت معزول کرنے کا حق رہے گا
 بہدست ریاست و جہاد و معروف میں، اس حالت خلیفہ و تنہا اس طرح امر و نہی میں، خلیفہ خلیفہ
 نہ تو اس کی حالت سے اس کی معرفت سے شراعت و احکام خلیفہ کی ہو یا اس کی۔

خلیفہ قوم کا خادم ہوتا ہے

خصیات ایک یا انکی دار و ست ہو، نہایت جہاد میں سرگرمی و فعالیت رکھتا ہے، دوسری میں ایسی
 فوج ہوتا ہے، جس کی سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اس میں اتحاد و اتفاق و اہمیت و وحدت پیدا
 کر لی جائے، یہ کسی وجہ سے کمزور ہو جائے تو اس کی قوت و جذبہ بھی اس نسبت سے کم ہو جائے گا،
 اس کے نتیجے میں قوم کے رتھ و دو چرخ بھی کمزور ہو جائے گا، دوسری میں پہلے ٹکری و عمل
 انقلاب و جدوجہد کا انداز ہوگا، اس پر پھر اس کا شہر و منتشر ہونے لگتا ہے، لہذا خدشات کی مرکزی
 حیثیت اور قوت و جذبہ کو مضبوط و مضبوط بنانا خلیفہ اور قوم دونوں کا کام ہے، اگر قوم فراموش ہے، یہ عمل ہمیشہ
 جاری رہے، جس طرح رہی جائے، خدشات کا ذرہ خلیفہ کی ذات پر فوقیت و ترجیح رکھتا ہے، وجہ یہ
 ہے کہ اس کی سمیت و وحدت خود اس کی ذات میں ختم ہوئی ہے، لہذا خلیفہ کا منصب و فرائض و یک
 ہذا ہوتا ہے، لہذا وہ قوم و دین و ممالک و راستے میں ہی سمیت پائے، چونکہ قوم و دین و ممالک کا مفاد
 مطلقاً اس کے ہاں ہے، لہذا وہ خود ہی سمیت ہے، بہت سے امور میں جو شرعاً جائز ہوں، اس حالت خلیفہ
 مطلقاً خود ہی سمیت ہے۔

کے نہیں، اس کے بندے اور محکوم ہیں، لہذا وہ ان پر احکام الہی کے بجائے اپنے حکام کے ذریعے حکومت کرنے کا مجاز ہے، چاہے وہ احکام الہی سے متن قسقی ہی کیوں نہ ہوں، نیز وہ مسوویت سے ماوراء ہے، لہذا وہ قوم اور عدلیہ کے سامنے جوابدہ نہیں۔ اگر من فرعونیت کا خاصہ ظلم و نفعیان ہے، یعنی یہ کہ آزادی سمیت اس کے حقوق انسانی کو سلب کرنا، اس کا استحصال اور جبر و تشدد کے ذریعے اس پر حکومت کرنا ہے۔ عدو وہ ہیں، وہ رعایا کو بہرہ و نفع کا وراثتہ بنانے اور دیکھنے کی طلب و آرزو رکھتی ہے۔ بخلاف اس کے، فرقت کا ثلثہ رعایا کو متحد کر کے بندے سے سمجھتا اور بنانا، ان پر احکام الہی کے مطابق حکومت کرنے کی آزادی سمیت حقوق انسانی کا احترام کرنا، ان کی تعلیم و تربیت اور ترقی و ترقی اور روزگار و خوشحالی کا بنیادی کام کرنا، اور انہیں معاشرے کے آزاد و مجاہد، با شعور و ذمہ دار اور محکمات و ملمن فرد بنانا ہے۔

ہمانیت و شورائیت میں فرق

ہمانیت و شورائیت میں فرق یہ ہے کہ ہمانیت کا خاتمہ حکمران کو ہر ممکن طریقے سے خوش رکھنا، در اس کے مزاج و خواہش کے ساتھ مشورہ دینا، قطع نظر اس کے کہ وہ غلط ہو یا درست اور ملک و قوم، دین و ملت یا خود حکمران کے مفاد میں ہو یا نہ ہو، نیز اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ملک و قوم کو قربان کر دینا ہے۔ بخلاف اس کے شورائیت کا خاتمہ حسن نیت سے اپنی محبوب و دیر کے ساتھ فیض کو مشورہ دینا ہے، چاہے وہ فیض کی رائے اور خواہش کے منافی یا مختلف کیوں نہ ہو، شورائیت کے پیش نظر ہمانیت نہیں، نہ ہی فیض کا، بلکہ ملک و قوم و در دیں دست کا مفاد ہوتا ہے۔ عدو وہ ہیں، ہمانیت کا خاتمہ حکمران کو خوش کرنا اور شورائیت کا خاتمہ، مصلحتوں کی رعایت حاصل کرنا ہوتا ہے۔

ان دونوں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ شورائیت مشق و صلاح حکمران اور فیض کا، اور ہمانیت مشق و صلاح خورشید پر بند حکمران اور فیض کا ہے، نہ شاہد ہے کہ ہمانیت کے حکمران کو فریبوں اور شورائیت کے فیض بنانے کی کوشش کی ہے، لہذا ایک مصلحتی و مصالحہ حکمران کو ہمانیت سے اس طرح ڈرنا اور ہمانیت پر ان کی توجہ نہ ہونے سے ڈرنا اور بچتا ہے، یہ عدو حکمت اور عمل و دانش کا خاتمہ ہے۔

ہمانیت کی ایک خطرناک چال

ہمانیت حکمران کو اپنی اہمیت جتانے اور مفاد حاصل کرنے کی خاطر ایک توڑا ہے یہ ہمارے
کی مسلسل کوشش کرتی رہتی ہے کہ دنیا سے بہت چاہتی درمیت و فراہم ہمارے بہ صورت حال
اس کے برعکس ہی کیوں نہ ہو اور دوسرے اور اُسے قومی ہمدرد کے طور پر پیش کرنے میں ہمارے ذرا
ابدیش تمامال کرتی ہے۔ اس طرح اپنی تشہیر بابائے مل کے ذریعے حکمران کو رعایا کے اندر اہمیت اور
جذبات و احساسات سے ہمدردی کی صحیح سیاق و سمر کے مساوی دانہ داتی دروہی و شائق تصور حال
سے اندھیرے میں رکھتی ہے۔ اور حکمران کی یہ خوش فہمی و کمزوری اس کے ذہن کا رشتہ خیمہ خانی ہے۔
ہمانیت کی یہ چال نہ صرف حکمران بلکہ ملک و قوم سب کے لیے بڑی ہی منفعت رسا و خطرناک
ہوتی ہے۔ چونکہ حکومت کے نقشے میں ہمانیت کی اس چال کو سمجھنا اور اس سے بچنا حکمران کے ہاتھ
میں نہیں تو زہر و شوارہ و ہوتا ہے۔ لہذا اُسے ہمانیت پر شورائیت کو توجہ دینی چاہیے۔

عادل حکمران کی تعریف

یہ معلوم کرنے سے پہلے کہ عادل حکمران کسے کہتے ہیں۔ اس کی تعریف کی ہے یہ تعریف اکتے ہون
ضروری ہے کہ حکمران کی دو چیزیں ہونی چاہیے ایک ذاتی اور دوسری حکمرانہ اپنی ذاتی حیثیت کے ساتھ
عادل و احسان کرنے والے کیوں نہ ہو۔ اگر اس کی حکومت میں رعایا کو عدل نہیں ملتا تو یہ منصف و احسان کرنے والا
اور سانی سے نہیں ملتا تو اسے عدل نہیں کہیں گے۔ اس لیے کہ اپنی رعایا کو عدل نہ دینا حکمران کی
بیادگی و غریبی ہے۔ عادل یہ شخص ہے جو ہر چیز کو سب کو ملے، ہر چیز کو سب کو ملے
منصف اور پورا پورا ہے۔ اگر کسی ملک میں لوگوں کو ایسا منصف یا عدل نہیں ملتا تو اس سبب منصفی
فکے دار اور جہاد حکمران ہوگا۔ عدل وہ ہے جس میں عدل و انصاف کی تعلیم ہو۔ عدل کے معنی ہر
اس اعتبار سے کہ حکمران نہ منصف و نہ درتانی ہوگا۔ لہذا اس کی معذوری ملک و قوم کے من و ہون

حکمران کے لیے یہ کافی نہیں کہ وہ معاشرے کے ایک فرد کی حیثیت سے کسی سے سبب انصافی نہیں کرتا۔ اس کا فرض منصبی تو لوگوں کو عدل بہم پہنچانا اور عدلیہ کا ایسا نظام قائم کرنا ہے کہ رعایا کا کمزور سے کمزور شخص بھی عدل و انصاف سے محروم نہ رہے۔ خرافت یا مثالی حکومت کی ایک پہچان اس کا حسن عدل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں عدلیہ حکومت کے ثرو نفوذ سے آزاد ہوتی ہے اور اس کے سامنے حکمران رعایا امیر و غریب، طاقتور و کمزور سب برابر ہوتے ہیں؛ سب سے یکساں سلوک و انصاف کیا جاتا ہے، در کوئی شخص مدعی ہو یا مدعا یہ نظم و جبر کے سبب عدل سے محروم نہیں رہتا۔ عدل وہ ازیں، عدل مفت، بدلتا نہیں اور مفت ملتا ہے۔ اگر کسی ملک میں عدل کی یہ صورت حال نہیں ہے تو حکمران اپنے فرض منصبی کو نہ کرتے یا غلط فہم ہو گا، لہذا حکومت کا سزاوار بھی نہ ہو گا۔

خلیفہ بالشوری ہی اجتہاد کا سزاوار ہے!

ہم معلوم کر چکے ہیں کہ فتنہ امت مسلمہ کا ہم ترین ادارہ ہے اور سیت اجتماع میں نظم و ضبط، اتحاد و ہم آہنگی و وحدت و مرکزیت پیدا کرنا، اس کی نظریاتی و جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کرنا، نیز اس کی معدوم و موقوفہ کثافت کا حسن و کمال قائم کرنا، اس کے دین فرس و دلت میں شامل ہے۔ غور و بریں دین کہ تحریک کی صورت میں زندہ و فعال رکھنے کی ذمہ داری بھی اسی ادارے کی ہے، اسلام و اسلام انسان کے ترقیہ نفس و احیاء اور اس کے نور کے ارتقا و اتمام کی تحریک ہے جس کی قوت محرکہ ایمان، العمل یا اس کے عقد مدہم و محرکہ میں یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عقائد میں قوت و توانائی اور حرکت و حیات اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ انسان (فرد ہو یا قوم) کی زندگی میں خون کے مثل متوازن انداز میں جذبہ رز و بر سر کے جزائے رینک بن جائیں اور ان کے مقابل زندگی کرنا اس کا شعار بن جائے۔ اہل یہ سب کہ یہ انسان کہ سوز و درد اور زور و عمل ہے جو اس کے عقد مدہم و محرکہ بنا رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ حرکت مدہم و حیات بننے کے جزائے رینک بن جائیں اور عمل میں نہ آئیں تو وہ اپنی بدست و قوت حیات سے محروم ہو کر مردہ و جامد ہو جاتے ہیں اس کے نتیجے میں زندگی و دین دونوں میں جمود و تعطل پیدا

ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں دین تحریک نہیں رہتا، بلکہ نظری قسم کا ضابطہ حیات بن کر رہ جاتا ہے۔
 عقائد کی اس غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر انھیں زندہ و حرکی رکھنے کی ذمہ داری یوں تو ساری قوم کی
 ہے، لیکن خاص طور سے خلافت اور اس کے سربراہ کی ہے اور اس ذمہ داری سے عمدہ براہوں
 کا واحد ذریعہ "اجتہاد" ہے، مندرجہ بالا فیصلے کی ناکہ پر ضرورت در اہم ترین فرض منصبی ہو، چونکہ امور
 مملکت کو احسن طریق سے سرانجام دینے اور اہم فیصلے کرنے کے لیے خلیفہ پر شادرت حسنہ فرض ہے، مندرجہ
 اجتہاد ایسے ازہبی اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے مشیروں سے مشاورت ناکر یہ ہونی چاہیے کہ
 خلیفہ با شوری ہی اجتہاد کا سر دار ہوا۔

بعض مسائل مقامی اور ہنگامی نوعیت کے ہوتے ہیں، جن کا فیصلہ با اجتہاد کرنے کا مجاز صرف
 کا والی یا شوری ہو سکتا ہے، خلیفہ د والی پر مجلس شوری کے فیصلوں کا احترام رزی ہے، ورنہ اس کی مقصدیت
 انادیت فوت ہو جائے گی اور اس کے قیام کا جو زبانی نہیں رہے گا، لیکن اگر خلیفہ یا والی کو اپنے حدود
 دانش کی بنا پر یقین کامل ہو کہ مجلس شوری کا اجتہادی فیصلہ قرین صواب نہیں تو وہ اسے مسترد کرنے
 اور اپنا فیصلہ با اجتہاد نذکرے گا مجزبہ الغرض، خلیفہ یا شوری مقامی و ہنگامی حدت میں دن
 با شوری ہی اجتہاد و شرعی کرنے کا مجاز ہے، البتہ دیگر امور زندگی میں اہل علم و حکمت کو بھی اجتہاد کا حق
 ہے اور ان کا یہ اجتہاد ثقافتی زندگی اپنے وسیع ترین مفہوم میں، کے نشو و نما کے لیے ناکہ رہے۔

اجتہاد کے بغیر دین میں جمود و تعطل پیدا ہو جاتا ہے

دین عبارت ہے عقائد جلیلہ و محترکہ کو زندگی میں خون کے مثل جذب و روان کرنے اور انھیں
 اس کے جزائے نیفک بنانے اور ان کے مطابق زندگی بسر کرنے سے یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل
 ہے کہ زندگی صد ترقی و ترقی ہے، لیکن فزون متغیر و متبدل رہتی ہے اور اس کی علت فانی رب کریم
 کی جہاں ترقی و ترقی فطرت کا ثبات و دوام ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ زندگی ہر آن نئے سے نئے رہتی ہے
 جلوہ نما ہوتی رہتی ہے اور اس طرح خود ہی اپنے مسائل میں پیدا کرتی رہتی ہے، پھر خود ہی

تائیدِ زندگی سے خلیفہ با شوریٰ سے مطالبہ کرتی رہتی ہے کہ وہ ان مسائلِ حیات کو ملک و قوم اور دین و ملت کے بہترین مفاد کی خاطر بخیر کتاب و سنت کی روشنی میں حل کرے۔ اگر یہ ضرورتِ ہدایت پیش نہ ہو تو مجبوراً حیات کو عدمِ حکمت، عقل و فکر اور مشاہدہ و تجربے کی روشنی میں حل کرتا ہے؛ ورنہ بصورتِ دیگر، مسائلِ نو و متجدد جلیلہ و محررے متصادم ہونا تاریخی عمل ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس تضادم سے ہمیشہ عقیدہ جلیلہ و محررے کو نقصان پہنچتا ہے، جو بعض اوقات ناقابلِ تلافی ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ”کُلُّ يَوْمٍ رَحْوَةٌ رَحَىٰ“ مثالی حیات کی بدولت نئے مسائلِ حیات تو جن اندام پیدا ہوتے رہتے ہیں، انہیں اگر اسے ساتھ کے ساتھ حل نہ کیا جائے تو ان کی بھرا ہو جاتی ہے۔ اس سے ایک قوم اصلِ نو بنو کی تعداد و قوت میں روز بروز غائب ہوتا جاتا ہے، ورنہ دوسرے ان کے زور و قضاوت سے عقیدہ جلیلہ و محررے میں انحصار و انحصار پیدا ہوتا رہتا ہے جو ان کے جمود و عقل پر منتج ہوتا ہے۔ اس نہائی عبرتناک قومی لیرہ کی ذمہ داریوں کو اس قدر مہمل ہے، لیکن اس کا اصل ذمہ و فریضہ ہوتا ہے، اس لیے کہ جہادِ با شوریٰ کی ذمہ داری خلیفہ کی ہے۔ ورنہ اپنی مجرمانہ غفلت و خفا کے لیے قابلِ موبخہ ہے۔ بہرحال قوم کی اس نقصان دہ زندگی کا سلسلہ اس وقت تک چلتا رہتا ہے جب تک کہ وہ اجتماعِ با شوریٰ کے ذریعے ان مسائل کو حل نہیں کریتی یا ہلک و برباد نہیں ہو جاتی۔

اس لیے کہ مسائلِ نو بنو کو ساتھ ساتھ حل کرنا ضروری بھی ہے۔ درحقیقت کا فریضہ بھی، ورنہ مسائلِ زبده تجدد و اصلاحی ہو جاتے ہیں۔ یہ صورتِ حال، معاشرے میں سرکاری طبقوں کی پیدائش و نشوونما کے لیے سرکار ہوتی ہے۔ سرکاری طبقے معاشرے میں مضبوطی سے قدم جما لیں تو وہ اپنی قوت و سلطنت، ورنہ خود و مال و دولت کے ذریعے ایسے مسائل کو حل کرنے کی راہیں مسدود کر دیتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ انہیں جمود و عقل سرکاریوں کی بددستِ قی کے لیے ناگزیر ہے، اس لیے کہ اس کے سبب عامۃ الناس میں حسرت کی آرزو پیدا نہیں ہوتی۔ مسلم ملک بالخصوص پاکستان اسی صورتِ حال سے دوچار ہے، ورنہ سرکاری بیماری کی غمناک اور حسرتِ انقلاب کی منتظر ہے۔ اگر کسی قوم میں اپنی حالت بدلتے اور صورت کی آرزو جستجو پیدا ہو جائے اور وہ حسنِ انقلاب کے ذریعے معاشرتی سرکاریوں کے پنچہ استبداد

ستِ نجات حاصل کر لے اور ان کا تئیں سال کر دے اور پھر ایسے مسائل حل کرنے میں، میاب ہو جائے تو اسے اس کی نشاۃ الثانیہ سے تعبیر کریں گے۔ اگر کوئی قوم ایسا نہیں کرتی یا اس میں حسنِ انتداب کی رُو پیدا نہیں ہوتی تو قدرت اپنے نوا میں، مثلاً قانونِ مجازات، قانونِ احترامِ رُز و اور قانونِ کفر و نعمت کے تاریخی عمل کے ذریعے ہدایت و بربادی کو ان کا مقدر بنا دیتی ہے۔ زندگی حرکت سے اور موردِ عقل موت سے عبارت ہے چنانچہ کوئی قوم موردِ عقل ہو جائے تو وہ مردہ ہو جاتی ہے اسی لیے وہ کھلتی ہے اور اس کے اعضاء کسبِ حیات و انتداب ناگزیر ہو جاتا ہے۔

مطلبیتِ حکمران میں فرعونیت منضم ہوتی ہے!

تاریخ شاہد ہے کہ مطلبیتِ مدیفہ میں رحمت اور مطلبیتِ حکمران میں فرعونیت منضم ہوتی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حکمران علاجِ نہایت درندہ حکومت میں خرابی پیدا ہو جائے تو اس کا نتیجہ فرعونیت کی صورت میں نکلتا ہے۔ در فرعونیت کے ہیروں میں مذشرقی سرحد منضم ہوتے ہیں، چنانچہ فرعون کی سر نشوونما پاتا ہے تو اس کے بہن سے ہونی، قدرتی و رزری سرحدات جنم پاتا ہے؛ در وجودِ مذشر کے اندر اتنی رازداری اور چابکدستی سے نشوونما پانے لگتے ہیں کہ قوم کو اس وقت پہنچتا ہے جب مرضِ درد ہو چکا ہے اور اس کا علاج ضربِ بکلیں رہ جاتا ہے یا جراحتِ رشتہ نما لینے۔ گریہ علاج نہ کیا جائے تو قدرت اس کا علاج عسکری اسرائیل کی ذمت و مملکت اندر بے خدائی و بربادی کی صورت میں کرتی ہے یہاں نیز و مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں کی ہدایت و بربادی کی شکل میں۔

قدرت کا قانون اصلاح بالجبر

عصرِ حاضر کے مسلم ممالک میں؛ خصوصاً مشرقی سرحدوں کی ریشہ درانیوں و رتبہ کاروں کی وجہ تحقیقی بھی مطلبیتِ حکومت ہے۔ نہایت جب تک مذشرقی سرحدوں پر تقیضان نہ ہوگا، وہ کس دن اور محنت کشوں کا یا خصوصاً استعمار کرتے اور ان کی محنت و مشقت و سعی و تہجد کا حاصل غصب

کرتے اور ان کے خون پر پردہ نش پاتے رہیں گے۔ یہ از بس خطرناک اور عبرت ناک صورتِ حالِ حسنِ انتداب کی تقاضی ہوئی ہے اور ساتھ ہی ہمیں قدرت کے قانونِ اصلاحِ بالجبر سے بھی متنبہ کرتی ہے۔ اس قانون کا مطلب یہ ہے کہ جو قوم خود حسنِ انتداب کے ذریعے اپنے حکمران، حکومت اور معاشرے کی اصلاح نہیں کرتی قدرت جبر سے اس کی اصلاح بالجبراحت کرتی ہے۔ اصلاح بالجبراحت کی مثال جراح کا عملِ جراحی ہے جس کے ذریعے وہ وجودِ ستیم و سہل کی اصلاح و صحت کی خاطر اس کا کوئی عضو، جو حریقہ یا فاسد مواد اس سے جدا کر دیتا کسی نئے عضو کی پیوند کاری کرتا ہے۔

حواشی

۱۔ مصنف نے اپنی تصنیف پیغمبرِ عظیم و آخر (مجموعہ فیروز سنز پبلیشرز، لاہور ۱۹۸۲ء) میں ہر زمان و مکان کی ہمیشہ ترین شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے س تاریخی ساز و عمداً قرین و رفیقِ امثالِ نبی کے کی غیر معمولی اہمیت کو اجاگر کرنے کی سعیِ بلیغ کی ہے۔

۲۔ دیکھیے البقرة ۲: ۲۴۷۔

۳۔ حدیثِ نبویؐ۔

۴۔ مشاورت: دیکھیے آل عمران ۳: ۱۵۹ اور انشوری ۴۲: ۳۸۔

۵۔ دیکھیے سورة الرحمن ۵۵: ۲۹۔

باب (۵)

اسلام کا معاشی نظام

معاشی نظام کی اہمیت: بشر کی تشریح حیات یہ ہے کہ انسان کے تمام زندگی کی ساس اس کی معیشت یا معاشی نظام ہے اور معیشت ہی اس کا اصل مسئلہ ہے، جو اس کے نظام حیات میں محور کی حیثیت رکھتا ہے، لہذا اس کے فکر و عمل کا دائرہ اس کے ارد گرد گھومتا رہتا ہے۔ سر یہ دراندیشی کے حلی و تشریح کے مخالف ہونے کے باوجود سر ملے کو معاشی زندگی کی ساس مانتے ہیں۔ اس سے روحانی و خرقہ تدر پر مقدم سمجھتے ہیں۔ ان دونوں کے برخلاف قرآن حکیم، جو زندگی کے متن زرع مسائل میں تو فیصل کی حیثیت رکھتا ہے، اس کا موقف یہ ہے کہ انسان محض حیوان نہیں، بلکہ حیاتیاتی بشر ہے، اس کا منصب یہ ہے کہ رہبر کو پیچھے اُسے علم و حکمت، عقل و فکر، شعور و آگہی، درجہ بہت و محاسن و نیز ارادہ و تہذیب کی آزادی و دیعت کی ہے، جن کے سبب ایک تودہ اس دنیا میں قیون مجازات یا قیون مکانات میں کامیاب ہے۔ دوسرے اس میں جمالیاتی و رتقاء کے متن ہی مکانات منظر میں، اس سے کہ مذت موت سے آشنا ہو جانے کے بعد وہ زندہ جاوید ہو جاتا ہے، اور الحیوان میں پہنچ جاتا ہے جو موت و حشر عالم حیات ہے۔ تیسرے اس میں اپنے الہ و رب کی محبت اور ارز و دیعت کی گئی ہے اور وہ اس قدر شدید ہے کہ اس کی بدولت وہ حُسن پسند ہے اور خوب سے خوبتر و نیز دنیوی و دُخروی حشر اور اپنے معروض حُسن و محبت (الہ) کے قرب و حضور اور دید و رضوان کی کُرد و رکھتا ہے، اس کے نتیجے میں وہ جہیاتی و اخلاقی اقدار کو از بس عزیز اور معاشی اقدار پر مقدم رکھتا ہے، لیکن معاشی اقدار کی ساسی اہمیت پر بھی بہت زور دیتا ہے۔

نہ زندگی وجود اور اس کے تحت تو رکھتا ہے مگر حیوان محض نہیں، بلکہ وہ اصل میں حیاتیاتی
 قبل بشر ہے۔ اس جہاں کی تفصیل یہ ہے کہ حیوان میں شدید ترین جذبہ بقائے زندگی کا ہوتا ہے اور اس
 جذبہ کی قدر کی قدر پر ہوتا ہے؛ لیکن اس کے باوجود اس میں صیانتِ ذات، آزادی، موہبت و
 وبت اور مرد پر مردی شفقت اور مہربانی اور جی محبت کے جذبات پائے جاتے ہیں جو معاشی جذبوں پر
 غالب آتے ہیں۔ متعدد بھی رکھتے ہیں۔ بہر حال حیوان اور انسان میں بنیادی فرق یہ ہے کہ حیوان کے
 نفس زندگی پر نفس بدنی کے تحت مدد دی ہوتی ہیں، جب کہ انسان کے نفس زندگی کو نفس بدنی اور
 نفس بدنی دونوں کے تحت مضبوط کرتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ انسان میں نفس بدنی کا تعلق خفا بھی اٹھتا ہے
 شہر بہت ہے یہ اور بات ہے کہ انسان اپنے وجود میں معروضی شے کی جہاں تک فریب کاری و
 وسوسہ اندازی کے سبب نفس بدنی کے تقاضوں کو نفس بدنی کے تقاضوں کے دبا دیتا ہے اور بہت
 اس حقیقت نفس بدنی کا شعور رکھتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود انسان کا ضمیر اور نفس کو امر سے
 یا نہ کرنے سے منع کرتے، مزبور کو توجہ کرتے اور توبہ و انابت کی بار بار تلقین کرتے رہتے ہیں۔

قرآن مجید کی رو سے زندگی کی دو بنیادیں ہیں: صلوٰۃ اور زکوٰۃ۔ صلوٰۃ انسان کی جمالیاتی
 فنیاتی ترقی کا سبب ہے، جس کی سبب توحید اور مہبت ہے۔ اور زکوٰۃ اس کی معاشی اقدار کا نکتہ ہے
 جس کی بنیاد توحید اور مہبت ہے۔ اور یہ دونوں نکتہ لازم ملزوم ہیں؛ لہذا ایک نکتہ مگر ہوتا ہے تو
 دوسرے نکتے کے نتیجے میں دوسرے میں بھی خرابی پیدا ہوتی ہے۔ نظامِ صلوٰۃ کو ادبیت سے لیے قائل
 ہے کہ اس کا ہر کردار کے حسن و قبح کے مطابق زکوٰۃ کی ہر کردار کی ہوتی ہے۔ اس سے اس امر
 کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ کیوں سلامتی نظامِ صلوٰۃ یا جمالیاتی۔ اخلاقی اقدار کو نظامِ زکوٰۃ یا معاشی
 ترقی پر ترجیح دی ہے۔ لیکن اس جگہ اس شیئہ و اہمیت کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ معاشی نظام
 کی نسبت اس کے بغیر جمالیاتی و اخلاقی اقدار کے تمام کی اصلاح محال ہے۔ دوسرے یہ ہے کہ معاشی نظام
 بزرگوں کے شرع کے تحت مقرر ہونی و ہمانی اور قانونی و آئینی عین پیدا ہو جاتے ہیں، جو دونوں
 سببوں کی ذریعہ کے ذریعہ رہتے ہیں؛ لہذا معاشی شرع کی اصلاح کے لیے معاشی سببوں کا

اقتصادی نظام ناگزیر ہے۔ وہ یہ سب کچھ تک یہ سب ان طبقات معاشرے پر مستند رہیں گے، اس کے کسی گوشے میں بھی صدح نہیں ہو سکے گی اس سے یہ متنبہ ہو کہ سب ان کا تعلق سب سے زیادہ مستند ہے۔
کی صدح یا تعمیر نو کی ایک ناگزیر پیش شرط ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس اقتصاد کا حسن و برکتیں دنیا
سب جو منت پیغمبر ہی ہے اور اس کا احسن و اکمل نمونہ اسوۂ حسنہ ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
دنیا کی تقدیر کا ناگزیر محرک و حتمہ ہے یعنی میں ملتا ہے جس کے نتیجے میں دنیا کا ماحول دیکھ کر کسی کی تقدیر
سے آشنا ہوتی تھی۔

اسلام کا معاشی نظام، اسلام کے معاشی نظام کی اساس توحید و یکتا ہے یعنی اس عقیدے پر کہ
تنہا اللہ تعالیٰ ہی سب جملہ مخلوقات کا رازق و پروردگار ہے، تو اس کے در حکم ہے نیز امانوں و زمین میں
جملہ نعمتوں کا تمنا دہی مالک ہے اور اس سے کبھی کبھی کوئی فرد انسان کے قلم سے پیدا نہیں
ہیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ "تمتع" قرآن مجید کی زبانی اتم و یکتا ہے فرد و مستلزم ہے اور اس
مطلب ہے: "استفادہ بقدر ضرورت" اس سے مستلزم ہے کہ کوئی شخص اگر وہ دنیا و مافیہا سے ضرورت سے زیادہ
دوست جمع کرے گا تو اس سے فتنوں و غم پہنچیں گے کہ کتاب ہے۔ باغ و بستان و دولت و دوست جمع کرے گا تو اس سے
احتکار یا اسراف و تبذیر کے لیے نہیں۔

انسان کو کسبِ عدل کی آزادی ہے: یہی وہ جو کچھ کہتا ہے اپنے رب کریم کی صاف کردہ قوتوں اور
دست کی بدولت کہتا ہے، مگر اس کا حقیقی مال اللہ تعالیٰ ہے اور انسان کی حیثیت ایسے ہیں کہ
جو اس سے معروف ضرورت سے تمتع کرنے کا مجاز ہے، لیکن عدم اس سے دوست و محبوب دنیا اور دنیا
دار کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ عداوت نہیں، کوئی فرد جماعت یا قوم و ممالک دوست پر قبضہ کر دے اور
کون کے تمتع سے محروم کرے کہ مجاز نہیں، کوئی حکومت کسی فرد جماعت یا قوم پر جبر و مظلومت
سے روزی حاصل کرنے کی زمین مسدود نہیں کر سکتی ورنہ جبر و تشدد سے اس سے اس کے رب کریم کی مظلومیت
سے محروم ہی کر سکتی ہے۔

معاشی نظام کا ایک اہم اصول معی و کتاب کا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قومی پیداوار یا دولت

ہر شخص اپنی معاشی و کفایت کے بق حصے کا حقدار ہے کسبِ مال کا ایک ذریعہ تجارت ہے اس میں تجارت و راس کا نفع مال لیکر سود اور سودی سرمایہ داروں کے حرام ہے چونکہ سودی سرمایہ داروں کا سود ایک قدرتی و غیر متناہی محنت کا راجعہ ہے اور جو کچھ وہ مال و کمال و کامیابی و حرمِ خور و یار و سود و سود خور اور بخیل و مسرف کو دے دیتے ہیں انہیں شیعہ سمجھتے ہیں سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ اس شیعہ کو خونِ شامہ فرعون و بانیِ رزقاری و قاریِ طبقات سے منتر و دیکھنے کی رزورکتا ہے۔

تب ذرا بدل دیکر اچھے سے دیکھیں کہ یہ کیا ہے اور اس کے تھیں دیکھنا چاہئے کہ انسان کو کس قدر دوست دیکھنے کی رزورکتا ہے دولت کو حسین بنانے کا ذریعہ زکوٰۃ ہے اس سے زکوٰۃ کی ہر قسم کی ممانعت ہے ہندوؤں کے سودی سرمایہ داروں کی حالت ہے اس سے حرمت ہے زکوٰۃ کی رزورکتا ہے ہندوؤں کی رزورکتا ہے اور قریب میں جن سے ہوتا ہے تو صرف و ہندو اور ان کے دوست آگ کے گھر سے بچتے ہیں اور قریب وہاں کو دشمن سے محروم ہوجاتے ہیں۔ ہم نے ایک سرگرم و تہذیب شاعر نے درخت کا ممبر تقویٰ ہے اس و دوست و نسب و ذات و قوت و دوست نہیں ہندوؤں کی قوم انسان کو متشی و مکریم دیکھنے کا رزورکتا ہے۔ ان کے نزدیک ہر فرد انسان کے حق میں ہے اور دنیا سب کے ہے نعمتوں کو ہر فرد کو دینا ہے اس کے ساتھ ساتھ ان کے ہر فرد کو سب فرد انسان کے لیے کھلے ہوتا ہے۔

کیا اسلامی معاشی نظام کا قیام ممکن ہے؟

اس کے لیے تو ساری کے پروردگار شہید اپنی منعم و نامکبر شہید بابا علی کے ذریعہ حضرت محمدؐ ایک نور و کبریٰ و کرم کے ہیں بہت حد تک کامیاب ہو گئے ہیں اس کے مقابلہ میں وہ کرم کی طرف سے ہر فرد کو ہر فرد کے لیے شہید کے لیے شہید ہے ہندوؤں کے حیا کوئی مرکان نہیں ہر چنانچہ جب اس کو شہید معاشی نظام کے قیام کی رزورکتا ہے ہندوؤں کو خود مسلم و شہید

ہی اسے مجذوب کی بڑی پیموں کر کے اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور ایسی کوششیں کرتے ہیں کہ اصل کی یہ پیمائشیں میں تاخیر نہیں کرتے۔ اس سے عام مسلمان بھی متاثر ہوتے ہیں اور بڑی سادگی سے پوچھتے ہیں کہ یہود و مسلمان پرانا سلام کا معاشی نظام اس دنیا کو جس کے جس جدید و ترقی یافتہ دور میں قائم ہو سکتا اور رہائی کے ساتھ چل سکتا ہے؟ ہمارے دینی علم و روش کا جدید معاشی نظام درودیکہ و عوامی جدیدیت سے نااہل ہونے کے سبب چونکہ یہ مسئلہ سمجھ ہی نہیں سکتے، لہذا اس کا نہ تو کوئی معقول جواب دے سکتے ہیں اور نہ اس مسئلے کا کوئی قسماً بخش حل ہی بتا سکتے ہیں۔ اس صورت حال کے نتیجے میں مسلمان من حیث الہیہ و سنیہ دور ادریت کے شکار ہیں جو اس کی نسبت و مسکنت کی بنیادی وجہ ہے۔ اور ان کی بدولت دوسری کوششیں بھی بن سکتی ہیں۔

بہرحال یہ انتہائی اہم معاشی مسئلہ ہے و فلسفہ ترقیت کی روت سے اس دور میں باغ و بس اوریت کا سرور ہے اصل یہ ہے کہ اصل م کے معاشی نظام کے قیام کے بغیر مسلمہ ملک نہ تو خون کش و معاشی سرگرمیوں کی محکوم و غلامی سے رہائی حاصل کر سکتے ہیں و نہ تو ادریت و مسکنت سے نکل کر خوشی و ترقی و آزادی کے جہاد و سٹیو برنامز بن ہی سکتے ہیں۔ یہاں بھریہ سوسائٹی قائم ہے کہ یہ مسلمہ ملک میں سلام کا معاشی نظام قائم کیا جاسکتا ہے جو کہ امت کو اس کی نعمت فرماد کر سکتا ہے۔ قرن و ستر و تار و تاریخ و مغربی قوام کے کامیاب تجربات کی مدد پر ہمیں یہ بات درجہ کے ساتھ اس دور کا جواب ثابت میں دیتے ہیں۔ سوچنے اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ گرامشی میں اس کا یہ معاشی تجربہ کامیاب رہا تھا اور جس نے اپنی دنیا کو ویرانہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ اور اس ملک کی تحریک رستہ تعامین کی کامیابی کی راہ عبور کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ تو زمانہ حال میں اس کے کامیاب ہونے کے ممکنہ نتائج اس کی ساری مقید و حیرت نہیں آتی۔ بلکہ اس میں قرون گانی کے ممکنہ نواقص کے کامیاب تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مغربی قوموں کے امتداد کو اپنا کر ثابت کر دیا ہے کہ سلام کا معاشی نظام اپنی حق و عزت و حریت میں عامتہ نامی کے بغیر ممکن و مفاد میں ہے۔ اور انھیں بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی کی غرض سے ضروری کتابت چنانچہ ہر وجہ تشکیک دور ادریت کامیابی کی راہ میں سد سکندری بن گیا کرتی ہے۔

خودتِ راشدہ کے بعد سوکیت کا دور آیا تو اس میں معاشرتی سرہانی طبقتوں کا پیدا ہو جانا تاریخی
 عمل کا نتیجہ تھا۔ چونکہ سرہانی طبقتِ ربعہ مزارعوں اور محنت کشوں کے خون پر نشوونما پاتے ہیں، لہذا انھوں
 نے مشترکہ مفاد کی خاطر باہم مل کر تویل بابا طیل اور شہیر بابا غل کے ذریعے اسلام کے معاشی نظام کی
 ہیئت کو اس طرح مسخ اور اس کے مفادِ جدیدہ کو اس طرح بدل ڈالا کہ وہ بجائے رحمت کے مزارعوں
 و محنت کشوں کے سب سے بالخصوص محکوم و نادار اور ذلت و مسکنت کا آلہ کار بن گیا۔ ہوا یوں کہ انھوں
 نے رعایا بالخصوص مزارعوں اور محنت کشوں کو اپنا محتاج و دست نگر اور محکوم و فدیہ بنانے کی خاطر لوگوں
 کے دین سے قرآن حکیم کا یہ معاشی اصل مضمون محو کر دینے میں کامیاب ہو گئے کہ کفالتِ قومی اسلامی موت
 کی زمین ڈٹ رہی اور اس کا بنیادی فرائض بہ راستوں نے امتِ مسلمہ پر مزید بڑھ گیا کہ جائیداد کی زمیندار کی
 درجہ کی سربراہی اور اس کی شکل شد مزارعت و مضاربت، بارہ داری و کرایہ داری اور متنازعہ خاک کو شرعاً جائز
 قرار دینا۔ اس فتوے سے ایک طرف امتِ مسلمہ نے فرعونیت و باپانیت اور فارونیت و ذریت کا وجود عمل تسلیم
 کر لیا۔ دوسری طرف محنت کشوں کو ہمیشہ کے لیے معاشی سرطانوں کا محتاج و دست نگر اور محکوم و فدیہ
 بنادیا۔ اس کے نتیجے میں مسلم معاشرہ میں انسانی حرام و آزادی کا جنازہ اٹھ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ
 تاریخِ اسلام کا یہ سب سے بڑا اور انتہائی عبرت ناک اور دور رس نتائج کا حامل المیہ تھا جس نے تحریکِ
 اصلاح کو غلط راستوں پر ڈال دیا اور اس کی روحِ حمۃِ لدیٰ یعنی کو سلب کر لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ سرہانی معاشرے میں لوگ آزادی و احترام انسانی کے مفہوم سے نا آشنا ہو جاتے
 ہیں۔ اور ان کے لیے اسلام کے معاشی نظام کی ہیئت کو اس کے صحیح تنظیر میں دیکھنا اور اس کے
 مفادِ جدیدہ کا درک کرنا اور ان کے حقیقی مفہوم کو سمجھنا انہیں دشوار ہو جاتا ہے۔ اس سے اس امر کی
 توجیہ ہو جاتی ہے کہ کیوں سیاسی رہنماؤں، مذہبی علماء و مشائخ و دانشوروں اور معاشی مفکرین وہ ہر مین
 کو اسلام کے معاشی نظام کی تعمیر نو کا سکہ لے کر تھلا رہے ہیں؟

اس سلسلے کے بعد بھی یہ سوں حال طلب رہتا ہے کہ آیا سرہانہ زدہ مسلم ملک میں اسلام کے معاشی
 نظام کی تعمیر ممکن ہے؟ اگر ہے تو کیسے؟ اس ہم سوال کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے
 اور قرآن حکیم کی رو سے اس کا مقصد زندگی کا اکل و احسن نظری و عملی نمونہ ہے، لہذا اس کا کلی یہ جزوی

طور سے نافذ عمل ہونا نہ صرف ممکن ہے، بلکہ فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔ مذکورہ اس کا قیام و
نفاذ اس اعتبار سے ناگزیر ہے کہ اس کے بغیر نہ صرف شرعی امن قائم ہو سکتا ہے ورنہ فرد معاشرہ اگر م
سے زندگی ہی گزار سکتے ہیں۔ اس بنا پر پورے وثوق سے یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ نظامِ اسلام میں حیاتِ
انسانی کے لیے موزوں ترین ہے اور اس میں دیگر تمام نظاموں پر ناقصانہ کی حد حیات ہے جس
طرح نامیاتی وجود ہر لمحہ صحت و شفا کا متعلق رہتا ہے، اسی طرح وجودِ معاشرہ کو بھی صحت و شفا کی
حسب دستور رہتی ہے اور اس کے نمونوں کا و مددِ راجعہ سلام کا نظام زندگی ہے جس کا جزو و مفرد و مفید
معاشی نظام ہے۔

اب اس سوال کی دوسری شے ملتی آتی ہے کہ یہ تقابلیت کا عمل ہو سکتا ہے یا نہیں
کا بتدانی جو اب ہمیں سرطانی زندگی و وجودِ انسانی میں مقابلیت ہے جس طرح بدن کا سرطانی مرض پھیل کر ر
ہو جاتا ہے تو اس کا علاج جراحی ہی کے ذریعے کیا جاتا ہے، اسی طرح وجودِ معاشرہ کے سرطانی مرض
آخری علاج پر دستِ مسمانی یا حسنِ اقتدار ہے۔ پھر جس طرح کسی پریدہ ملکیت کی تعمیر نو منظور
ہو تو پتے میں کی تیغ کنی رہتی ہوتی ہے، اسی طرح سلامی معاشرہ کی تعمیر نو کے لیے موجودہ نظامی
معاشرہ کے تیسے حصے کا زریعہ ہے اور اس کا بہترین ذریعہ حسنِ اقتدار ہے جس کا حسن و کمال نمونہ
اباؤہ حسنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ اقتدار ہے۔ ہمیں اقتدار کا یہ عمل انمول و
رکھنا چاہیے کہ اقتدارِ افریقی کی پیش کردہ رزوت اقتدار ہے نہ کہ یہ حقیقت ہے اور یقیناً
کہ یہ اصول اقتدار قرآن مجید سے ماخوذ ہے تو پھر بات اس میں سے باغیوں کے کٹنے اور منیت کشوں کے
دلوں میں رزوت حسنِ اقتدار کا حیا و ناگزیر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مرقہ کی بلقاات امت کا قرآن میں ہے
تو حسنِ اقتدار کی رزوت بھی نہیں سکتے، اس لیے کہ یہ ان کے لیے بدست و بددلی ہے، درحقیق
ان و دوست، ایش و عشرت، حاکمیت و بدست، قوت و سوت، درشان و سوت سے محروم کر دے۔
مرد و بیوی، تاریخ و شجرہ، جب بھی کسی ملک و قوم میں اقتدار کا نام آئے تو اس کے لیے وہ دستور و اصول
میں درحقیقت کش تلبقات تھے۔ یہ بات جس حد تک نہیں گزرتی چاہیے کہ حسنِ اقتدار کی طرح ہر

در نفس معشر کو گم جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں تہان سراف و تہذیب سود خوری و مرام ہادی
 نمود و نماش، استقصاء و انصافی اور ہوس و شکار ایسے مہلک امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ
 سرحدی اسرار میں کہ تھنوا ما تقدم، نیز ان کے عروج و شفا کی خاطر رب رحیم نے ہر یمن و مذکورۃ داران
 ہا عفو کے ساتھ عدل و حسان اور سعادت و غیرت کے احکام بھی صادر فرمائے ہیں۔ یہ بات ذہن نشین
 کر لینا چاہیے کہ ان درجہ قبیل کے دیگر حکام کی نیت قومی و دینی، قومی سطح پر فرد و فرد کی
 کی کائنات و خوشی کی چیزوں و حزن کے تلخ و مہانت سے ہیں۔ درحقیقت اس میں کی تحریک رحمتہ ربانی کا
 مقصود تقبلی ہے اور یہی بنا پر اس ترک پاک بانی و علمبردار طاعت محمدی علیہ السلام کو رستہ میں
 سے ہمتہ ربانی اور حجاب نفی علیہ السلام نے نیکو سبب شایانہ سے سرفراز فرمایا ہے۔ یہ نکتہ
 زہن نگر نیز و بصیرت فرورستہ اس نے آپ کی بشت کی فایت ہی رحمتہ ربانی بتائی ہے۔
 وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً بَعْلَاهِمْ لِيَرْجِعُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ فَاذْكُرُوا لَهُمْ يَوْمَ يَعْلَمُونَ
 کے لیے رحمت محض بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیت و وحی میں جہاں یہ مقرر ہو رہا ہے کہ آپ انجیل و مہم کی کئی کئی
 اور دیگر عالم (مثلاً حیوانی، نباتاتی، معدنی و حیوانی) کے لیے رحمت نہیں گئے وہیں جو رحمت
 تھا کہ آپ رحمتہ ربانی میں بننے کے لیے تحریک چلے گئے۔ چنانچہ آپ نے تحریک رحمتہ ربانی کا آغاز کیا اور
 اس عالم میں کیا کہ آپ رحمتہ ربانی سے دربردار ہو کر ساری زندگی اس تحریک کا مقصد ہی رہا ہے کہ
 معشر کی ہر ذل سے پاک و صافی کرنا۔ اس کے لیے اس کا استیصال کیا گیا کہ یہ تہذیب و تمدن کا
 ہو کر دشمن بن جاتا۔ تاریخی عمل تھا۔ چنانچہ وہ آپ کی ہاں اور تحریک رحمتہ ربانی میں کے دشمن بن گئے
 اور دونوں کا تہ کر کے درجہ ہو گئے۔ رحمتہ ربانی نام خدا و صبر و زہد تھے اور آپ کے سب
 کے لیے رحمت نکلیں و عہد تکلیف ہو سکتے تھے۔ لیکن آپ کی شریعت رحمتہ ربانی و نجات کا نتیجہ اور آپ
 کا علم و صبر و نجات ہی سکست تھا۔ ہر انسان روح و شوق سے ہے خوف و ہراس میں غریب کی غریب
 چیت ہے۔ یہ دیکھ کر ریت کرنا ہے۔ آپ کو یہ شاہد با نفاذ سنایا:

خَسَنَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا (الاسراء: ۷۴)۔ عتقِ رب ہم آپ کو اچھے مقام پر اپنی
 کو یہ مقام ستودہ میں کریں گے جو نیک عمل تحمید و تائید کی تائید و تائید سے بہت زیادہ ہوگا۔
 اس آیت درج ذیل الجہان و مہم میں ایک تو آپ کو زندہ رہنے کی دوسرے مقام محمود پر آپ
 کے لئے درمیانہ کے آپ کی تحریک حیرت انگیز عالمی کی کامیابی کی خوشخبری تھی تاریخ سے دیکھیں آپ کی مسیحی جمیڈ
 در کوشاں بت ہوئیں اور آپ ملک میں تحریک حسنِ انقلاب کے ذریعہ معاشرتی سرگرمیوں کا نتیجہ ہوئی کہ
 ہزار سالہ معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اس عظیم و بے مثال کامیابی کی درج ذیل علتیں سنیں
 ۱۔ میرٹ و ذرا ان میں دیں! وَ اِنَّكَ لَعَلٰی خَلْقٌ عَفِیُّوۡہٗ (عنک: ۱۷)۔ بدشہ آپ خلقِ عظیم

پر ہیں۔

خمسین میرٹ میں حسنِ خلق کی ہمہ گیر و عالمگیر و مہم کے کمال کے معنی منظم ہیں۔
 صدیوں سے مسلم قوم ایسے دورِ مہمیت میں زندگی بسر کرتی ہیں جن میں معاشرتی
 سرگرمیوں کی سیادت و مسطورت و رافندہ و حکومت کے سبب معاشی زندگی اپنی اصل قرآنی شکل میں
 قائم نہیں ہو۔ اور انھوں نے اس کے متناظر جدید کو پورا ہی کیا صدیوں سے تاریخ قرآن نے کبھی کسی
 مسئلہ ملک میں حکومت کو رہائی کی کفایت کا منتقم و انصرام کرتے نہیں دیکھا۔ اس کا نتیجہ ہے کہ مسلمان
 سرزمین کے معاشی نظام کی ہیئت و اس کے متناظر جلیاں سے اس قدر نا بد ہو چکے ہیں کہ گراں گویا
 صورت حال سے گناہ گری کی کوشش کی جائے تو وہ بدگماں جاتے ہیں ورتیبہ باب علی اور تائید باب علی
 کے فقروں میں یہ تصور رکھنے والے زریں مشائخ و علمائے سوادشام طرزی و رفوی بزمی سے مددنی
 مہمیتوں و زریں کے مددنی معاشی نظام کی حمایت اور بلحق کی زریں بین و ایادہ کو سبب کرنے میں
 اس طرح کامیاب ہوئے ہیں کہ ہر دماغ کو سبب ہوں، حالانکہ اس زریں ہیئت کو معاشرتی سرگرمیوں کے
 خلاف مہم با حق کرنے کی کبھی ہمت و توفیق ہونی سبب نہ ہوگی و حیرت ہے کہ زریں کے پیوستہ ہی
 ہیں نہ کہ ان کی طرف سے و باب علی کی صورت منظم ہوتی ہے۔

کی طرف سے اور اس میں کئی ست قوی و معقول تمام سببوں سے یہی مسئلہ میں اتفاق ہوا ہے۔
 ضرورت سے زندگی و دولت کو مدد کی راہ میں خرچ کرنے کے فیصلوں کی تمہیدیں جو ہر شخص ہوں گی۔
 اب دیکھنا ہے کہ کیا تو دولت کو خرچ کرنے کا اصول کیا ہے؟ یا غافل و بے پروا تو دولت کو خرچ کرنے
 کے لیے "نہایت" کی تعلیمیں و تحذیریں رکھا ہے؟ اس کا جواب اسلام کے مدد و حسان وراثت و
 مسدودت کے اصولوں و ریغیر غلط و اثراتی تدبیر و کردار کی سنت حسنہ کے منطبق ہے کہ "نہایت"
 و سبب ہر فرد میں شریعہ کا عام میں زندگی ہوگا اور ہر شخص کو اپنی نہایت زندگی کی تعلیمیں و تحذیریں
 وقت میں عام میں کو پیش کیا گیا ہوگا کہ تنہا نہایت کم ہو ورموزن و ناجاتی ہو یعنی ہر شخص
 کے لیے نہایت کے منطبق ہو جائیگی زبان میں اس کے لیے اصول مسدودت کی تعبیر اختیار کر
 سکتے ہیں جیسا کہ اتفاق ہوا ہے۔ اصول یہ ہوا کہ حسن نہایت سے زندگی و دولت اور غفلت کو اسد قادی
 کی راہ میں خیریت کرنی یا خیرا نہایت میں جمع کرنا فریق ہے۔

اسلام کے نزدیک دولت انسان کے پاس مدد کی کی امانت ہوتی ہے، مزد و دولت اور نہایت
 زندگی و تہذیب و تمدن و اصلاحی سرپرستی کے ذریعہ گردش و غیر متوازن و ناجور و نا
 کے اثرات کو ٹکڑے کرنے کی راہ دکھائی دیتی ہے کہ ہر نہایت نہیں دیتا۔ اس امر میں یہ
 محبت ہے کہ غفلت سے کہ مددش درت میں رکھنا ہر شخص نفس جہاں یہ کہ یہ ہی نہایت و ناگ و نا
 سبب ہیں۔ مددش خون میں رکھنا کہ فریبشک نفس کے لیے مہلک ہوتی ہے۔

یہ اس امر کی نشاندہی کر دیتے ہیں کہ مسئلے کو واضح طور سے سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے کہ
 قرآن مجید و احادیث و تفسیرات کی کتاب ہر مہم و سبب تو ہر نہایت نہایت
 نہایت کی مدد و سبب کی سیرت تہذیب کی علی تفسیر ہے۔ مسائل کی زبان میں قرآن مجید و سبب و سبب
 ہر نہایت تو یہ تہذیب و تمدن و سبب ہر نہایت ہر نہایت و سبب ہر نہایت ہر نہایت ہر نہایت
 یہ کی نہایت تہذیب کے سبب یہ تہذیب و تمدن و سبب ہر نہایت ہر نہایت ہر نہایت ہر نہایت
 یہ کہ ہر نہایت ہر نہایت ہر نہایت ہر نہایت ہر نہایت ہر نہایت ہر نہایت ہر نہایت

ای تو پک نے ان دو ایک گھر دینا روں کو بھی خبرت کر یا جو "مفتوح" ہے، یعنی ضرورت سے زائد ایک کی زبردستی
 مسئلہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہ گئے تھے، اس سبب کہ وہ آپ کی تیمارداری کی شغوفیت کے سبب
 اند کی راہ میں شریعت کرنا چھوڑ گئی تھیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ ضرورت سے زائد مال و دولت کو پیشانی
 پر جمع رکھنا، اکتانہ و غفلت ہے۔ جو ضرورت و راستہ فی سبیل اللہ شریعت کرنا بھی فرض ہے۔ درحقیقت ہمارے بھی
 تاریخ و رتبہ سیرت و حدیث شریف میں کہ سب سے علم بھر تہا فی سادہ زندگی ہمارے ان بھی سادہ
 زندگی و رہنمائی و جمع مال و روئے رکھیں، اس سبب کہ آپ کے ساری مومنات با عفو کے ساتھ فی سبیل اللہ
 کی خدمت میں آپ بھی صاحب حساب نہ ہوئے۔ اس سے متنبہ ہو کر آپ ہر چیز پر ہر مال کے لئے
 اکوہ مسخر کر کے باقی زندگی کے لئے وصال میں لے کر گئے۔ اس سبب کہ ہمیں ہر مال کے لئے درحقیقت
 کے مطابق ضرورت سے زائد مال و دولت پیشانی پر جمع کرنا ہی نہیں بلکہ یہاں اس قدرت کی ضرورت
 کر دینا ضروری ہے کہ چونکہ خالق با عفو کے حکم کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ اس ضرورت کے مطابق اس و
 دولت رکھنے کی ضرورت ہے۔ مال و حساب، حساب بھی ہو سکتے ہیں، چنانچہ بعض صحابہ کرام نے مال و حساب
 قریب سے رہا ہے۔ ان کو ذرا سے مال و عفو کے حکم پر بھی برابر عمل کرنا ضروری ہے۔ وہ مال ہی سے
 سربانی کر سکتے تھے، نہ سنت زائد کو ترک کر سکتے تھے۔ اور نہ انھوں نے بے یار و مددگار ہر مال و دولت
 کو حساب ہی میں شریعت کی تعمید و ترقی و رفیع و بیہودہ و قریب حد سے مال کو دیکھ کر ہر مال ہی
 ہر مال کے سبب مال و دولت کو خرچ کرنے کی ضرورت ہر مال ہی کو خرچ کرنے کے لئے ہر مال کو خرچ کرنے کے لئے
 حکومت کے قیام کے لئے ضرورت سے زائد مال و دولت، عفو، بکریاں، دولت میں ضرورت کے لئے
 کی ہر مال کے لئے حکومت کو سب کچھ دست دیا۔ اس طرح انھوں نے خالق با عفو کے حکم میں ہر
 سنت و عفو پر ہمیشہ عمل کیا، وہ نہ ترک قرآن و سنت ہو سکتے تھے نہ ہر مال میں ہر چیز پر ہر مال کے لئے
 مال اور وہ اس سے خوش تھے، نیز ہر چیز کو درجہ اولیٰ میں مسکنوں کا معاشی کام میں لے لیا
 یہ ایک مثالی کیفیت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مال و دولت کو ہر مال کے لئے
 اور مسکن ہر مال و دولت بھی لے لیا، یہی آپ سب کچھ مع شریعت کی تعمید و ترقی و رفیع و بیہودہ

معاشرتی سرگرمیوں کی تشہیر و تائید بالبال سے متاثر و مغرب ہو کر امت مسلمہ کی تائید و تہمت اس
 زعم و بات میں مبتلا ہے کہ زکوٰۃ کے حکم نے خفاق با عفو کے فرائض کو باطل کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ
 موافق کے ثبوت میں ان کے پاس کوئی نص قرآنی ہے نہ جنت شرعی، بلکہ نص قرآنی و سنت حسنة و روایت
 نہ صرف اس کے نظریہ کی تائید کرتی ہیں، بلکہ خفاق با عفو کی فرسیت پروری کی تائید میں۔ ہر دور میں
 کے تاریخی مدعاؤں کی تشہیر و تائید سے متاثر و مغرب ہو کر کثر غلط و غلطی اور آشوب و فساد میں غلط فہمی کے
 شعلے بھونکتے ہیں کہ ایسا سُن زکوٰۃ کے حکم سے ان کی با عفو کا فرائض اپنی و سنت حسنة و روایت و روایت
 میں درپیش سے غلط موقف کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ داخل بھی ہر دور میں غلط و غلطی
 جمع ہیں اتنی برائیاں و بددعاؤں کہ ہر دور میں قرآن و سنت کے تارک و رافضیوں کو کہتے تھے، حالانکہ یہ سب
 بعض سے پیدا ہو کر ہوئے ہیں۔ اس تجریت و غلط فہمی کے ذریعہ درست قرآنی و سنتی کلموں سے سے بھیج یا نہ
 محبوب و ناکارہ ہی بنایا۔ درہم میں کوشش میں کوئی رد و طعن ہی پیدا کی بر خلاف اس کے کلموں سے
 اس دروہار میں سامنے رکھی۔ اس صورت یہ کہ تو دولت کو گردن میں رکھ کر وہاں سے اس کے گردن
 دھرہ بیع کرتے رہے، یہی یہاں سے نہ کر کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ اور خفاق با عفو کے حکم کی
 ہر بار برائیاں پیر رہے اور حکومت کو حبیب بھی بناد اور ان امور کے لیے اس و دولت کی نہایت
 بڑائی، کلموں نے حکومت سے بھرپور تعاون کیا و خفاق و حق چنانچہ و دولت اس کے لئے کر رہا۔
 سب سے بڑے گریہ کر کلموں نے دولت قرآن و سنت حسنة کے مطابق ہمیشہ اعمال کی و دولت
 سے زندگی گزار لی اور یہاں معیار زندگی کو یہ بات رکھی۔

یہاں اس زبانی اہم نکتے کی سرحدت کی رہی باقی ہے کہ سلام میں کتنا زکوٰۃ کو کیا موقع ہے و
 اصل کے درست و درست کو محبوب و ناکارہ بنائے اس کی کوشش میں کدورت پیدا کرنے کے لئے
 کو جو دو تنگ کرنے کی ممانعت سے بددعا میں با برائیت سے زیادہ سے زیادہ دولت کو اس کے گردن
 پاندی نہیں بنائے۔ دولت کو ہر دور و صنعت کار کی وغیرہ کے ذریعے کوشش میں رکھ جائے اور
 اس سے قور و دولت در نوع انسانی بکر و دیگر مخلوقات کو بھی نہ کر پھینکی جائے۔ نیز منافع میں سے

معنی و محنت اور عدل و احسان کے قرآنی اصولوں کے مطابق یہ جاسے یہ درست ہے کہ جدید نوعیت کی ہر ایک کامی حرام ہے۔ اس لیے کہ اس کے خلاف مہم کی تاسیس سودا اور طلب و رسد کے غیر منصفانہ اصولوں پر کی جاتی ہے۔

اس بحث سے یہ اندیشہ اتنا سوال متنبط ہوا کہ اسد می ممکنات کے ہر شہری کو اپنی معاشرے
کے سامعین زندگی کا پاس و احترام کرن، و اس کے منالوق بسر وقت کو نہ رتباع سنت حسنه بھی ہے
در سدی اخوت و مساوات کا مستثنیٰ بھی، نل وہ نہیں اہل ایمان پر لکھ نہ تو اکتان و احکام و نہ اسراف و
تباہی پر کئے یہ ہیں، لہذا اپنی جو نراندہ ریات کے شیوہاں و متاع رکھنے کے بعد جو اس دوست باقی
رہے ہوئے، کسے نراندہ ہر وہ میں دخل کرنا، انفاق بالعضو کے کلمہ حق کی روستہ بدی ہے: اور ایسا
نہ کرنا، شرابی و گنہ گار بہت بہتر نیک ملک میں حکومت کی عرف سے رہا کے حسن کدالت کا مقبول
انتظام ہو۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

سید مکتبہ مدنی نے مکتبہ تہذیبیہ و تنویر میں ایک امتداد قومیت سے نفاذ اور غیر مدنی کی حکومت
 میں زندگی بسر کرنے والے مسلمانوں کی کثرت سے اس سلسلہ میں جتنی باتیں کر دی ہیں وہ سب سے
 درست جمع نہیں کی گئی ہیں، مستقبل معروضی ہو جائے گا، اپنا پنچہ وہ عموماً یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ کسی
 مسئلے کو مت دیکھنا، دیکھنا ہی یا سننا ہی کی صورت میں ہمارے دور ہمارے ہاں ہوں گا کیا بند لگاؤ؟
 اے سید صاحب یہ سب کچھ ایسی صورت میں مدنی حکومت کی کائناتِ مکتبہ کی ذمہ داریوں کی
 لیے کہ قوم کی حکومت، سید مکتبہ مدنی نے اپنی ذات اور مدنی حکومت کا فرض منجھی ہے۔
 اگرچہ مدنی حکومت میں یہ مکتبہ مدنی کی بہت کم کمائی ہوئی ہے، لیکن مکتبہ مدنی
 مکتبہ مدنی کے لیے ان کے قبیلہ کا رہا ہے سب کیسے بنی رہی ہو، مکتبہ مدنی کے لیے اپنی جائزہ دانی میں سے
 نہیں اندازہ کر سکتے ہیں، مکتبہ مدنی کی حکومت میں ہوتا ہے کہ انھیں یہ کرنا بھی پڑتا ہے، بشریکہ
 میں شہر کی حالت انھیں ایسا کرنے کی ہدایت دیں۔ بہتوں میں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ سید مکتبہ

میں اکثر نزاعیں جمع ہوں دوست درمیان منع ہوں حرم سے ہمدردی سے بچنا ضروری ہے۔
مدد دہریہ، سائل و محروم کے حقوق کی دینی بھی اسلام میں شریعت کے نزدیک فرض ہے۔
مختصر یہ کہ اسلامی معاشرے کو محولہ بار چار قیادیں خصوصیات ہیں سے ایک کد متعلقہ دینی
کا ماحول ہے۔ سب سے پہلی پاکستان سمیت جملہ مسلم ممالک میں فتنہ ہے۔ اس پرانی برکات میں
مردانوں نے شہید و باطل کے ذریعہ سادہ دل مسلمانوں کو یہ فریب دے رکھا ہے کہ سب کے ممالک
اور معاشرے اسلامی ہیں۔

الفاق یا عشق اور ترک و وراثت

سب سے حقیقت ہے کہ سادہ دلی سے ایمان و فاق یا عشق یعنی محبت سے سادہ دلی
دوست و دشمن کو اندکان کی رہ میں شریعت کے ایک حکم کے تحت رہنا ہے۔
اس کو مان و اس پر عمل کرنا مقتضی ہے کہ فرض ہے کہ مصلحت سے علیحدگی سے پرہیز
تک عمل کیا تو پھر میں ہر عمل نہ کرنا یہ اس کا شہرہ نہیں کرنا کہ وہ نہیں تو دریا ہے بہشت ہے
ملت ہر دلی ذات و مسکن کی ایک دلی وجہ ہے کہ محبت میں رہنا نہیں ہر دلی ذات و
انکار باتوں کی وجہ تحقیقی ہے کہ ہر صدیوں سے غیر قرآنی و سادہ دلی میں رہنے کی سادہ دلی
چلے رہے ہیں درہم رسد اس عذاب وراثت کے جو سادہ دلی سے وہ نہیں دور درمیت ہے۔
اس کا نتیجہ ہے کہ ایک تو ہمارے ذہن میں اس میں شریعت کے واضح اصول نہیں ہیں۔
آخر مصلحت سے علیحدگی سے نہیں دیں درجہ کی سادہ دلی نہیں فتنہ کے شہرہ کے قتل
ہمارے سادہ دلی کو، سب سے غیر سادہ دلی کہ ہر دلی شریعت میں رہنا ہے۔
بھائے میں کہ ہم سب سے شریعت کو حسب شراب کے دریت سادہ دلی نہیں درجہ میں کہ
قرآن نہ کرے ایمان و باطل کے ذریعہ نہیں سادہ دلی کے سادہ دلی میں دریت
قرآن نہ کرے ایمان و باطل کے ذریعہ میں ہم سب سے سادہ دلی نہیں سادہ دلی میں

اور وہ اندازِ بے غش و بے غبار کے فریادِ حق پر چل کر نئے پڑھو رہے ہیں اور اس کے نتیجے میں پشاور اور دہلی میں
شوکت، سیادت و حاکمیت، تفوق و مہر و مرتبت اور اقتدار و پیشواؤں کی حیثیت سے مہر و مرتبتیں ہیں۔

[illegible]

یہ نسل بل بیان کے بیشتر ہیں نظر مبنی چاہیے کہ صدقانی یہ مقدمہ اور یحییٰ بن خالد پر ہے
لہذا اس کے احکام بعد از وقت قتل ہو سکتے تھے نہ ہیں وراہ عقیدہ رکعت با سوچنا اس کا کوئی شک
قرب کر دیتا ہے۔ اور وہ کہیں ہر نسل پر رہا ہے کہ وہ بدور سے ہو سکتا ہے جیسے کہ میں نے قتل ہوں
اور قبلہ احکم اہی کو قولا و فعل تسلیم کریں یہ نہیں کہ بعض حکم کو یہ نہیں در بعض کہتا ہے بل باب اس
شرع میں سے قولا یا فعل انکار کریں۔ ہی طرح نبی کریم علیہ السلام کے معنی معنوں میں متبیین وہ

منفرد باد احکام الہی قرآنی و روایتِ طیبہ میں سودکاری کے تباہ کن نتائج و عواقب سے متنبہ کرتی و اللہ تعالیٰ کی سنت کی یاد دلاتی ہیں کہ جو قومیں احکام الہی کی خلاف ورزی کرتی اور سنتِ پیغمبرؐ کی منہ موڑتی ہیں، وہ ہرک و برہ دیا محکوم و غلام ہو جاتی ہیں و ان کی جگہ دوسری قوم لیتی ہیں جو ایمان و عمل میں ان سے بہتر اور صالح ہوتی ہیں۔ لہذا ہمیں اپنا تزکیہ نفس کرنا اور تاریخی سنت سے منفی نتائج و عواقب سے محفوظ رہنے کی خاطر حسنِ نقشب کے ذریعے معاشرتی مصلحتوں کو مد نظر ہستی سے مناننا ضروری ہے اس لیے کہ یہی دنیا میں سود خوری و سودکاری کے انہیز ہمارے دین و دین کی برہادی و دنیا و آخرت کی خرابی کے ذمہ دار ہیں۔

سود کی صورتیں

فریبیدہ اور حدیثِ جمید کی رو سے سود لفظاً حرام ہے، یعنی اس کی بہ صورتِ حرام ہے و اس کے کسی نام سے یا شکل میں لین حرام خوری و راندہ تہی کے خلاف باغی نہ فعل ہے۔ یہی وجہ سے معاشرتی زندگی کی سازش سے لافنس تصانیف، مثلاً فتویٰ غلیگہ میں سود کو شیعہ حیوان سے بانٹ دینے کے کوٹاؤں طریقے بتائے گئے ہیں جو ائمہ تعالیٰ و اس کے رسولؐ کی نافرمانی اور حرام خوری کی خوبش کی غارتگری کرتے ہیں۔ غرض وہ ہیں جن میں تسمیہ بابا عمل اور تاویل بابِ طل کے آزری فنون کے ذریعے سود کی مختلف شکلوں کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً کے طور سے کوئی سرمایہ دار کسی ضرورت مند سے منہ پر کراہت کاری کے لیے قرضہ رخی خریدنے کے لیے روپیہ سود پر قرض بیٹے کی بجائے سود خور قرضہ رخی خرید کر قرض کے سود پر پڑتا ہے اور وہ قرضہ شرح سود سے کئی گنا زیادہ سود دہانی کے ذمہ داریوں کرتا ہے، لیکن گزشتہ کے فتوے کی بنا پر اسے ضرورت کے نام سے سود پر ایک جوڑو حاصل سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح ایک سب روزگار یا حاجت مند شخص کو روپا کر کے کی خاطر اس میں مزید گزشتہ روپیہ قرضہ لگتا ہے۔ سرمایہ دار اپنے اصل و قرضہ کی وجہ سے اس کی حاجت سے ناپاؤزی مدد نہیں دیا سود لینا چاہتا ہے۔ لیکن سود خوری و حرام خوری کو اپنے نام میں اور

آزیت کے فتوے کی بنا پر جائز و حلال قرار دینے کی خاطر شرعی حیلے سے کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ حاجت مند شخص کو اس شرط پر قرض دیتا ہے کہ وہ نقصان میں نہیں نقصان میں اس کا شریک ہوگا۔ در نفع کی شرح حساب مروجہ شرح سود سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ آزیت اس فن تسمیہ بالباصل اور تاویل بالباصل کے ذریعہ ربا یا سود کی شکل کو مضاربت کے نام سے موسوم کر کے جائز و حلال قرار دیتی ہے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ سارے مومن بھائی بھائی ہیں: "مذا جس عورت ایک صالح شخص کے گھر میں سارے افراد ایک جیسی زندگی بسر کرتے اور ایک دوسرے کے دُکھ شُکریہ میں بڑا بڑا شریک ہوتے ہیں انہیں سب کا سود و زیاں مشترکہ ہوتا ہے۔ اور سب ایک دست و پاؤں پر کھانا کھاتے اور ایک چھت کے نیچے سوتے ہیں۔ اسی طرح صدیقی میں شرع کے سب افراد بھائی بھائی ہیں اور انہیں صالح بھائیوں کی طرح مل جل کر رہنا اور ایک دوسرے سے حسن سلوک کرنا چاہیے جس طرح ایک صالح بھائی اپنے بھائی کا نہ تو استحصاء کرتا اور نہ اس پر غلبہ روا ہی رکھتا ہے۔ بلکہ اس میں درگزر، اس کے دُکھوں کا ہوا اور اس کی حاجت روائی کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے، اسی طرح صدیقی میں شرع کے افراد کو اپنے بھائیوں سے سلوک کرنا چاہیے۔ اس اخوت و مدارت یا مودعات کا ایک عملی نمونہ ہم تاریخ کے آئینے میں عہد رسالت مآب میں دیکھتے ہیں۔ ہجرت کر کے مسکن مدینہ منورہ آئے تو بے سروسامان بھی تھے اور بے گھر بھی۔ لیکن انصار نے، مدینائی دور میں کے رسول کریمؐ کے ارشاد کی تعمیل میں انہیں اپنا بھائی بنایا۔ در غصہ اپنے گھر بار اور مال و دولت میں بڑا بڑا شریک بنا لیا۔ قرآن مجید کے اس اصول اخوت و مروت کو اس میں بنا کر پیغمبر اعظمؐ و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیقی مسکن کی در شاہیں ڈالتے کہ ہر شخص کی ذات تو ملی کامیابی کی ذات ہے۔ مگر یہ حسن و مہربانی کی ذات ہے۔ مگر یہ شرف و کبریا کا دور و دور ہو گیا۔ یہ تو رفتہ رفتہ صدیقی میں شریعت کی ہر سہولت و رعایت کی بجائے سختی کی یہ دونوں ذاتیں مل گئیں۔ ایک ہی ہیں اور ان کے بیچوں میں میں شرعی سہولتوں کی صورت میں منہ پر کی غلظت و رقبہ جس کی توجہ تیری

صورت سود ہے، جو غایت درجہ حرام ہے۔ چونکہ سود کاری کے بغیر سرمایہ داری و جاگیر داری قائم نہیں
 ہو سکتے ہیں نہ قائم ہی رہ سکتے ہیں، لہذا سرمایہ دار سود کھانے کے شرعی حیل و مہونڈنے لگے اور ازبیت نے اپنے سرپتون
 کو شیعہ حیل فراہم کر دیے۔ چنانچہ ازبیت نے تاویل بابا طل کے ذریعہ سود کی مختلف صورتیں استخراج کیں اور
 سمیہ بابا طل کے ذریعے انہیں مختلف ناموں سے موسوم کر دیا، مثلاً مزارعت، مضافت، کرایہ کاری،
 دستگیری (زائچہ لیکر)، درم و منہ نام و شہرت^{۱۵} وغیرہ وغیرہ تاویل بابا طل کے
 ذریعے انہیں جو اصول قرار دیئے دیئے، علاوہ بریں اس نے سود کو حلال بنانے کے متعدد طریقے ایجاد
 کر لیے جن کو دیکھ کر

ماثلہ سر بگرہاں ہے کہ کیا کہیے؟

ہر حال میں تین شرعی حیوں کو مثال کے طور پر نقل کرتے ہیں:

۱۔ فرض کیجئے ایک شخص کسی کو کچھ دھیرہ قرض دے کر اس پر کچھ زائد رقم لینا چاہتا ہے۔ چونکہ یہ
 زائد رقم سود ہوگی، جو شرعاً حرام ہوگی، لہذا اس حرام کو طیب بنائے اور اس جویم غلیظ سے بچنے کی
 تدبیر یہ ہے کہ قرض دینے والے قرض لینے والے کی کوئی چیز اس سے مثال کے طور پر دس روپے میں
 نقد خریدتے اور اسے قرض لینے والے کے پاس مدت معینہ کے لیے بارہ روپے میں دھار فروخت کرتے۔
 اس شرعی یا طیبی حیل سے زور و سپہ کی یہ زائد رقم حلال و طیب ہو جائے گی۔

۲۔ دوسری تدبیر یہ ہے کہ قرض دینے والے اپنی کوئی شے قرض لینے والے کے پاس ایک سو دس روپے
 میں بیچ دے۔ فرض لینے والے اس شے کو کسی در کے پاس ایک سو روپے میں نقد فروخت کر
 دے۔ یہ فرض دینے والے وہی چیز میں تیسرے شخص سے ایک سو روپے میں خریدے، اس حیل سے
 وہ چیز قرض لینے والے کو واپس ملے گی اور قرض لینے والے نے قرض لینے کے ذمے ایک سو دس روپے
 واجب الادا ہو گئے۔

۳۔ تیسری تدبیر یہ ہے کہ قرض لینے والے ایک چیز قرض لینے والے کے ہاتھ دو سو روپے میں
 نقد فروخت کر دے۔ پھر وہ چیز اس سے ایک سو روپے میں نقد خریدے، قرض لینے والے مدت

معیار کے بعد اس چیز کی قیمت کے طور پر اسے دوسروں کو ادا کر دے گا۔ اس طرح اسے سود پر
کی رقم زائد مل جائے گی جو حلال و طیب ہوگی۔

نجیث کو طیب، حرام کو حلال یا سود کو جائز بنانے کی یہ محمولہ یا تاثر بیس و بیس و قرین
بائلائل کی نیز شہزاد و شہانت دین کی عبرت ناک مثالیں ہیں۔ زکوٰۃ کو کئی سے جزوی اور رسمی
سے اختیار می بنانے کا ردینس ہو موجودہ حکومت پاکستان کا کام یہ ہے کہ اس قبیل کا شرعی حیر ہے۔

بلا سود معاشی نظام

ہمارا ایک ملی امیہ یہ ہے کہ ہم سینکڑوں برس سے خدانت یا سد می حکومت کے فروع و برکات
سے محروم ہیں درحکیت کے سودی۔ سرطانی نظام میں زندگی بسر کر رہے ہیں، ہمارا دوسرا قومی مہم
ہے کہ پاکستان بٹا اور ہمیں آزاد ہوئے سائنس میں شہر سے گزر چکے ہیں، لیکن ابھی تک مہم نہ بن
سودن۔ سرطانی نظام تبدیل نہیں کیا۔ اس کی نسل و میر یہ ہے کہ قدرتی در دیگر سرطانی طبقے سے تبدیل
کرنا چاہتے ہیں نہ کرنے ہی دیتے ہیں اور وہی حقیقت میں اسباب حل و عقد میں بہرہ بان ہمارا قومی
ملی مہم ہے کہ ہم جب معاشی نظام کو مٹا دینے کی باتیں کرتے ہیں اور ہرین منصوبہ بناتے ہیں تو
یہ اصل فرسوش کر دیتے ہیں کہ وہ غیر اسد می بلکہ سرطانی نظام معیشت میں سد می معاشی نظام کو مٹا دینا
راج کرے گا منصوبہ بن رہے ہیں جو اصل غند ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کاریگر مٹوری کے
ایک بے مثال مربع شہکار کو مستطیل چوکے کو بدلتے درمربع بنانے کے بجائے اس جو یہ روزگار
تصویر ہی کونا قس و نوزوں سمجھ کر رد کر دے۔ اس مثال سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ ہر سودی معاشی
نظام کا نہ کہ تیار کرنے سے پہلے ہمیں سد می نظام کا نہ کہ قرآن و سنت کے مطابق تیار کرنا اور اس میں
اسے احسن طریق سے چلانا ہوگا۔

ہمارا ایک قومی ملی مہم یہ بھی ہے کہ ہم سینکڑوں برس سے خدانت یا سد می حکومت کے فروع و
برکات سے محروم ہیں۔ سودی۔ سرطانی معاشی نظام میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہر ری غیر تکنی و غیر فوجی

کی انتہا یہ ہے کہ ہمیں آزاد پاکستان میں رہتے چار عشرے گزرنے کو ہیں، لیکن ابھی تک ہمارا معاشی نظام سودی، سرمایہ پرستی ہے۔ اول تو ہم سودی نظام کے اس قدر خوگر ہو چکے ہیں کہ اس میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے اور نہ اسے بدلنے کی سچی آرزو ہے رکھتے ہیں۔ دوسرے گزراہ دل مسلمانوں کو سرمایہ اور سبز باغ دکھانے کی خاطر ہمہ راست بدلنے کی ندری کوشش بھی کرتے ہیں تو وہ آسن و اکمل نہیں ہوتی، بلکہ اذھوری در بدلِ نخواستہ ہوتی ہے، اس لیے کامیابی نہیں ہوتی، اور ہونی بھی نہیں چاہیے، کیونکہ

ہوتی نہیں قبولِ دُعا ترکِ "عشق" کی

دل چاہتا نہ ہو تو دُعا میں اثر کہاں ؟

بائیں مسلم حکومتوں کے ایما پر ماہرینِ معاشیات کئی برسوں سے سود و معاشی نظام کا خاتمہ تیار کرنے میں مشغول ہیں۔ ان کے پیش نظر سود کی متبادل اس میں معوم کرنے کا مسئلہ ہے۔ ان کی رائے ہے کہ جب تک سود کی متبادل ساس دریافت نہیں ہوتی، سرمایہ معاشی نظام کا خاتمہ تیار نہیں ہو سکتا۔ لیکن ابھی تک وہ ایسی ساس دریافت نہیں کر سکے اور انہیں اپنی ناکامی کا اعتراف بھی ہے۔ اگرچہ ان کا یہ اعتراف ان کے اس شک کی نمائندگی کرتا ہے کہ "دورِ جدید" میں سلامی یا بلا سود معاشی نظام قائم ہونا ممکن نہیں ایک قباحت ہے ان کا یہ شک بجا بھی ہے۔ اس لیے کہ وہ دورِ جدید سے موجودہ سرمایہ پرستی سے روکتے ہیں۔ تاہم یہ جس نظام کی اساس ہے سود و سود، اس کے بغیر کیسے رہ سکتا ہے ؟ مسلیمیت کہ اس مسئلے کو حل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ ورنہ یہ ہے کہ پہلے قرآنِ حکیم کی ہدایت اور سورہ حسنہ کے منطبق سادہ کے مناسبت کا مکمل نقشہ تیار کیا جائے اور پھر اس کے نقوش یا اصولوں کے منطبق بلا سود معاشی نظام کا خاکہ تیار کیا جائے جو اس میں بلاشبہ اس طرح منطبق ہوگا جس طرح منقطع مشتری میں گیمینہ پڑا ہوتا ہے۔ پھر پھر بلا سود معاشی نظام کا خاکہ تیار کرنے سے پہلے اس کے حوالے سے تمام سادہ کے چند اہم اصولوں کی ایک بار پھر نشاندہی کر دی جاتی ہے:

نظامِ اسلام کے اصول

۱۔ خلافت یا اسلامی ریاست رعایا کی کنست کی ذمے دار ہوگی۔ بالفاظِ دیگر رعایا کی بنیادی ضروریات، مثلاً نان نفقہ، لباس، گھر، تعلیم و تربیت، صحت و صفائی، سیر و تفریح اور سب سے بڑے جہاں بازی کا اہتمام ریاست کی ذمے داری ہوگی۔

۲۔ نظامِ زکوٰۃ کے قیام و انصرام کی فٹ داری بھی ریاست کی ہوگی اور وہ نفاق یا بعض صدقات و خیرات اور احسان کے ادا و اکر اور اکتار و احتکار، جمع و لکارترا اسراف و تبذیر اور خلل و شگستگی کے نواہی کے ساتھ قائم ہوگا۔

۳۔ اسلامی معاشرے میں زمین، وسائل پیداوار اور مال و دولت کی ملکیت قانوناً رب العالی کی تسلیم کی جائے گی اور انسان مالک نہیں امین متصور ہوگا؛ اگرچہ اسے ضرورت کے مطابق دولت جمع اور خرچ کرنے، نیز زمین کی کاشت کرنے اور حسنِ زراعت کا اختیار ہوگا۔

۴۔ ہر والدِ فرد کے مال و دولت میں مفکوک الحال، حاجت مند اور محروم افراد کا حق یا حصہ قانوناً تسلیم کیا جائے گا اور انھیں قانوناً ادا کرنا ہوگا۔

۵۔ اسلامی نظام میں کوئی شخص جس ضرورت سے زائد مال و دولت جمع کرنے کا مجاز نہ ہوگا، البتہ قرآنی شرائط کے تحت فقہانِ سرہنہ کا رہن سگنا ہے، لیکن وہ اپنے سرمائے کا معاون نہ ہو قرآن کی تعریف میں سود ہے، لینے کا مجاز و حق در نہ ہوگا۔

۶۔ محنت کا بدلہ میں پیداوار یا منافع کی تقسیم عدل و احسان اور سعی و کسب کے قرآنی اصولوں کے مطابق کی جائے گی؛ لہذا محنت کاروں کی تقرری و معاوضے کی تعیین کے اصولِ شنب و سہ کی جو سرمایہ و رشتہ میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اس کے معاشرتی فائدہ میں استحصال و بہتر کی بنا پر قطعاً گنجائش نہ ہوگی۔ اس کی جگہ حقہ داری کی بنیاد پر محنت کشوں کی تقرری و اصولِ عدل و احسان کے مطابق حصہ داری ہوگی۔

۷۔ عدل بر امتیاز سب کو مفت، آسان اور بلا تاخیر تعمیر ہوگا۔

۸۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝ (البدر: ۹۰) کے مطابق ہر شخص معنتی ہوگا اور اپنی بہت و قابلیت کے مطابق سکی پیداوار میں بلا واسطہ یا بواسطہ حق لینا اس پر لازم بھی ہوگا۔

۹۔ محنت، عیش، عزت و فتنہ، ہوگی اور ماں و دولت، قوت و اقتدار، منصب و نسب کے بجائے عزت و کمزور کا معیار قوی ہوگا۔

۱۰۔ غلام، غلامی، حکمت و رعب کا یکساں ہر مسلمان مرد اور عورت پر لازم ہوگا۔ ہنر سے سائنسی تحقیق و ٹیکنالوجی مراد ہے۔

۱۱۔ معاشرہ سرن فی طبقتوں یعنی فرعون، باہانی، قدرتی و آزادی سرنوں سے پاک و مناف ہوگا۔ غلامی و بردہ فروشی اور کنیز داری ممنوع ہوگی۔

۱۲۔ تاج باطل کی تجارت نہ ہوگی اور مہر کی ادائیگی ضروری ہوگی۔

۱۳۔ انوثت و مساوت و حریت و سادگی اسلامی معاشرے کی تیاری و نمایاں خصوصیات ہوں گی۔

۱۴۔ شرک و بت پرستی، مشائخ پرستی، مزار پرستی، اکابر پرستی، شبیہ پرستی وغیرہ دنیویہ کی بہر صورت قانوناً ممنوع ہوگی۔

۱۵۔ حکومت کی سرپرستی میں ملک میں تشہیر باحق کا حق قائم ہوگا جسے فرد کا قدر حاصل ہوگا۔ ۱۶۔ تمام تقسیم میں قرآن مجید کو محور کی حیثیت حاصل ہوگی اور اس کے حوالے سے حساب تیار کیے جائیں گے۔

۱۷۔ حکومت رعایا کے جان و مال، عزت و آبرو اور غنائد جلیہ و محترمہ کی محافظ ہوگی۔

۱۸۔ عورت کو قرآن مجید کے مطابق ذاتی حقوق بشمول حسن آزادی حاصل ہوں گے۔

۱۹۔ مغربی سرمایہ معاشرے کا ہر فرد آزاد و مکرم، محنت کا روحان کش اور پیدا داری و تخلیقی عمل

اور معاشرے کی تعمیر و ترقی میں عمدہ حصہ لینے والا باشندہ اور ذمے دار شہری ہوگا۔

بے سود سرمایہ کاری

ایسے صالح معاشرے میں جہاں احکامِ ربانی کے مطابق مکمل تقسیمِ زکوٰۃ قائم ہو اور نفاق، غفلت، عدل و احسان اور خیرات و صدقات کرنا قومی زندگی کا شعار ہو اور جہاں کتنا زراعت، تجارت، صنعت و کسب و کار اسراف و تبذیر کی شرعاً ممانعت ہو، نیز جہاں کثرتِ کاشتکاران اور سادگی و محنت و جذبہ شرف ہو، وہاں لوگ ضرورت سے زائد مال و دولت رکھنے کے، اسی صورت میں مجبور ہوں گے کہ اس سے بے ارادہ قومی پیداوار میں اضافے کی خاطر کوئی نیا کاروبار کرنے، نیا کارخانہ لگانے یا کوئی تعمیراتی یا فلاحی کام کرنے کا ہو۔ "الغرض" یہ ضرورت سے زائد مال میں مسکین، محروم اور بے حقیقت افراد کا بھی حصہ ہوتا ہے، جسے وہ، بھول عدل و احسان کے مطابق دیں گے۔ اس کے معاشرتی زندگی پر حیرت و دور رس اثرات مرتب ہوں گے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ افراد قوم میں رزق سے حسن و حیات زندہ و فعال ہوگی و ردہ قومی پیداوار و دولت کی انفرانش اور تعمیری و فلاحی کاموں میں ذوق و شوق سے حصہ لینے لگیں گے۔ علاوہ، یہی، مالدار لوگ اہل احتیاج کو بے سود قرض دینے میں کوئی رک محسوس نہیں کریں گے، بلکہ اپنے مال و رب العالمین کی خوشنودی و رقوم و ان نیت کے بہترین مفاد کی خاطر انھیں قرض دینے کو اپنے لیے خیر و برکت اور دنیوی و آخروی حسنہ کا موجب خیال کریں گے۔ اس کے نتیجے میں ایک تو لوگوں کو صنعت کاری، کاشتکاری اور کاروبار کرنے یا باغات وغیرہ قومی دولت کی پیداوار کی انفرانش میں عمدہ حصہ لینے کے مواقع پیش آئیں گے، جس سے ایک طرف قومی پیداوار و دولت میں تدریجی اضافے کا اور دوسری جانب بیکاری و فساد و ظلم و استحصاں کے تدریجی استیصال کا آغاز ہو جائے گا۔ عرصہ برس ایک میں گردشِ دولت تیز و تیز و اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے گا۔ اور تعمیر و ترقی کے منصوبوں کے لیے فنڈز سرے کی فراہمی تدریجاً کمات ہوئی جائے گی۔ اس کے نتیجے میں حکومت کو قوم سے سود پر قرض لینے اور

سودی قرضے جاری کرنے کی احتیاج نہیں رہے گی۔

بلا سود بینکاری

ایسے صاحب معاشرے میں بینکاری سرکاری ہو یا نجی، اس کا محرک جبکہ منفعت نہیں، حسن منفعت ہوگا۔ نتیجہ یہ ہے کہ نجی بینکاری میں جبکہ منفعت کی صورت میں، عفو یا ضرورت سے زائد منافع نذر نہ کرے کو لوٹان ہوگا، اس لیے کہ یہ امر اہی ہے۔ یہاں ایک معرکہ الراء سوال پیدا ہوتا ہے کہ بینک اپنے مصارف و خرچہ پورا کرنے اور منفعت ضروریہ حاصل کرنے کے لیے سود کاری نہ کرے تو کیا کرے؟ اس کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ بینک اپنے کھاتے داروں سے ان کے مال و دولت کی خدمت میں اگتے واکے جہد و خراش یا مصارف ضروریہ و مستحقہ محنت داروں کا معاوضہ وصول کرے اور احسان کے مطابق وصول کرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بینک اپنے مصارف و خرچہ و ضروریہ اخراجات و منہ و منہ سے وصول کرے گا جو و جہی ہو۔ یہی شرح حساب کی تعیین و حساب میں ثابت و ریاضوں کے لیے مشکل نہیں۔

کیا بینک کے مصارف ضروریہ کا معاوضہ اور مختانہ سود نہیں؟

یہاں سودی بینکاری کے نفی میں کی بنیاد یہ ہے کہ بینک گزر سکتا ہے کہ میں یا تو نہیں کہ بینک اپنے مصارف و خرچہ و ضروریہ کا جو معاوضہ و حقی خدمت وصول کرے گا، وہ سود ہو یا اس پر سود کا حقیقی ہو سکتا ہو یا نہ ہو، بے شک نہیں؛ لیکن یہ کہ قرآن حکیم کے مفہوم اور اس کے قانون عدل و احسان اور اصلاح و خدمت و حق کی رو سے مصارف و خرچہ و ضروریہ کا معاوضہ و خدمت گزرنے کا حق یا محنت نہ ہونا سود نہیں اور نہ کسی عنوان میں پر سود کا طریق ہی ہو سکتا ہے۔ بینک اپنے کھاتے داروں کو ان کی ترجیح کردہ رقم پر رقم پر قرض نہیں دیتا کہ اس پر سود کا طریق ہو سکتا ہو بلکہ وہ تو ان سے مصارف و خدمت گزرنے و حقی خدمت و اصلاح و احسان کے مطابق وصول کرتا

ہے۔ یہ بھی کسی عنوان سود نہیں۔ اسی طرح وہ اپنے قرض داروں سے ان کی خدمت گزری کے دوران اٹھنے والے مصارف ضروریہ اور حق خدمت یا ممتاز وصول کرتا ہے۔ قرضے کی رقم کا قسط کوئی معاوضہ نہیں دیتا، لہذا یہ بھی سود نہیں اور نہ اس پر سود کا اطلاق ہی ہو سکتا ہے۔ ہمیں یہ عمل نہیں بخونی ہے کہ سود کا اطلاق قرض کی رقم کے مدد و منے یا اصل زر سے زائد رقم پر ہوتا ہے۔ چاہے اصل زر یہ ہی کی صورت میں ہو یا سرمایہ منعمد کی۔ چونکہ ہمارے مجوزہ اصول بینکاری میں سرمائے کا معاوضہ نہیں دیا جاتا، لہذا اس پر سود کے اطلاق کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ ہمارے سب سود بینکاری کے عنوان معنت و حسن سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہ بینکاری کا ہنر اصول ہے، جس کا اطلاق اس کے ہر شعبے پر کیا جاسکتا ہے۔

ہنڈی اور درشتی ہنڈی کے معاوضے کا مسئلہ

درآمدات و برآمدات، نیز اندرونی کاروبار میں بینک کی ہنڈی (Cheque) اور درشتی ہنڈی (Promissory Note) کے ذریعے ترسیل و وصولی زر کا مسئلہ از بس اہمیت رکھتا ہے۔ بینک اس سلسلے میں ایسا اہم کردار ادا کرتا ہے کہ اس کے بغیر اندرونی و بیرونی منڈیوں میں کاروبار کرنا، اگرچہ ممکن نہیں تو از بس دشوار ضرور ہے۔ بہرحال سودکاری کے بغیر بینکاری کرنے میں بینک کاروبار دہی ہوگا، جو دیگر امور بینکاری میں ہوگا، اور جس کی عرف و پر اش راہ کیا جائیگا ہے۔ ہنڈی و درشتی ہنڈی کے ذریعے ترسیل و تحویل زر کے سلسلے میں اٹھنے والے مصارف ضروریہ کا معاوضہ اگر کارکن بینک کا مختار بینک بطریق تناسب اور با اصولِ عدل و حسان مُرسل و مَرسل یہ دونوں سے وصول کرے گا۔

اب ”طریق تناسب“ کی صرحت کر دی جاتی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بینک کے مجموعی اخراجات کو بینک کے گاہکوں پر ان کے کاروبار و درمیں دین کی کیفیت و نسبت کے مطابق تقسیم کرنے کی شرح حساب، جو مصارف ضروریہ اور بینکاروں کے ممتازات کی کل رقم کی وصولی کے سبب نتیجہ کی بنیے گی، اس شرح حساب کی تعیین سند یافتہ محاسبین بینکاروں و ریاضی دانوں کے لیے آسان و مہیوہ کے ذریعے تو سہل محض ہے۔

بلا سود بیرونی تجارت کا مسئلہ

موجودہ بینکاری نظام میں بلا سود بیرونی تجارت کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا: البتہ اگر مسلم ملک میں معاشی نظام اسلام قائم ہو جائے اور وہ اپنا کام قرآنی اصولوں کے مطابق کرنا شروع کر دے تو بلا سود بیرونی تجارت کے موجودہ لاینحل مسئلے کو حل کرنے میں چنداں دشواری پیش نہیں آئے گی مثال کے طور پر موجودہ نظام بینکاری میں اگر کوئی شخص بیرونی ملک، مثلاً انگلستان سے کوئی سامان منگوانا چاہے تو اسے پہلے بیرونی تاجر کے حق میں اپنے کسی ملکی بینک میں قیمتوں کے برابر ہنڈی جمع کرنا ہوگی اور اس کی شرح بیرونی تاجر کو بینک کے تصدیق نامے اور ضمانت نامے کے ساتھ دینا ہوگی۔ مدت دینے کے لئے پرتا جرمطلوبہ نامہ بھری یا بیرونی جہاز وغیرہ کے ذریعے ایمان کے ساتھ دست دینے سے ترسیل (ISI) اور مطلوبہ رقم کے طلب نامے (L/C) بننے تک کے کسی بینک میں جمع کرنا اس سے مطلوبہ رقم عند الطلب وصول کرے گا؛ لیکن یہ ہر سہولت کے بینک کو پاکستانی بینک سے مطلوبہ رقم وصول کرنے میں کچھ مدت لگے گی، لہذا وہ بینک پاکستانی بینک سے مطلوبہ رقم کے علاوہ اس پر درمیانی مدت کا سود بھی وصول کرے گا۔ یہ سود درآمد کنندہ بینک اس کی طرف سے دے گا، لہذا اس سے وصول کرے گا۔

چونکہ بیرونی ممالک کے ترسیل و تحصیل و زر لانگنا اپنے قومی بینکوں کے ذریعے کرتے ہیں، جو سود کے بنیہ بینکاری کر رہی نہیں سکتے، لہذا اسلامی ممالک کو لازماً درآمدی تجارت میں بالخصوص سود دینا ہوگا۔ اب سوچ پیدا ہوا کہ اس سود کی لعنت سے نجات پانے کی کون سی سہیل ہو سکتی ہے؟ اس کی ایک ممکنہ سہیل یا قابل عمل طریقہ کاری یہ ہے کہ اسلامی ممالک اپنا ایک بلا سود بینکاری کرنے والے مرکزی بینک قائم کریں، جو اسلامی ممالک کی بیرونی تجارت کے امور سرانجام دے، اور مقامی بینکوں کو فروری طور سے عند الطلب مطلوبہ رقم ادا کر دے، اور سود کی لعنت سے اسلامی ممالک کو بچائے۔ اسلامی ممالک درآمدی تجارت بھی اسی مرکزی اسلامی بینک سے کریں گے اور سود سے

پہنچ جائیں گے۔ اس بینک کے وظائف و فرائض وغیرہ کا تعین و دیگر امور کے مسئلہ کو حل کرنے میں بینکاری اور مالیت کے مختصہیں اور ماہرین کو دشواری پیش نہیں آئے گی۔

یہاں اس نکتے کی صراحت کر دی جاتی ہے کہ اس قومی بینک کے اخراجات کو پورا کرنے اور حسنِ منفعت کا بندوبست کرنے کا طریقہ وہی ہوگا جو قومی بینکوں کے ساتھ رو رکھا جائے گا، یعنی

”بے سود بینکاری کا اصول محنت و احسان“

بیرونی و اندرونی قرضوں کا مسئلہ

اگر ہم بیرونی و اندرونی قرضوں کے مسئلے کا ژرف نگاہی سے جائزہ لیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ مسئلہ غیر سودی نظامِ حیات اور ماہوکارانہ معاشی نظام کا پیدا کردہ ہے۔ اس مسئلہ کو زندگی میں ایک طرف سادگی و قناعت، سعی و جہد اور محنت و مشقت قوم کا شعار زندگی ہوگا اور دوسری جانب سرطانی طبقتوں اور اُن کی تعیش پرستی و تن آسانی کا فقدان ہوگا۔ اس کے نتیجے میں تہیّات و تزیّات اور غیر ضروری شیاؤں کی درآمد کی قوم کو حاجت ہوگی نہ دماغ، ورنہ یہی مصنوعیات قوم کے حقوق کے لیے تیار ہی کی جائیں گی، البتہ غیر سودی ممالک میں درآمد کرنے کے لیے انھیں تیار کرنے کی اجازت ہوگی۔ چنانچہ اسذمی ریاست کو صنعتی اور کاروباری منصوبہ بندی اصول سادگی و ضرورت کے مطابق کرنا ہوگی۔

سود اور سرطانی طبقتوں کے رستہٴ مال سے ملک میں دولت محبوب ہوگی نہ محبوب نہ کارہ (۱۰۰)۔ ورنہ اس کی گردش غیر متوازن ہی کی، لہذا زرعی و صنعتی منصوبوں کی تعمیر کے لیے سرمائے کے حصول میں بیناں وقت پیش نہیں آئے گی۔ اس کے نتیجے میں قوم کو اندرونی اور بیرونی سود خور سرمایہ کاروں سے قرضہ لینے کی اُقل ترجاحت نہ ہوگی، ورنہ اگر بھی قرضت کم، ورنہ قرضہ دولت مند آدمی ملک سے بے سود یا جاسکے گا، اس کے لیے سودی ممالک کے مرکزی بینک کو فوری طور سے قائم کرنا ہوگا، اور یہ بینک اپنے مصارف و ضروریہ و محنت کا مدد و

فریقین سے قرآن حکیم کے اصولِ عدل و احسان کے مطابق وصول کرے گا۔ یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بین الاقوامی اسلامی بینک کے سرملے اور فنانس (Finance) کی نوعیت وہی ہوگی جو قومی بینکوں کی ہوگی۔ سرمایہ قومی بینکوں میں ہو یا بین الاقوامی اسلام بینک میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت متصور ہوگا اور متعلقہ افراد و قوم کی امانت ہوگا، اور اس سے استفادہ کرنے کا کل مسموم اقوام کو حق حاصل ہوگا۔

یہاں اس نکتے کی بھی نہ رحمت کر دی جاتی ہے کہ ریاست ریاست سے سود یا سود کاروں کی اصطلاح میں "فٹ" پر قرضہ لیتے اور سودی قرضے جاری کرتے، نیز سود پر قرض دینے کی مجاز ہوگی۔ الغرض سود کی ممانعت کلی، انفاق، عفو کے بشمول تمام زکوٰۃ اور اسلامی معاشرے کے قیام کے فیوض و برکات سے قومی و ملی سرمایے میں روز افزوں اضافہ ہوگا اور ریاست بہت جلد اپنے وسائل کے اندر رہ کر قیود کے تعبیر و ترقی کے منصوبوں کی تکمیل کرنے کے قابل ہو جائے گی۔ درمیان غرض میں قیود کو پسہ پیغمبر ﷺ و شریعتی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے مطابق ممبر و اتق مت، حکم و ہر و باری، اثروت و مروت پر ریشہ و قرینائی کا منہ ہوا کرنا ہوگا نیز حق و صبر کی تشبیہ و ترس زور اور پورے وسائل کے ساتھ مسلسل کیت رہنا ہوگی۔

مزارعت بالاحتصال اور مزارعت بالاحسان

مزارعت کے معنی یہ ہے کہ رائے کے عمل کا عمل۔ اصول یہ ہے کہ مزارعت بالاحتصال یہ ہے جس میں زمین پر زراعت یا زراعت بانہ حسان حسن عمل ہے، لہذا مستحسن و جائز ہے۔ بس اس عمل کے حصول کی توجیہ کر دی جاتی ہے:

ہم معلوم کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کی رو سے زمین، اور اس میں جمیع نعمتوں کے خزانے اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں جس نے انہیں کل بنی نوشتان کے لیے زمین میں بالقوة و ولایت کر رکھے ہیں۔ ان سے متمتع ہونے کے لیے انہیں اپنی محنت و مشقت اور سعی و جہد سے قوت سے فعل میں نہیں لے سکتے۔ ان چیزیں قابلِ غور ہیں۔ اور انہی اور اس کی پیداوار کا، کس قدر اللہ تعالیٰ

ہے، کوئی قوم، جماعت یا فرد میں سب تباہیاء، رب کریم کی نعمتیں کل بنی نوع انسان کے حصہ میں تفتیہ کے لیے ہیں۔ شاخ، انسان کو محنت و مشقت کے لیے پیدا کرنے والا ہلکا-9:40 کہ مصعب یہ ہے کہ انسان کا کام محنت و مشقت اور سعی و جہد سے ان نعمتوں سے تمتع کرنا ہے۔ منتظر یہ کہ تمتع بہر سبب قرآن حکیم کا اصل اصول ہوا اس سے مندرجہ ذیل نتائج مستند ہوتے ہیں:

اول: انسانی شہ آفرینی کی اہانت مستند و اسبے اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان زمین کا زمین متنفید ہے، اور اس سے اپنی محنت و مشقت اور سعی و جہد سے پیداوار حاصل کرے اور اس سے مستفید یا تمتع کرنے کا مجاز ہے۔

دوم: زمین متنفید اس رشتی کو اپنے قبضہ و تصرف میں نہیں رکھ سکتا، جب وہ کاشت نہیں کرتا یا کر نہیں سکتا یا غنہ و دیگر وہ مزیدہ از رشتی کو کاشت نہ کر کے اسے بیکاروں حاصل بنائے گا جو زمین سے اسے مال و دولت کو محبوب و مہول و ناگوار بنائے گی، عزت نہیں۔

سوم: کیفیت بنی و سعی و کتب کے قوانین کی روستے میں متنفید انسانی رشتی یہ اہانت متان و کو مضارعت بار ستھ سال کے روائی کے متعلق بنائی، ٹھیکے وغیرہ بر زمین کا مجاز نہیں، اس لیے یہ ظلم و سود خوری ہے۔ ہذا

چارم: اسے غیر مزدور و غنی یا فانی اتوار رشتی کو بہرہ العفو ہے، حکومت کے حوالے کر زمین می ہے، اس سے پیداوار حاصل کرنے کے لیے اسے حاجت مند کاشتکاروں میں تقسیم کر دے۔

پنجم: اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا تو حکومت افراد منسلک انسانی کے مندرجہ ذیل فائز میں مزیدہ رشتی کو زمین متنفید سے جبراً جہین کر ضرورت مند کاشتکاروں کو دینے کی مجاز ہے۔

مزارعت بالاحسان

غور سے دیکھیں تو مزارعت بالاحسان سود خوری کی ایک شکل ہے، اس لیے مندرجہ ذیل ترصبات میں بخلاف اس کے "مزارعت بالاحسان" کی شخصیت ہے۔ مزارعت بالاحسان سے

مرد یہ ہے کہ یہ مستفیدانہ منت مستفد در فنی کو کلی طور سے زیر کاشت رہا اور اس سے ہر چیز
پیدا کرنے کی فنی ہر فرد معاشرہ کی خدمات حاصل کرنے کا مجرب ذریعہ، جو پیداوار میں ہر فرد
کے لئے درجہ اول کے باغیچہ دیکر، پیداوار کی تقسیم میں مستفید سمیت کل رفتائے کار میں عدل و
حسن و رسانی و کتاب کے قرآنی اصولوں کے مطابق ہوگی، مطلب درسد کے مروجہ غیر منصفانہ
مردمانی اصولوں کے مطابق نہیں ہوگی۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

حیثیت مزارعت کے سلسلے میں ہونا یا نہ ہونا کیا جاتا ہے؟ مزارعت کے بغیر نوجوانوں کا
ہریت چل سکتا، رات کی روزی کا بند و بست کیا ہو سکتا ہے جو کسی وجہ سے خود کا منتہی نہیں رہ
سکتا؟ قریش کی یہ ایک سہارا خوردہ بیوہ عورت کو ترکے میں ایک قطعہ فنی مزارعت جو
اس کی کفالت و ذریعہ بن سکتا ہے۔ گروہ سے بنائی، پٹے یا ٹھیک پر نہیں دیتی تو اس کی کفالت کس
عمر بن ہوگی اور اس کی ضروری کام دیکر ہوگا؟ یہ سوں و متر من اس حقیقت کی چٹیل کا تسبہ کہ
موتہن کے ذہن میں اس فنی معاشرہ میں بہرہ موجودہ قانونی سرکاری معاشرہ ہے جس کے حوالے
تہ سوں و متر من تو واقعی برپا نہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن سدھی معاشرے کے حوالے
تہ یہ سوں و متر من کی سدھی حکومت کے احوال کفالت ریاست بے خبری پر دلالت کرتا ہے۔
بہن بر اصل نہیں سمجھتی چاہیے کہ کفالت ریاست سدھی حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے، لہذا اگر
بہن ہمارے سب روزانہ سیر و جوں اور مزدور و محتاج مرد و زن اور یتیموں کی روزی و روزگار پاس و
پاشی مروجہ معاشرے اور یہ و شریک، نیز علمی و تحقیقی، ادبی و فنی و ہنری و تکنیکی قسم کے تجارب و
منزلت و ذمہ داری کر کے کی سدھی حکومت شرعی مختلف و پابند اور ذمہ داری ہوتی ہے۔ کفالت ریاست
بہن ہر فرد فنی و فنی میں ملتا ہے۔ عروہ بریں ہمیں اشتراک ملک کے معاشی نظام اور
اس کے شہر و کفالت قانونی سے بالخصوص بہت ہی یکساں باتیں کیج سکتے ہیں کہ تجربات سے مستفید

ہی نہیں۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جو سرمایہ کار حسبِ منفعت ذلک کے شرکے کی خاطر بطریقِ صعب و رسد
 پر زور دے گا وہ اس میں شریک کرتا ہے۔ اور یہ نہایت ضروری ہے کہ اس کے لیے ہم نے مفادِ بہت
 پرستیوں کی تعبیر رقم کر رکھی ہے۔ بخلاف اس کے شرکتِ عمل یا شرکتِ کار بطریقِ عمل و احسان ہوتو وہ
 اس پر زور دیتی ہے۔ اور اسے ہم نے مفادِ بہت پر احسان سے تعبیر کیا ہے۔

کرایہ کاری و دستارگیری

جو کام میں تو کرائے میں سود کی صورت میں رہتا ہے، جو انسان کی معاشی زندگی کے لیے
 بہت اہم ہے، جس طرح مشاغل کے طور پر ذرا سے میں جو بہت ہی توانائی کی صورت میں دنیا کے لیے
 اہم ہے، یہ سب کاموں میں امریکہ و دیگر کرایہ ہمارے معاشی زندگی کا جزو لازم و ملزوم ہے۔
 اور یہ سب سود ہی سے ہی شغلِ کار کی سامنے ہوتا ہے، اور اسے یہاں ان کے ذمے دار ہوتا
 ہے۔ نہ تو اس میں شریک ہیں، یہ کم سے کم غور کرنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سود کے نام زندگی میں
 سود کے لیے قرض کوئی پیمائش نہیں، وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک طرف کم از کم حشر اور جمع مال و
 مال کی منتقلی سے منفعت کر دی گئی ہے، اور دوسری جانب اخلاق، صدقات و خیرات اور
 سب کے لیے اس پر اس قدر زور دیا گیا ہے کہ کوئی شخص ضرورت سے زائد اس و دوست رکھنے کا مجاز ہی
 نہیں رہا، سبب اس کے اس کا مقوی زائد ضرورت میں دیا ہوگا ہی نہیں تو وہ سود کاری
 کیسے کرے گا؟ اس سے مستبعد ہو کہ سود کاری، جو قدرتی طلب کی ایک صورت ہے، اس میں معاشی زندگی میں
 نہیں، بلکہ غیر سودی معاشرے یا معاشی زندگی میں ہو سکتی ہے، بلکہ سود کاری کی جگہ پر معاشرے
 بشمول کرایہ کاری و دستارگیری، جس میں پائی جائے گی وہ نہ صرف سودی معاشرہ ہوگا۔

بہت سے کرایہ کاری بھی سود کاری ہی کی ایک شکل ہے، فرق یہ ہے کہ سود زریعہ پر اور کرایہ
 زریعہ پر ایسا ہے۔ زریعہ کے استعمال کے عوض جو زائد رقم مقروض سے لی جاتی ہے، اسے بلو

سود یا بیاج سے موسوم کیا جاتا ہے، جب کہ زرِ منجدر کے استعمل کے عوض جو رقم مقرض و منس یا کرایہ درست لی جاتی ہے، اسے کرایہ کہتے ہیں۔ سود کی تاریخ بتاتی ہے کہ یہ اسی یودی دوس کی اسائیت سوزا یا بد ہے، جس نے صدیوں بعد کس کس کی صورت میں سود تو سود سرسٹے کو بھی اسائیت کہہ یہ ستمناقل ثابت کر کے اس کے خلاف اس زور سے دنیا نہ مروا گیا کہ رسوم و تقویر محنت کش معیروں کے خلاف غفلت سے بیدار ہوئے درختوں نے اس کی بُت شکن قوت سے قیصر و افروز اور پاس و قوت و ان کے ساتھ زر کا بت بھی پاشل پاس کر دیا۔

نہ ان کے غلام و جہل کی کرشمہ بازی دیکھیں کہ سود نے سودا بجا دیا، حالِ مہمان کے دین میں سود اٹل حرم ہے، چنانچہ انھوں نے سود خوری و سود دہری کا یہ شرعی حیلہ نکالا کہ زر سب کو منجدر کے میں سود دین شروع کر دیا، لیکن تسبیہ بالباہل و تاویل بالباہل کے ذریعے اس سود کو کرایہ کہنا مست موسوم کر دیا، اور اس طرح سود خوری و سود دہری کا شرعی جو ز پیدا کر لیا، زرِ منجدر کا مطلب سب سے غیر منقولہ جائیداد جیسے زمین، مکانات، دکانیں، بٹومل، پدزست وغیرہ وغیرہ، جس طرح سود زر سب کے منجدر لوگوں کی احتیاج سے ناجائز آمد اٹھانے سے عبارت ہے، اس لیے غلام و شرعاً حرم ہے، اس طرح کرایہ بھی زرِ منجدر کے حاجت مندوں و لوگوں کی احتیاج سے ناجائز آمد اٹھانے کا نام ہے، لہذا سود و شرعاً حرام ہے۔

اصل یہ ہے کہ سود اور کرایہ ایک ہی مُستحق کے دونوں میں اس اجناس کی شراعت ایک مثال کے ذریعہ کی جاتی ہے، فرض کیے کہ ایک بگھر شخص اپنے اس دار دینی بھائی سے بنے سب مکانات بنانے کی خاطر کچھ رقم بد سود قرض لگاتا ہے، یہ شخص سود سے بغیر و بیز قرض دینا نہیں چاہتا، یہیں سود کے نام سے ڈرتا بھی ہے، اس نے کرایہ شرعی حرم سمجھتا ہے، مگر یہی وہ کس شرعی حیلے سے سود لینے کی عیب و جتو بھی رکھتا ہے، ہونا خود قرض کی وجوہ رقم سے خود مکانات بنانا، اور سب گھر و جتو شخص کو رہنے کے سبب و تباہ و زبانی زرِ منجدر کے عوض اس سے مندر یا سود دینا ہے، یہیں اپنے اس سے درختی کو کرایہ دینے کا شرعی حیلہ بالباہل کے ذریعے کرایہ کہنا مست موسوم

ورنہ بدل یا باعمل کے ذریعے سے جائز و حلال قرار دیتا ہے۔ نام بدل دینے سے اصلیت تو نہیں بدل
دی جاسکتی، مگر کوپا تو بنانے یا اس کا کوئی نام رکھ دینے سے وہ بدل تو نہیں ہو سکتا۔ وہ حرام ہے
جہاں میں ترمیم ہی رہے گا۔ اسی طرح سود بہر حال میں سود ہی رہے گا، چاہے اسے منافع کہیں یا
بہرہ کہیں یا پھر قرض سے موسوم کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ روپ کا معاوضہ سود ہے، چاہے وہ زریریاں
کی زمین میں ہو یا زرمنجھ کی بنیے زمین، مکانات، دکانیں، فلیٹ، کارخانے، ریکٹیں وغیرہ وغیرہ۔

دستارگیری یا پگڑی لینا

انگریزی دراصل سود و سود کی ایک شکل ہے۔ اس کی رقم کی تعیین سود و عیب کے استحقاق
تعمیر کے بعد ہی کی جاتی ہے۔ وریک مشنت پٹیلی، صوفیوں کی جاتی ہے سرمایہ کاری کی تاریخ سے پتا
چلتا ہے کہ قرض کی مانگ بڑھی تو سرمایہ کاروں نے سود و سود کی شکل پڑائی اور پھر سود و سود ایسی ظالمانہ روش کا
رسم کی روش تبدیل پڑی اور شرح سود کی تعیین سرمایے کی رسد اور قرض کی مانگ کے استحقاقی تناسب سے
کے مطابق ہونے لگی۔ زرمنجھ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا مکانوں، دکانوں، فلیٹوں، کمروں وغیرہ
پر سود کی مانگ بڑی تو سرمایہ کاروں نے کہہ لے بھی بڑھا دیا۔ ورکر کے تعیین کا قاعدہ بھی طلب و
رسد و استحقاق کا قاعدہ مقرر ہوا ہی ہے۔ اس کو مقرر کرنے والے بھی سرمایہ کار تھے، برکیف، اس ضمن
میں عیب بہ نسبت رسد کے زیادہ ہوتی تو سرمایہ کاروں نے سود و سود کی طرح دستارگیری یا پگڑی لینے
کی رسم بھی زکرائی۔ دستارگیری خاص نہ ورما غوثی فعل ہے، لیکن اس کے باوجود لوگوں نے اسے قبول
رہا ہے۔ اس طرح وہ سود و سود اور کرائے کو قبول کر چکے ہیں۔ مگر وہ اپنے آپ کو مسلمان و مومن
سمجھتے ہیں۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ سہولت زدہ طبقے میں لوگوں کا جتنی قلبی و فکری مہربانی ہے،
تجربے کے سبب اس کی سادہ و سادہ رہی آتی ہے، مگر ورمنس تو مروج و مروجہ ہوتا ہے۔ اس
سے فلیٹ میں ایک توفیق و باعمل، جس کی وجہ سے حسنہ و سیدہ و خیر و شر میں تمیز کرنے کے قابل نہیں
ہوتا۔ دوسرے اس میں پسا کرنے کا دلیہ بھی پیدا نہیں ہوتا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں کسی مذہبی

کی مردہ و خفتر آرزو زندہ و فعال ہی نہیں ہوتی۔

اس حقیقت کا ادراک کر لینے کے بعد کہ سود کی یہ صورت حرام ہے، درگراہی اور پگڑی "بہی سود" کی صورتیں ہیں، ان مسلمانوں کے دلوں میں جن میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا، بقسارہ سوال پیدا ہوگا کہ سود کی ان لغتوں سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کی جاسکتی ہے تو کیسے؟ اس سوال کا جواب ہے، ہاں۔ ہم سود کی لغتوں سے یقیناً نجات پاسکتے ہیں، بشرطیکہ چنے چیمے سے نجات دہانے کی بجائے طلب و جستجو ہی ہو، دوسرے طریقہ نجات ایک ہی ہے، درودہ است فریونی، ہانی قرونی اور زرمی سرطونوں کا تکیف لگائی جائے، جس کا ایک ہی طریقہ ہے درودہ است۔

حُسنِ انقلاب

یغیرِ عظیم و آخر، صاحبِ نعمتِ عظیم اور رحمتہ اللہ علیہ میں منیٰ تدبیر و تدبیر کا حُسنِ انقلاب۔

ایک اعتراض کا جواب

ہم سے اس موقف پر گہرا یہ اصل میں سود ہے، لہذا حرام ہے، بغل، قدین کو یہ بتائیں ہے کہ اگر گراہی کا کرے کے لیے مکان، دکانیں، ورد گیہ ساریں نہیں بنائیں گے تو ملک میں کتنا تباہی پیدا ہو جائے گی، جسے دور کیسے کی جاسکے گا؟ یہ ستر من اس حقیقت پر درت کرتا ہے کہ مقرر فیض کے ذہن میں اسلامی معاشرہ نہیں، بلکہ ہمارا موجودہ سرمایہ دارانہ سرمایہ دارانہ معاشرہ ہے، در نہ کہیں معلوم ہوتا کہ اسلامی معاشرے میں یہ صورت حال کے پیدا ہونے کے کہ مکانات ہیں دیہات ہیں ہے کہ اسلامی معاشرے میں قرآن حکیم کے قوانین کی وجہ سے گردشِ دوست متوان دور میں کا دائرہ کل معاشرے کو محیط ہوگا، نیز افراد معاشرہ ہبائی خوشحالی اور پنی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے قابل ہوں گے۔ ضروریات زندگی میں نان، لقمہ، لباس، روزگار، بیت رستن کے لیے مکانات، ہوم کرنے کے لیے رانچی، روزگار، روزگار، روزگار کرنے کے لیے دکان، دفتر وغیرہ وغیرہ سب چیزیں آتی ہیں۔ در وہ بریں، صالح معاشرے میں افراد بھی ایک دوسرے کی ضروریات زندگی کو تنقید و سمجھ کر پورا

کریں گے۔ حسن ضرورت سے زائد مال و دولت کو الٹ کی راہ میں خرچ کرنے کے حکم الہی میں یہی حکمت منہمک ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر بعض افراد کو رہنے کے لیے مکانات اور کاروبار کے لیے کارخانے وغیرہ کی حاجت ہوگی تو اسے رفع کرنا اسلامی حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہوگی۔

مسئلہ یہ ہے کہ سود اور اس کی مروجہ شکلوں کی ممانعت و استیصال کتنی سے معاشرے میں جو متعدد حیلے و مثبت نتائج برآمد ہوں گے، ان میں سے ایک نتیجہ سرکاری سرمایہ داروں کے استیصال کی صورت میں نکلتے گا، اور یہ سرکاری طبقے میں جو معاشرے میں فساد برپا کرتے ہیں، جس کے نتائج قومی دولت کی غیر متوازن گردش، فساد و احتیاج، معاشی ناہمواری و اقتصادی بدکرداری، استیصال سودگاری، بددیانتی و بخل، اسراف و تبذیر، تکار اور فحشاء و منکرات کی صورتوں میں نکلتے ہیں۔

حواشی

۱۔ جمالیاتی ارتقاء: انگریزی میں سے (Aesthetic evolution) سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہ دراصل قرآن حکیم کا فلسفہ ارتقاء ہے۔ اس کے نزدیک انسان کا حقیقی ارتقاء اس کے حسن ذات کے نور سے ارتقاء ہے۔ اور اس کے لیے ہم نے "جمالیاتی ارتقاء" کی اصطلاح وضع کی ہے۔ جمالیاتی ارتقاء حیرت انگیز کی غایت غایات اور عظیم ترین کامیابی ہے، اور اس میں نور کی درجہ بدرجہ ترقی و التمام کا مفہور پایا جاتا ہے۔ رب ذوالجلال واکرام نے قرآن میں انسان کو اپنے جمالیاتی ارتقاء کے لیے دُعا سکھائی ہے اور وہ ہے: رَبَّنَا آتِنَا فُورًا وَ آخِرُ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (قرآن مجید ۸۰: ۷۷) اے ہمارے رب! ہمارے لیے ہمارے نور کا التمام کر دے اور ہمارے حفاظت فرما، یہ شبہ تو ہر چیز کو برحق در ہے) اس دُعا میں یہ لطیف نکتہ منہمک ہے کہ یہ دُعا مستقل و سرمدی نوعیت کی ہے، اور نور کی درجہ بدرجہ تکمیل کا مطلب اس کا ارتقاء ہے۔

۲۔ جمالیاتی ارتقاء: انسان میں ارتقاء کی نوعیت حیاتیاتی تھی۔ لیکن اس کے اختتام کے بعد اس کی نوعیت جمالیاتی ہو گئی۔ ہر ایوں کہ انسان کی زندگی کا آغاز پانی میں ہوا جس طرح اب بھی رحم مادر میں ہوتا ہے۔

بعد ازاں وہ ساحل کی جانب سفر کرنے لگا۔ یہ سفر منظر نامی نوعیت کا تھا، شعوری نہ تھا۔ لیکن اس کی آرزو ضرور تھی، بہر حال، وہ پانی سے بلی، بھیر کچڑ، بعد ازاں سفر کرتے کرتے خشک کچڑ اور بے سونہر اور کھنکھاتی مٹی میں رہنے لگا۔ اپنی بہار وہ ہیرا نکال کر کے ساحل پر اتر آیا، اور وہاں سے آگے خشک سرزمین میں رہنے لگا۔ یہاں اس میں دو پاؤں پر چلنے کی آرزو پیدا ہوئی اور اس نے بشر کی صورت و سرشت میں دو پاؤں پر چلنے کیلئے لیا تو اس کے حیاتِ قیامی ارتقا کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور اس کے جسمانی ارتقا کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ زمین پر اس کی حیات نوے سفر پر گزارا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں بنی روح سے پہلے اس کے غبار سے اس میں حسی نفسی تک ممتزج و فطری ہو گیا۔ اس وقت تک اس نے وہ دنیا اور فکر و عمل کی کردنی و رعیت ہو گئی اور بشر قدرت کے تمام کمالات میں کامل ہو گیا۔

جہاں قیامی ارتقا دراصل انسان کے نورِ بصیرت و شہور کا ارتقا ہے جس کی بدولت اس نے قیامی دنیا، حسن و سبب، عدل و ظلم، احسان و ذل و معرفت و منکر میں تیز کر سکتا ہے۔ نیز اپنی بصیرت اور منزل مقصود کو دیکھ سکتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نور کے ذریعہ وہ روحانی بہار و رانی حاصل کرتا ہے اور آسمانی بادشاہت کے مزہ و ریاضت و بیخالی و تپید میں بھی مشاہدہ بھی کر سکتا ہے۔ اس نور کے ارتقا و ترقی میں ایک حقیقی رتبہ جلیل انسان کو احسانِ بیجا و شہودیت کے حسن و قبح و رتبہ مل سکتا ہے۔ جہاں قیامی ارتقا کی ایک انتہائی نوعیت یہ ہے کہ یہ جماعی صورت خلق رکھنے والے انسان سے معاشرے کو حسن و نور، ترقی و خوشحالی اور امن و سلامتی کی جنت و افراد کو مؤمن و صالح و اہلِ حسن و سرور بنانے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ چنانچہ اس سے ہم کی تو حیرت و حیرت ہے کہ کبھی قرآن مجید نے ہم پر اس کو پس میں ایک دوسرے کو حق و صبر و رحمت کی دعوت کرتے ہوئے کہا ہے کہ تم میں سے ہر ایک کو

انسان کے حیاتِ قیامی ارتقا کا دوسرا دور اس کی موت کے بعد شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ جب وہ موت کے ذریعے اس جہانِ مرگ و نیست سے محض جہانِ حیات یا عیون کی طرف سفر کرتا ہے تو زمرہ

حسن و رحمت، عشق انہی اور جمالیاتی ارتقا کی آرزو ہے؛ اور آرزوئے حیات سے مراد خوف و حزن کے
آتشیں عناصر سے منزہ، حسین و منور اور مطمئن و مسرور زندگی کی پختی آرزو ہے، اغرض، نفس جس کا رابطہ
روحِ فراقی سے ہوتا ہے، نفسِ روحی کہلاتا ہے اور جس نفس کا تعلق بدن سے ہوتا ہے، اسے نفسِ بدنی
سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے وحدتِ نفس میں شہوتِ بانی جاتی ہے۔ اس شہوت میں تسویہ و
تعديل یا توازن و اعتدال قائم رکھنے سے نہن کی شخصیت میں توازن یا جہان و جہاں پیدا ہوتا ہے۔
اسے صاحبِ حسن و سرور بناتا ہے۔

۴۔ مترنبین: دیکھیے البقرہ ۵: ۲۵ و یوسف ۱۰: ۲۵۔

۵۔ اتفاق بالعفو: دیکھیے البقرہ ۲: ۱۹۔

۶۔ دیکھیے المائدہ ۵: ۱۱۹؛ المجادلہ ۵۸: ۲۲۔

۷۔ بخاری در الشکوۃ،

۸۔ الاسراء ۱۷: ۲۹۔

۹۔ ربوایا سود: دیکھیے ام رغب، المفردات، بذیل، وہ رب دال علی ۳: ۱۳۰؛ نیز دیکھیے باری

در الشکوۃ، باب الزواج ۲۶۔

۱۰۔ بقرہ ۲: ۲۵؛ نیز دیکھیے عزتِ سود پر متن میں ح ویش جلیلہ۔

۱۱۔ البقرہ ۲: ۲۷ تا ۲۷۹۔

۱۲۔ جمالیاتی تخلیقی کیفیت (Aesthetic creativity) قرآن مجید میں شہادتوں سے پتہ چلتا ہے

حسن الخیاتی نہیں کہا ہے، اس لیے کہ اس کی یہ سنت ہے کہ وہ جو شے تخلیق کرتا ہے، اس میں بندہ

ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس کی ہر تخلیق جمیل و جلیل و درخشاں و صیرت و حیرت انگیز ہوتی ہے تخلیق

حسن کاری کے اس دہرے و رزم و مزدوم عمل کے لیے جو نے جمالیاتی تخلیق فعالیت کی تعبیر میں

کتاب درخشاں و صیرت پر دلائل بھی ہے اور اس کی غرضت بھی۔

۱۳۔ البقرہ ۲: ۲۷۵

۲۔ ۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۸ء، آلِ عمران ۳۰: ۱۶۱، النساء ۳۰: ۱۶۱۔

۳۔ معاوضہ نامہ و شہرت: (G. D. H. S.)

۴۔ دیکھئے مکتبہ ابو سعید غلام سرور قادری، معاشیاتِ کتبِ محضی، بحوالہ قنادی قنادی مع

سیرت، ۲: ۲۶۹، بعد منہ۔

۵۔ دیکھئے روزنامہ جنگ، لاہور، ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۳ء۔

۸۔ جمال بازاری، اس سے مراد میدانِ کھیل میں جن میں انسان اپنے جبرل یا قوت و توانائی

اور حوصلہ و شجاعت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

۹۔ حسنِ مزاجیت: اس سے متن میں بحث کی گئی ہے، دیکھئے ص ۱۰۰۔ بعد۔

ثقافتی انقلاب

ثقافت عبارت ہے کسی قوم کے تہذیبیہ و فکریہ، جمہانی و ذوقی، نفسی و فنی، معاشرتی و
 تہذیبی و تربیتی، جمہانی و فنون و دیانت، قومی و ملی دیانت اور مذہب و روح سے بہتر و نیا و بہتر
 حقیقت ہے کہ پاکستان کی ثقافت اسلامی نہیں صرف دینی ہے، بلکہ وہ سب کچھ ہے جو اس نے تربیت
 شعوریت کے دور میں نشوونما پائی ہے، دوسرے یہ فہم و تربیت و دیانت اور فہم و تربیت و تربیت
 کے سانچوں میں داخل ہے، دوسرے یہ کہ ہر معاشرہ اسلامی نہیں جو سرس زدہ ہے، بلکہ
 کہ اس کا نہیں بغیر کرنا ہے اور اس کے لئے معاشرتی و سیاسی امور و تفصیل سود و کثرت و کثرت
 احتیاج ہے، نیز اس پر معاشرتی سرچشموں کی مسرت و دیانت اور معاشرتی و معاشرتی ہے، بلکہ
 سرس زدہ، معاشرے کی ثقافت بھی معاشرتی ہونی چاہیے، دوسرے یہ کہ قومیہ سب کے لئے وقت ہونی
 کوئی قومی یا ملی ثقافت ہے ہی نہیں، دیں سب کے لئے تو سرس زدہ کوئی قومیت ہی نہیں، اس سبب سرس
 میں شعور و تربیت ہی نہیں دوسرے، اس میں وحدت ثقافت ہا فتنہ ہے، دوسرے ہر کوئی ثقافتی نفس
 ہے، نہ ہم میں اس کا اس و شعور ہی ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ پاکستان محض سرس زدہ ثقافتوں کا ملک
 ہے، اور اس میں ہم جتنی وحدت متفقہ ہے، غلط وہ ہیں، سرس زدہ ثقافتیں بھی معاشرتی سرس زدہ
 کے وضع کردہ سانچوں میں ڈھکی ہیں اور اس پر اس کی چھاپ گئی ہے، وہ ہیں، سرس زدہ تو پہلے تہذیب
 محترمہ اور قومی و ملی دیانت کی منہ میں اور زمان میں قرآن مجید کا تہذیب و تربیت ہی تھا، نہ سب
 وہ رنگ قومیت سے سرس زدہ میں نہ نفسی قومی سے نہ ہار شہر، ستور ہی ہے، واقعہ یہ ہے کہ معاشرتی
 سرس زدہ کی پیدا کردہ مصیبت کی وجہ سے وہ اسلامی ثقافت کی روح سے محروم ہیں۔

تسمیہ باباطل کی اصطلاح کہ مطلب یہ ہے کہ کسی ذی روح، غیر ذی روح یا محسوس یا غیر محسوس کو اس نام سے موسوم کرنا یا اس صفت یا صفات سے موصوف کرنا جو اس میں موجود نہ ہوں یعنی وہ چیز یا ہستی اسم بے مسمی ہو۔ تسمیہ باباطل دراصل اسم بے مسمی کو جہاں تاں ذریعہ کار کی ذریعہ کہ باطنی بنانے کا اُردی فن ہے۔

”تاویل باباطل“ بھی اُردی فن ہے جس کے ذریعے وہ اسم بے مسمی و جہاں تاں و خفا کی صورت اقدار کی غلط و گمراہ کن تعبیر و تاویل اس انداز میں کرتے ہیں کہ سادہ دل لوگ ان کو سچ سمجھ کر تسمیہ کر دیتے ہیں۔ یہ تعبیریں اور تاویلیں اُردی تسمیہ باباطل کے ذریعے ان کا پختہ عقیدہ بن جاتی ہیں۔

قادر و نیت چونکہ اُردیت کی معاون و سرپرست ہوتی ہے، اس لیے وہ قدر و فی رسومات سے تعلق نہیں کرتی؛ نیز اُردوں کا اعلیٰ نام قدر و فی رسومات کو جہاں تاں ہے۔ قدر و فی رسومات سے وہ تفرق و تباہی مراد ہیں، جن میں اسراف و تبذیر، تفاخر، نامردنودا و رشت و شوکت کا منہا پرہ کی جاکے، غرضات بیاہ، پیدائش و ختم، ساگر و غیرہ وغیرہ کی رسومات اس میں بعض رسومات مرگ کو بھی مل سکتی ہیں۔

رسومات مرگ، جو پاکستانی میں شریعت میں رائج ہیں، قریب قریب سب اُردوں کی ہزاروں میں و قدر و فی رنگ سے مزین ہیں۔ شادی و مرگ کی رسومات جو اسراف و تبذیر کی مشہ ہیں، حقیقت میں رسومات ہیں اور اسلام بنی نوٹان کو ن سے رہائی دینے کے لیے آیا تھا، لیکن اُردوں و قدر و فیوں نے اس کو ن کی زنجیریں میں اس طرح جکڑ رکھا ہے کہ حسنِ انتساب کے بغیر ان سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اُردوں اور قدر و فیوں کی وہ رسومات جنہوں نے مسلم ثقافت کو رشک و شرافت پر مبنی بنا رکھا ہے، ان میں پیرمی، اور اسنامی، و شبیہی، رسومات ہیں۔ یہ سب کے تسمیہ باباطل و تاویل باباطل کی معرکہ کار ایجاوات ہیں، جن کو جیس کے جہاں تاں قریب نے ایسا مزین کر دیا ہے کہ لوگ انہیں عبادت و عبادت سمجھ کر ادا کرتے اور ان پر فخر کرتے ہیں۔ ستم یہ ستم ہے کہ اس شرک و من و بت پرستی پر حق پرستوں کی تسمیہ اصل یہ ہے کہ بہاری ثقافتی رسومات قدر و فی و اُردی ہیں، یعنی وہ سرف و تبذیر، رشک و من و بت

اور تو بستی کی کینہ دار میں، صبر و کرم کے نزدیک صرف و تہذیب و تہذیب کی شہادت ہے تو شرک و
 کفر و بدعتی نظامِ عظیم سب جونا قاتل میں ہے۔ یہ بات تو تسلیم کی جا سکتی ہے کہ سرکاری استحصائی طبقے ان
 رسومات کے متحمل ہو سکتے ہیں، لیکن متوسط اہل اور مفلوک احوال طبقات ان قدر ذی دلاوری رسومات
 کی زنجیروں میں اس بُری طرح کبڑے ہوئے ہیں کہ ان پر عرصہ حیات تک بوجھ ہے، وہ ان سے
 طرغور میں تو پاتے ہیں، لیکن سب تک معاشیہ پر سرکاری طبقات مستطاریں گے، ان کا ان سرکاری
 رسومات سے نجات پانا ناممکن ہے، یہاں سے تحقیق کی طرف اشارہ کر دینا چاہئے کہ بنی نوع
 انسان کو ان رسومات سے نجات دینا ممکن نہیں ہے، اگر تم سدھ یہ
 بنی نوع کے مقصد پورا کرنا چاہتے ہو تو ان سرکاری رسوم و قیود کی زنجیروں کو توڑنا اور ان سے بنی نوع
 کو بے غم و دراپشہ کر دینا ضروری ہے کہ ان کو بے غم و دراپشہ کر دینا ضروری ہے کہ ان کو بے غم و دراپشہ
 کر دینا ضروری ہے کہ ان کو بے غم و دراپشہ کر دینا ضروری ہے کہ ان کو بے غم و دراپشہ کر دینا ضروری ہے

سرکاری طبقات کا تہذیب و تمدن

گرم بزاری کی غلامی کا قانون

قوم کے نشو و نما، اور قوت و توانائی کا انحصار اس کے عتد و عتد پر ہوتا ہے۔ چنانچہ جب
 تمام یہ عتد اس کے وجود میں خون کی طرح جاری و ساری رہتے ہیں وہ مفید و توانا اور نشو و نما
 کرتی رہتی ہے۔ ورنہ عتد کی گرم بزاری بھی رہتی ہے۔ عتد وہ بریں قوم کے حواس سے چوٹی
 اور ان کی قوت سے عمل کرتی ہے، لیکن جب عتد بے غم و دراپشہ کے باعث کمزور پڑ جاتے ہیں تو
 قوم کی زندگی میں موزونی و تدریج کے من بق جاری و ساری نہیں رہتے۔ ورنہ عتد بے غم و دراپشہ
 تدریج متعین ہونے لگتا ہے، اس کے نتیجے میں ان کی جگہ عتد بے غم و دراپشہ میں درجہ وہ ایک
 قوم کی زندگی میں تدریج متعین ہونے لگتا ہے، اس کے نتیجے میں ان کی جگہ عتد بے غم و دراپشہ میں درجہ وہ ایک

پے جان بنانے اور انھیں قوم کی زندگی سے نکالنے میں سرگرم عمل ہو جاتے ہیں، اور آخر کار ان کی جگہ ممکن ہو جاتے ہیں یہ ان کے ساتھ سہ مدارج خطہ مدد ہو جاتے ہیں کہ ان میں قیادہ قوم کیے زیریں دشوار یکہ پیش صورتوں میں مل ہو جاتا ہے۔ یہ صورت حال قریب قریب جہد مسلم قوم کی ہے۔
عقائد کے اس تاریخی عمل کو ہم نے قانون گرم بازاری عقائد سے تعبیر کیا ہے۔

گرم بازاری عقائد کا قانون اور تسمیہ بالباطل

گرم بازاری عقائد کے قانون در تسمیہ بالباطل کا پس میں گہر تعلق ہے۔ اس سے عقائد کے تسمیہ بالباطل کسی طرح بھی تسمیہ بالباطل کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ حیات قومی میں مفاد و فائدہ رچ بس جاتے ہیں تو ان سے سرکاری طبقے، جاہل و نادان، سبکدوش رہتے ہیں، ان کی بدولت انھیں لوگوں کا استحصال کرنے، ان پر اپنا حکم چلانے اور معاشرے میں معاشی و معاشی و معاشی کرنے کے مواقع پیش آتے ہیں، اس صورت حال کا شرف نہ کہ ہی سے جائزہ لینے اور اس پر عمل کرنے سے اس صل کا شراغ ملتا ہے کہ عقائد بالباطل کے موجد اور ان کے تسمیہ بالباطل کرنے، نیز انھیں قبول عام کی مدد حاصل کرنے والے معاشرتی سرگرم ہوتے ہیں، وہ بہت کم ہوتے ہیں، ان کے معاشرتی مفاد و فائدہ سے کراتے ہیں، جو تسمیہ بالباطل و رد و بدل بالباطل کے بیسی فنون کے ذریعے عقائد بالباطل کو جائز و صحیح بنا کر دکھاتے ہیں ورنہ وہ لوح انسان سے دھوکے میں رہ جاتے ہیں اس خوشی دھوکے کے لیے ہم نے "جیس کا جانی قریب" کی تعبیر اختیار کی ہے۔

گرم بازاری کے اس وقت پاکستانی قوم سمیت کل مسلمانوں میں تسمیہ بالباطل کے جہد باقی قریب کے سبب متاثر باطلہ جاری و ساری میں تو یہ باطلہ نہیں، بلکہ ایسی حیثیت کا ختم ہونا جو ان عقائد کے ورنہ کے نتیجہ معاشرتی سرگرمیوں کے نتیجہ بالکلی و فوری کی مدت نمی ہے۔ ان ہر تسمیہ بالباطل ہی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

نظام تعلیم

کسی قوم ہائے تعلیم اس کی باطنی دنیا برقی زندگی کا منظر ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تفتی مہ تعلیم
 شانی کی تسکین و تزئین کرتا ہے، رزق و خلق ہی وہ باطنی سانچہ ہے جس میں عائد و نظریات، فن و تصورات
 عوالم و بیانات، جذبات و احساسات، اقوال و افعال اور حقوق و کردار تشکیل پاتے ہیں۔ اس اعتبار
 سے تفتی مہ تعلیم اپنی قوم کے عموماً حکمت اور وفن اور سائنس و ٹیکنالوجی کے رتقاء، نیز دینی و فکری
 اور شوق و جہالتی قدرہ، کینہ و رہنما سب سے پہلے پنچہ گرفتار تعلیم کن، ایس جہالیان و غرق و انداز
 پر ہوئی اور اس کے مقاصد جدید ہیں کہ رزق و حیات کا احیاء و ارتقاء بھی ہو کہ تو وہ آدم کر
 ہو جائے اور اس میں صالح نتائج نہ پیدا کرے کی تہیت ہوگی، صالح شخص ہی حقیقت میں بن و صاف
 تہیہ سے تصنف ہوتا ہے جو وجہ شرف شانی میں پنچہ وہ اپنی اصل فطرت تعلیم پر ہوتا ہے، مذ
 وہ مفید نہیں، مفسد نہیں، مصلح نہیں، عادل یا بخیل و عاقل نہیں، کریم یا محسن یا شقی، عجب نہیں، سعید
 شکران نہیں، جرم و بد خلق و بد کردار نہیں، خوش خلق و نیک کردار یا بد خلق و بد کردار نہیں، صاحب علم
 حکمت یا مجرم و حرم و غور نہیں، نیک و حلال خور یا تنہا سن و کامیور نہیں، محنتی و ہنکاش یا کاذب نہیں،
 صادق، مکتبہ و مغرور نہیں، جیم و متواضع یا غرض اہل یا نار نہیں، صاحب علم و دہر ہوتا ہے، نیز
 اس میں رزق و پیر و مرگ نہیں، رزق و حیات ہوتی ہے اور زندہ و فانی ہوتی ہے، غریب یا
 واداس کو رزق و ذوق نہیں، بیکار صاحب ذوق و انداز ہوتا ہے، اس کا قلب اندھا نہیں مینا اور اس
 کا نور حرکی دار تقائی ہوتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ ہر بچہ فطرتاً ہی حسین و شریف پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے خلق کو حسین
 رکنا یا قبیح بنانا ہر ذمہ دار تفتی مہ تعلیم ہوتا ہے اور اس میں ویرانگی کی تعلیم اور ماحول کے تفتی ثمرات
 سے وسیع ترین مفہوم میں بھی شان ہوتی ہے، یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کسی قوم کا سچا تفتی مہ تعلیم
 دو ہوتا ہے جو اس کے عائد و تہیہ و تزئین کے اندر و خارجیت و تہیہ و تزئین ہوتا ہے۔

نہیں تو اس میں کذب و منافقت کی آمیزش ہوگی جو بشمول طلباء و افراد قوم کے خلق کو اس رنگ میں رنگ دے گا، یعنی انہیں کاذب و منافق بنادے گی، اگر یہ کہا جائے کہ ہمارا نظام تعلیم نہ تو ہر سے موخر نہ عقائد جلیلہ و محرکہ کا اور نہ ہماری فطری نزوئے حسن و زندگی کا مظہر ہے، بلکہ رنگ کذب و منافقت سے مزین ہے تو یہ مبالغہ نہیں، اعتراف حقیقت ہوگا کہ یہ حقیقت ہم سے منسوب کرتی ہے کہ ہم اُسے مزید تاخیر اور جیل و جت کے بغیر تسلیم کر لیں و راستہ سمیٹیں اور منافق نظام تعلیم کا جس میں ثنویت بھی پائی جاتی ہے، قمع قمع کر دیں۔ اس کے بجائے صرف ایک قرآن حکیم کا نظام تعلیم قائم کریں، اس لیے کہ اس پر ہی ہماری قومی و ملی بقا و سلامتی، زندگی و عزت اور قوت و ترقی کا خزانہ ہے، ہم نے اپنے موجودہ بے قرآن و تقیم "دینی" اور بے قرآن سیکور تعلیمی نظاموں کے حوالے سے اپنی قومی و ملی نربوں کا وہیں، زندگی کا بغور جائزہ لیں تاکہ ہم اس کے غول و خوات کا سرخٹا لیں تو ہم نے یہ کہ ان کو اس کا ذمہ درپائیں گے، اس صورت میں کامداد یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے نظام تعلیم میں جو ثنویت پائی جاتی ہے اُسے دور کیا جائے اور دو تعلیمی نظاموں کی بجائے صرف ایک قرآن و تقیم قائم کیا اور اس کا نصاب تعلیم رائج کیا جائے، قرآن حکیم کا نصاب تعلیم کیا ہے؟ اس سے بالکل علیحدہ ہے ہماری تشریف نداشتی در اس سے دوری و مجبوری کا یہ عالم ہے کہ عوام تو عوام ہیں، غلام و دانش حش کہ کثر نام نہاد علمائے دین بھی یہ سوا کرتے تھے جو محسوس نہیں کرتے کہ قرآن مجید کا نصاب تعلیم کیا ہے؟ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے نظام تعلیم کا ذکر آتا ہے تو یہ سوال کئی دلوں میں فحش پیدا کرتا ہے کہ اسلام کا کوئی نظام تعلیم و نصاب ہے بھی یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ سچ ہی یہ سوا بھی پیدا ہوتے ہیں کہ ہمارا موجودہ نظام تعلیم ثنویت کا کیوں شکار ہے، اور اس تو حیدر ثنویت کو پیدا کرنے کے ذمے در کون تھے؟ نیز اس ثنویت کو دور کیوں نہیں کیا جاتا؟ اگر کوئی یہ کہنا چاہے تو کیسے کہتا ہے؟ کیا ہمارے "دینی" مدارس کا نصاب تعلیم وہی ہے جو قرآن مجید نے تجویز کیا ہے اور جب تقیم قرآن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھی گئی تو انہوں نے اس میں رنج کیا تھا؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے، اور تین نفی میں ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں دور کرتے

میں "دینی" مدارس میں قرآن حکیم کے انصوب تعلیم کے بجائے کوئی دوسرا نصاب تعلیم داخل اور ان کی کیا بنیادیں کے ذمہ داروں نے تھے اور اس سے ان کی غرض و غایت کیا تھی؟ یہاں کیوں ہے کہ اسے تبدیل کر کے قرآنی نصاب تعلیم رکھ دیا جائے؟ اس کے سوا دوسرے اس میں کیا تشویر کرنے والے ہیں تعلیم کی شہادت کو دیکھ نہیں کرتے اور قرآن مجید کا نصاب تعلیم درس و تدریس میں رکھ نہیں کرتے؟ یہ انتہائی بزدلانہ و غیرت فرورسوں میں ہیں کہ جواب دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

میں سوچ رہا ہوں کہ آیا اصل میں کوئی نصاب تعلیم ہے یا نہیں؟ اس کا ایک لفظ میں جواب دینا ہوتا ہے "ہاں" اس کی تائید یہ ہے کہ سو میں عمر و فریض کی حیثیت حاصل ہے اور اس کا بیکند ہر مذہب و مذہب پر فریض ہے اور فریض کی حیثیت کئی دور میں ہے چنانچہ ہر مذہب سے ہر مذہب تک ہر مذہب حاصل کرنے کا مکلف ہے۔ اور وہ ہر مذہب تقویٰ قرآن حکیم کے ہدایت حاصل کرنے کی راہ پر پیش قدمی ہے اور قرآن مجید کی رو سے ہر مذہب تقویٰ ہوتا ہے یہ بھی قرآن حکیم کا رکن و سہارا ہے۔ قرآن کی متعدد دہرائیں کو امتداد دینا اور عرف سے ودیعت کی کسوٹی پر اسے قوت سے فعل میں رکھنا اور اس کے ذریعے قرآن کی تسخیر کر سکتا ہے اور امتداد دینا کی نعمتوں سے متعلق کر سکتا ہے، نیز علم کر سکتا ہے۔ یا قوت خیریت تو حکمت خیریت ہے اور دونوں رزم و ملزوم ہیں جس دین کا ہم سے متعلق یہ عقیدہ و رویہ ہو، وہ علم کی قوت تسخیر و حکمت کی ذمہ داری حاصل کرنے کے سبب اس کو تعلیم کا حامل و مالک ہے۔ نصاب تعلیم مندرجہ ذیل کیسے ہو سکتا تھا؟ اصل یہ ہے کہ اس میں اس کو یہ نظام تعلیم و نصاب دیا ہے جو اس کو مکمل ہے اور ہر دور میں رہیں انھوں نے دینے کی عہدہ جیت رکھا ہے۔ اور قرآن مجید لوح محفوظ میں محفوظ ہے۔ اس سے یہ دوسرا ورثہ دینی سول سامنے آتا ہے کہ اس کے ساتھ ہی تعلیم و نصاب کی بنیاد ہے۔ اس کا جو نصاب قرآن مجید کے حوت سے دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اس کی بنیاد میں تعلیم و تہذیب کا قیام و تہذیب حکومت کی اہم ترین ذمہ داری اور اس کے اوپری ذمہ داری میں ہے۔ اس کا تعلیم اصل میں نصاب مصلوٰۃ کا جزو و نہایت ہے۔ ہر مذہب و مذہب مسجید کا جزو و نہایت ہے۔ اس کا تعلیم و تہذیب کا جزو و نہایت ہے۔ ہر مذہب و مذہب مسجید کا جزو و نہایت ہے۔ اس کا تعلیم و تہذیب کا جزو و نہایت ہے۔ ہر مذہب و مذہب مسجید کا جزو و نہایت ہے۔

ورد مسعود فرماتے ہیں سب سے پہلے تو مصلوۃ قائم کرنے کی غرض سے مسجد نبویؐ تعمیر کی، جو ایک وقت
 مسجد کا بھی تھی۔ ورد میں آئے ہیں، اس کے بعد اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، در تہ مذہب بھی ہے
 ہے قرآن حکیم کی رو سے نبوت آخر کا، اولین فریضہ اور مقصود ذات مقیم کا قیام و شرم ورد میں کے
 فطری اصولوں کے متعلق و باطنی غامض تعلیم و تربیت دین تھی۔ یہ درس گاہ، اپنے قرآنی اقداب و ذات مقیم
 تعلیم کے اعتبار سے، ایک شان اقامتی یونیورسٹی تھی، آگے بڑھنے سے پہلے اس کے اقداب قرآن کی
 نشاندہی کر دی جاتی ہے، جو مفصلہ ذیل جزائے نمبر پر مشتمل ہے:

(۱) آیت بیہ کی تہذیب (۲) تزکیہ (۳) تعلیم کتاب (۴) تعلیم الحکمت (۵) علوم نبویؐ کی تعلیم پر اقداب
 تعلیم بادی منظر میں تو مختصر ہے، لیکن حقیقت میں جامع و مانع ہے۔ اس کی مجملہ راحت کر دی جاتی ہے
 ۱۔ آیات الہیہ کی تہذیب: یہ قرآن حکیم کی فکر تیز و معنی اصطلاح ہے۔ میرے نزدیک اس کی
 معنویت "کل یوم یوم فی شأن" میں ظہور ہے۔ اس اعتبار سے آیات تہذیبیہ اقداب پر سندیں
 کی تحقیق نصیبت، جو جاتی ترویج ہے، اور اس کے نو بنو ملک پر جو حیات دکھائے گئے ہیں، اس
 اور صفات الہیہ کے حقائق و اسرار و رموز کے زندہ درمیان، اس سے یہ متنبہ ہو کر آیات تہذیبیہ کے
 علم کا مطلب طبعی یا سائنسی علوم ہیٹ، جن میں ارتقاء کے بعد ہی و فروغ کے محدود مسائل ہیں۔
 اس معراج کو دوسرا معنی "العصر" ہے۔ اس مصلوۃ قرآنی کا مطلب ہے: اقرءوا و اذکر
 اہم و سبق آموز، در عبرت ناک و بشیرت افروز و اتعانت و ساخت جو کتب میں مرقوم یا جو جہان میں
 محفوظ ہیں، اس مرقوم و غیر مرقوم دست نوازل تاریخی سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ یام عرب کی
 تعبیر سکتی ہیں پر عصر کو "یام زمانہ" بھی کہہ سکتے ہیں، مگر اس کے غور میں تاریخ و فلسفہ تاریخی
 صورتحال حیات اور اس سے متعلق سوشل میں جو غم کی ترقی کے ساتھ ایجاد ہوتے رہیں گے۔
 اس کے تیسرے معنی یہ ہے قرآنی میں آہن کی قوت سے متعدد فوائد حاصل ہوتے ہیں
 قرآن مجید کے معانی جانتے و کھاتے اور بل زبان اس کے معانی و اقداب سے آگاہ ہوتے ہیں و یہ
 آگاہی بڑے کام کی چیز ہے۔ اور اس میں سائنس و فلسفہ و اخلاق و خدا آگاہ بنانے کی تربیت پائی جاتی ہے۔

بشر سے ذوقِ قرآن پیدا ہوتا ہے۔ ذوقِ قرآن نعمتِ حسی ہے۔ اس سے جمالیاتی ذوق کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان میں حسنِ کلامت جمالیاتی ثروت حاصل کرنے کی قابلیت و کمالات پیدا ہوتی ہے اور کہ مر کے حسنِ و قبح میں تمیز کرنے کا شعور بیدار ہوتا ہے۔ ذوقِ قرآن ہی نعم و ان میں حسن ہر شے کا داعیہ پیدا کرنے اور ان کی تخلیقی فعلیت کو جمالیاتی بنائے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ دراصل حسنِ غائر و معنی کا ذوقِ عظیم ہے۔ باغ و دیار، ذوقِ قرآنی ذوقِ بلاغتِ کلام ہے۔

یہ وہ ہے، کیا ستِ قرآنی میں جمالیاتی تاثیر ہوتی ہے، جو حسنِ قرأت سے افزوں ہو جاتی ہے۔ اور اس کے قلب میں جمالیاتی سوز پیدا ہوتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ تاثیر ہی میں جمالیاتی قلب کی غیر منظم برکت جس طرح سحاب میں برق پنہاں ہوتی ہے۔ درحقیقت صدمہ سے اپنا جہر پیدا کرتی ہے، اسی طرح حسنِ قرأت سے قاری کے قلب میں جمالیاتی نفسیاتی لمحہ کے وقوع پیدا ہونے کا ماحول ہوتا ہے۔ ان وردِ دیگر فوائد کی بنا پر یہ تاثیر اہم قرآنِ حکیم کے نصابِ تعلیم کا وہ رکن ہے جس سے اس کے ادبیت کا درجہ حاصل ہے۔

کیا یہ کہ تذکرہ بار معانی و مطالب کی روشنی میں ہم درجہ و راس کی کتبِ نصاب تیار کر سکتے ہیں، اس سے ابتدائی تعلیم سے یونیورسٹی کی تعلیم تک رزمی مضمون قرار دینا ہو گا۔

حرفِ قرآنیت اہم کی قدرتِ علیا کو ابتداء ہی سے قرآن مجید سے روشناس کرانے اور ان میں انسانی زندگی کے حسن و رتاریت کا ذوق پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کے مسلمانوں کو جو نصابِ تعلیم دیا ہے، اس میں اس کو اولیت کا درجہ عطا کر کے اس کی تعلیم و تربیت پر ہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ یہ تاریخی حقیقت رہی کہ قرآنیت کے سیدنا حضرت برہم علیہ السلام نے بنی نوع انسان کے مصلحت و خیریت کے حصول کے لیے صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ جو ذوقِ فنی و رتبہ رتبہ میں انسان کی رشد و ہدایت کے لیے قرآن مجید میں حضور ربانیت اس میں بھی قرآنیت اہم کی قدرت کو سببِ مجوزہ نصابِ تعلیم میں اولیت

کا مقصد دیا گیا ہے۔

۲۔ تزکیہ قرآن حکیم کے نصاب تعلیم کا دوسرا منقسمون تزکیہ ہے، اور اس سے مراد ان کی باطنی زندگی کی تطہیر بظرف نشو و ارتقا ہے۔ باطنی زندگی اجزائے ثلاثہ سے مرکب ہے، جن کے اہتمام نفس میں اور کھنیں حوس قلب و نفس سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ تینوں نفس مادی و منفرد و نورانی و خود کار ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے رینفک صورت مربوط و رابطہ کار و معدن ہیں نیز ایک دوسرے کے لیے عامل و معمول کی حیثیت بھی رکھتے ہیں، لہذا ان کے لیے بہت سے تقابلی نفسیاتی مرقع کی تعبیر اختیار کی ہے، آگے بڑھنے سے پہلے تزکیہ کے مفہوم کی صراحت کر دی جاتی ہے۔

تزکیہ قرآن حکیم کی ساری منسلکات میں سب سے اس کا مفہوم اس سے بہت زیادہ وسیع و پہلو دار ہے، جو عام طور سے سمجھا جاتا ہے، اس کے معنی ہیں، اور تصفیہ و تنہیک ذرست قلب کی تحمیل و تنویر اور جیسا کہ اس کے نور کا رت و اتمام ہو سکے، اس جگہ میں شیفتگی نہ کر دی جاتی ہے کہ قرآن حکیم کی رت و تناسل خودی، ارتقاء ان فی، ارتقاء نفس یا رت و تناسل کا منصب ارتقاء نور قلب ہے، جس کے لیے ہم نے جدیدی رت و تناسل کی تعبیر اختیار کی ہے، ثانیاً، ان کی تحمیل کرنا، جس کا منصب بہت شوق کو حسین و عظیم بنانا یا باطنی طور پر دیگر محسوس خرق یا مکرر خرق و کھینچ رت و تناسل ہے۔

قرآن مجید نے اپنی اسجاذب غلت سے تزکیہ کو عود و حکمت پر مشتمل کر کے نہ صرف اس کا غیر معمولی ہمیت پر مرقع تصدیق ثبت کر دی، بلکہ اس کی متعدد و بزم قدر کی نشاندہی بھی کر دی ہے، یہاں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی متذکرہ بار و دعائیں میں تزکیہ کو تروت و آیت و تہذیب و تعلیم کا باب اور تعلیم حکمت کے بعد چوتھے درجے پر رکھا تھا، لیکن حکمت ان کے اسے اپنے نصاب تعلیم میں دوسرے درجے پر رکھی ہے، اس تقدیم سے ہم مندرجہ ذیل نکات کا استنباط کر سکتے ہیں:

اولاً، تزکیہ حصوں عود و حکمت کی پیش شرط ہے، اس کا منصب یہ ہے کہ سب علم کو غلبہ و حاکم سے حصوں عود و حکمت کے قبل بنائے، اس کے خلیق کو موزوں اور حقیقی بنائے، رت و تناسل

دو علم، ان میں ضمرا استعداد علمی کو قوت سے فعل میں لانے اور اس میں علم کی حسب وجہ پیداکرنے میں تزکیہ نفس ناگزیر ہے۔

سوم، تزکیہ سے نسب میں تقوی پیدا ہوتا ہے، جس کے ثمرات سعادت و فضیلت، ثروا کا ہی و خدا کا ہی، تو زین شہیت و صلیحت در زمانہ حسن و حیات کا حیا ہے۔

چہرہ، اس سے جہاں قیاس زندہ و حرکی و رجحان یافتہ ذوق میں لطافت و وسعت پیدا ہوتی ہے۔
مغرض، جس طرح جب بت حذقت کے بغیر اور شاعری موزونی و نغمہ کے بغیر بکا رہے، اسی طرح تزکیہ کے بغیر نہ تو حکم نافع، و نہ نعمت خیر کثیر ہی ثابت ہوتی ہے۔

یہ نکتہ پیرائے کے قابل ہے کہ تزکیہ سے مراد مفصل نظری خدائی تعلیم نہیں، بلکہ حسی قلبی نفسی قوتوں کے بعد و تحقیق و درن سے حاصل طریق سے کام لینے کی نظری تعلیم ہے۔ اس کی مثال نفس یا طبیعت کی ہے جس میں انسانی تعلیم کے ساتھ علمی تعلیم بھی دی جاتی ہے، اسی سے اثر بہرہ و تجربہ اور علمی بغیر نہ تو نظری تعلیم کی تکمیل اور نہ وہ سودمند ہی ہو سکتی ہے۔ بہر حال قرآن مجید نے سمیع و سمع کے قیاس سے موزونی ذراقت بتائی ہے، سمیع، بصیر اور قلب۔ لذت طلب و سمعی، انسانی، اور قلبی قوتوں سے مستحق زیادہ سے زیادہ مسکنت بہم پہنچانا بھی کافی نہ ہوگا، جب تک کہ انہیں نہ سے و مقننات کے مطابق ان قوتوں سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کا فن نہ سیکھایا جائے گا، ورنہ اس مقصد کے لیے جدید ترین قسم کی تجربہ گاہوں کا انتظام نہ کیا جائے گا۔

یہ ایک مسئلہ حقیقت ہے کہ جو قوم فن سمیع سے نا آشنا اور ذوق سمیع سے محروم ہوتی ہے وہ بہرہ و درویشی ہوتی ہے، لذت وہ جس وقت کی دست میں آتی، نہ کر ہی سکتی ہے۔ اسی سے قوم اور افراد کو قرین حکیم تیسوں اور مشکل مافیہ میں سے تعبیر کرتا، ورنہ انجا مذمت و مسکنت و برداشت و بردباری بتاتا ہے۔ اسی طرح ہر فرد یا قوم فن دیدت نا آشنا اور ذوق نظر سے محروم ہوتی ہیں، وہ کیا تیرا تیرا یہ و دیگر نہیں سکتیں و قرین حکیم کی نظر میں مذمت میں، و لذت و حسن و قبح، خیر و شر، سود و زیان و رکہ میانی و ناہوشی میں متبذیر نہیں کر سکتیں و مذمت و مسکنت کی دویاں میں محسوس کر لیں کہ ان کا مقدر بن جاتا ہے۔

مصلحت کل مہربان سے کہ سمع و بصر یہ سننے اور دیکھنے کا فن، انفرادی و اجتماعی زندگی میں زینت و بہت رکھتا ہے، لہذا اسے سکھانے کا انتظام چھوٹے بڑے تمام تعلیمی اداروں میں ہونا چاہیے اور احسن و اکمل اور ارتقائی ہونا چاہیے۔

اب رہا مسئلہ قلب، جس سے مراد دل و دماغ کا نظام ہے۔ یہ انفعالیات و عملی انفعالیات کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر جماعت کے علماء کی ذہنی استعداد کے مطابق قرآن مجید و حدیث شریف کی روشنی میں اس منغلوں کے نظریاتی عملی نظام تیار کیے جائیں اور ان کے یہ عملی انفعالیات کے مشاہدہ و تجربے کا مقتضی انفعالیات وقت کے مطابق متقدم و متخلف کرنا۔ زمری ہے یہ نظام ہر شعبہ بنیادوں پر ہونا چاہیے: نیز تحقیق و تفتیش اور مشاہدہ و تجربے کو کا حقد، بہت دین ناگزیر ہے۔

۳۔ تعلیم الکتاب

تعلیم کتاب سے مراد مصلحت کے اعتبار سے قرآن مجید کی تعلیم ہے۔ ایک طرف ہمارے دینی ہے کہ قرآن حکم رہنما ہے دین ہے اور دین کی زندگی پر مبنی ہے۔ کمال زندگی سے مراد انفرادی و اجتماعی دنیوی و دُخروی و مادی و دُرونی زندگی ہے، نیز یہ مکمل فائدہ بہات ہے اور دوسری جانب ہمارے پاس ”دینی مدارس“، ”دینی مدارس“، ”دینی مدارس“ اور ”دینی مدارس“ ہیں۔ یہ اہمیت و اہمیت کی سوویت کی سرپرستی میں تربیت کے تہذیب و بائبل سے معروض وجود میں آئی ہیں۔ اس کا زندہ ثبوت ”دینی مدارس“ ہیں، جن پر قرآن، سائنس و ٹیکنالوجی سمیت ہر علوم و ہر پیرائے کے دروازے بند ہیں۔ ہمارے علم و تہذیب اور تمدن و نعمت کی انتہا یہ ہے کہ ہم نے ”دینی مدارس“ میں ”تہذیب و تہذیب“ منع بنانا چاہیے، اور یہ اس جو مرقی کی نسبت ”مسلم ذات و مسکنات“ پس ماندی و دُرونی خوف و حزن و دُرونی دُرونی کے مذہب میں مبتلا ہے! نیز حرمین شریفین سمیت ہمارے تہذیب و تمدن، مقامات، درامہ و مہمات غیر کے ٹی میزٹوں و رہنما کی زد میں اور ان کے رحم و کرم پر ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہو کہ سوویت نے فرعون کی رازداری ہی تھی، چنانچہ اس نے فرعون کو بتا دیا کہ

دو اہم وجوہیں ہیں: "علم باقرآن" اور "علم بالعلم" سے محروم رکھنے کی نگرانی یا علمائے سوداگر
پس یہ دوران کے درلئے مسئلہ ان نیت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتب قرآنی کی جگہ
سب سے بڑا مسئلہ کی طرح نوڈال اور مسائلوں کو جمالیاتی فریب دینے کے لیے اس کا نام دینی
مدرسہ رکھا۔ ملکیت نے ہر جگہ اس "بے علم و قرآن" مدرسے کی سرپرستی کی اور کسی فرد یا جماعت کو
قرآنی مدرسہ یعنی پیامبر جس کے نصاب میں اللہ تعالیٰ کی حکم کردہ "تعلیم باقرآن" اور "تعلیم بالعلم" تعلیم
تعلیم ہونے کی جازت نہ دی۔ جیسا کہ آمرانہ ملکیت یا فرعونیت کا شیوہ ہے۔ اس نے ہامانی
تسمیہ و تزیین تسمیہ باطل کے ذریعے امت مسلمہ کو قرآن حکیم کے نام و نصاب تعلیم سے بیدار نہ کر
دیا اور اس پر غور و تدبیر اور بینا بوجی کے دروازے بند کر دیئے۔

ملکیت میں حقیقت سے شائبہ دور ہے کہ قرآن مجید سے کاد تو فرعونی ملکیت سے
تسمیہ و تزیین کر سکتی اور نہ وہ احکام قرآن کے بجائے خیر اللہ کے احکام ہی تعلیم کر سکتی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ
کی جانب سے دین رکھنے والے غیرت کی ملکیت تعلیم نہیں کر سکتے۔ غل و دہریس، سودی ملک و حکمران
نہایت ہوتا ہے، فروع نہیں ہوتا، اور اس میں ہامانی، فرعونی اور آزادی ملحق نہیں ہوتے، جو نوڈال
نہایت کے سرچشمہ میں، نیز اس میں محض صرف اللہ تعالیٰ کا چلتا ہے اور متن زراعت مور میں حکم قرآن مجید
مستند ہے۔ مگر قرآن و قول فیصل در نور و ہدایت ہے، لہذا ملکیت نے عیسائی و پابکدستی سے دین یا
ترقی کے، مگر پر مسلمانوں میں قرآن حکیم کا نکتہ تعلیم نہ کر کے، نہ اس میں نصاب قرآن رائج ہی کرنے
دیا۔ اس کے نتیجے میں مل دسمیت نامہ مسلمان قرآن حکیم کا نکتہ تعلیم و نصاب کیمس بھول گئے اور اس سے
نام آشنا ہو گئے۔

حکمران میں عشق صفائی یا ملکیت کی طلب و جستجو پیدا ہو جائے تو ہیستہ جماعیہ کے دعووں
نہایت کے بکراؤ، غی مرنش کے پانہاتوں کو اپنے شیر بندے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پابکدستی کے
غیر عشق صفائی ملکیت یا فرعونیت قائم نہیں رہ سکتی۔ فرعونیت کی دو بنیادیں در ہیں، اور وہ ہیں
نورانیت اور نگرانی۔ قرآن و نیت ایہ تمام سر پایہ داری ہے، جس کی بنیاد و تعلیم، استحصال، کثرت و

منہ کے وجود ہم اسے عزیز ترین متاعِ حیات سمجھتے ہیں اور اس میں قرآنِ حکیم کا نصاب رائج کرنے سے منکر ترسناؤں و گریزوں میں جیسے دھکم بھکن، اس میں ہمارے لیے زندگی نہیں، موت ہے، شے نہیں برکت ہے، نور نہیں نعمت ہے، حُسن و حسنہ نہیں، قبح و یتہ ہے، ہدایت و کامیابی نہیں، قدرت و نفاذ نہیں اور اس و علمائیت نہیں خوف و حزن ہے۔ بہر حال، یہ عمل ہمیشہ اربابِ اقتدار میں علم و فہم و شعور و خاص کر مونیوں، نصاب کے پیش نظر رہی چاہیے کہ قرآنِ حکیم کے بغیر کوئی مسلمان "سدامہ" زندہ رہ سکتا نہ مر سکتا ہے، نیز قرآن مجید سے مجبوری و دوری مسلمان کے لیے پیامِ موت اور اس کی ذات و مسکنت پس، زندگی و عدالت و رُخساری و مراد کی وجہ حقیقی ہے۔

بہیں کسی صورت میں بھی اس اصل سے صرف نظر نہیں کرنا چاہیے کہ علم و حکمت کسی زبان میں ہو درجہاں سے ملے، اس کی تکمیل اپنے شجرِ علم کے شودار بقاد کے لیے ناگزیر ہے، اس لیے کہ اس سے س کا تفسیر ہوتا ہے۔ علم کے نور اور تازہ تازہ افکار و نظریات اور ایجادات و اکتشافات سے علم کا ہر شاخہ جاری و ساری رہتا ہے، ورنہ وہ بن رہی کا جو پڑھیں جانتا ہے، جس میں فساد و تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی صورت حال ہمارے موجودہ علم کی ہے، بہر کیف، اہل علم و فہم پر لازم ہے کہ ہر درجہ نصاب کی کتابیں ایک تو قرآنِ حکیم کے نصابِ تعلیم کے مطابق تیار کریں، دوسرے نصاب مواد حسین و عظیم، ایمان افزا و اہمیت، فرد و فکر، نگیز و نور فزا ہو، جس کا حسن و کمال نمونہ خود قرآن مجید ہے۔ کتبِ نصاب کی غایت حقیقی مباحث کے دلوں میں علم و حکمت، جمال و جلال، درحیات و ارتقاء کی رز و کو زندہ و حرکی کرنا، درن کے نورِ قلب کا ارتقائے مکرنا ہے۔

یہ اصل ہمارے ذہن نشین رہنی چاہیے کہ علم و حکمت کسی زبان میں درکیں ہو، اس کی تکمیل اپنے شجرِ علم کے شودار کے لیے ناگزیر ہے، اس لیے کہ اس سے س کا تفسیر ہوتا ہے۔ غرض ہر اہل علم کے چشمے کو جاری و ساری رکھنے کے لیے بدلتا افکار و بدلتی نظریات و درحسب اجتہاد کی غیر معمولی اہمیت ہر زمانہ میں مہر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے بغیر علم کا چشمہ بند پانی کا تنگ و متعفن جو پڑیں جاتا ہے۔ یہی علم قوم کے لیے، آدمی و انبیائی لحاظ سے فطرتِ رساں ہوتا ہے اور اس کی، آں ترقی اور

جہاں قیارتِ عالم میں جمود و قلعہ پیداکردیتا ہے، اس وقت یہ صورتِ حال امتِ مسلمہ کے چشمہٴ علم کی ہے۔
 درس کے ذمے دار معاشقِ شرعی، محققین بالخصوص کڑ ہیں۔ جہاں تک آزر وں کا تعلق ہے، اس کے ذریعہ
 میں بہت فکر و نظر انداز کیا اور نظریات، علمِ نوافل، ص کرسائنس اور ٹیکنالوجی حرم میں اور جہاں دو
 قسم شجر ممنوعہ ہیں، اس سے میں قریب متنبہ ہوتے ہیں، اول، ہمارے علم کی یہ صورت حال سببِ حشر و
 خطرناک و برہم کاری برکت و برہم کاری کا پیش خیمہ ہے، ثانیاً، یہ ہماری قوم و ملی پس، نسل و نسل، ذات و
 مسکنات اور ممتازی دوست گیری کا بنیادی سبب ہے، جس کا مدد و ابداً خیر ہونا چاہیے، اور ناچاراً القرب
 بالقرآن کے ذریعے ہونا چاہیے۔ القرب بالقرآن سے مراد یہ ہے کہ موجودہ نسلِ تعلیم میں دین و دنیا
 کی ثنویت کو ختم کر کے اس میں وحدت پیدا کی جائے، اس کا تیسرا قرآن حکیم پر کی جائے، درس میں
 قرآنِ حکیم کا نصابِ تعلیم رکھا گیا جائے، و سائنس و ٹیکنالوجی کو نفاصل طور سے لازمی مضامین قرار دیا جائے
 علاوہ ازیں، علم و حکمت کی اشاعت، ادب و فن کے فروغ اور جہالت و ناخواندگی کا قلعہ قمع کرنے
 کی خاطر مردوں، عورتوں اور بچوں میں کتب بینی کا ذوق و شوق پیدا کیا جائے اور ان کے لیے شہرِ شہر
 اور گاؤں گاؤں میں تعلیم دہشی کتب خانے قائم کیے جائیں، مصنفین و محققین کے لیے جدید ترین سہولتیں
 مہیا کی جائیں، درس کی کفالت کوئی نہ معقول بندوبست کیا جائے تاکہ وہ علمائے کتب کے ساتھ برکت
 حاصل کر سکیں، درس کے لیے اپنی زندگی وقف کر سکیں۔

اس ضمن میں اس بات پر زور دینا چاہئے کہ ہر علم و تعلیم پر سب سے پہلے اس کی نسبت
 نصاب یک تو قرآن حکیم کے نصابِ تعلیم کے مطابق تیار کریں، دوسرے ان کا مودح ہیں، کتب،
 بیان افروز و بصیرت افروز و فکر انگیز و نور فزا ہو، یا شانِ دیگر، وہ مادی و جہاں قیارت کے لیے مفید
 ہو۔ ایسے ہی مدد کو معلوم ان نیت و پیغمبرِ صلوات اللہ علیہ وسلم نے علم، نفع، استعجیل فرمایا ہے۔
 اس قسم کی نصابی تعلیم کا بیف و تصنیف کرنے کے لیے ہر علم و فن کا آزاد و مستقل درمعا شرعی و شرعی
 کے شر و نفوذ، جبر و کسر، درخوف و طرح سے آزاد ہونا ضروری ہے۔

حاصل یہ کہ تعلیم کے مقصد مفید ذیل میں آوں، تزکیہ، اس کا مقصد دین و دنیا

تسلیم و تنویر کرنا ہے تاکہ حیرت قلب مینا ہو جائے اور اس کے نور کی ہمیں ہو جائے نیز انسان میں قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ مکن فی استعدادیں قوت سے فعل میں گر نشود رہتا کرتے ہیں۔ اور اس کے قیام میں وہ مرد کامل مثالی انسان صاحب حسن و سرور یا فرما حکیم کی زبان میں صدیق، شہید اور صالح بن جات۔ دوم، عباد میں عدم حکمت کی قوت و توانائی اور عدم حیرت پیدا کر کے انہیں "ہی سکتا بنانا" ہے تاکہ وہ انسان کی تسخیر کرنے کے قابل بن سکیں۔ سوم، انسان میں حسن و زندگی، دنیوی و اخروی حسن و مادی و جہلیاتی رتف کی آرزو کو زندہ و فعال کرنا اور اس کی نیکیوں کی فہمیت پیدا کرنا ہے۔ چہارم، انہیں حقیقی تو میز ستر بنانا ہے۔ پنجم، انہیں خود شناسی و خدا شناسی بنانا ہے تاکہ باہمی رشتے کی معرفت سے ان میں محبت اور اس کی شمع فروزاں ہو جائے۔ اور اس کی توفیق سے تیز تر ہوتی جائے۔ ششم، انسان میں سرمہ کے طبقہ جلیلہ و منکر کا فہم و ادراک پیدا کرنا، نیز انہیں انسان خدا کو پہنچاندر جذب کر کے ان کے مطابق زندگی کرنے کے قابل بنانا ہے۔

غرض، قرآن حکیم کی رو سے تعلیم کی غایت اخلاقیات، عباد کو دوسرے باب، عباد و تر حسن انشویہ الملتزم، ویاتہ و رانہ سے یافتہ بند سے بنانا ہے۔ جن کو قرآن مجید بقیہ انبیاء و شہداء و رسل علیہم السلام تعبیر کرتا ہے۔

۴۔ تعلیم الحکمت

حکمت کو قرآن حکیم نے تیسرا معانی اصطلاح کے طور پر استعمال کیا ہے۔ یہ علم کی قوت و توانائی، سائنس، ورنہ و بدایت کو، حسن طریق سے کام میں لانے اور ان سے کما حقہ استفادہ کرنے کے لئے علم و ہمت ہے۔ مزید یہ کہ اس میں شعور و ہوش، تجربہ و دانش مندی، نظری و عملی عقل سلیم اور علمی و دینی ہمت کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں نشہ و فساد، جہاں وقت و زندگی میں شاقی برائیوں کو دور کرنے و اصلاح و رشتہ خیر سبکی و براداری و درمن و سلمہ متنی کی فضا پیدا کرنے کی عرصہ حیرت پائی جاتی ہے۔ اسی بنا پر قرآن نے حکمت کو خیر کثیر کہا ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ

دیر سدا کی سنت سے ہے جو کہ میں کی غلیغلی ہے۔ اور کہ میں غلیغلی علم و ہدایت کا سرچشمہ ہے جس کے
آبِ حیات میں مرضِ قلب کو شفا دیتے اور اس کا تزکیہ و احیاء کرنے کی تاثیر پائی جاتی ہے۔
رب کریم کی ہدایتی تعلیمی فعلیت یا کلمہ کن کے سبب سے زندگی سدا حیات کی تغیر میں رہتی ہے۔
اس حیات کی تغیر میں سے دنیا میں خوب کچھ پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کو حل کرنا قوم ہمارے دینی و
جہاد کی ارتقا کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ ان مسائل کو بطریق احسن حل کرنے کے لیے جہاد لازم ہے اور
جہاد کو حکمت متذہبہ ہے۔ اس اعتبار سے حکمت و جہاد لازم و ملزوم ہوتے۔ اس سے متنبہ ہونا کہ
جہاد کے لیے عالم و حکیم ہونا مبادی ہے۔ باغیغہ دیگر علم و حکمت کے بغیر کوئی شخص جہاد کا سرور
نہیں محرز۔

حکمتِ انسان کو حسین زندگی بسر کرنے کا چہرہ دکھاتی ہے جس زندگی سے مرد خوف و حزن سے
منزہ و متنہ و خوش و مسرور زندگی ہے جس کا جہاد پائی رات و باری ہو اس سے یہ تنبیہ
کرنا مستعد نہ ہو کہ حکیم شخص نہ لے صاحبِ اس دور اور کامیاب انسان ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کے نزدیک
حیاتِ انسانی کا مقصد حقیقی دنیوی و دُنیوی "حسنہ" کا حصول اور مذہبِ انسانی مفہود انسانیت
۲۰۱۲ "حسنہ جامع و مانع" ہے۔ قرآن کریم سے اور یہ ہر اس مادی و روحانی نعمت پر درست کرتی ہے۔ جو
انسان کے لیے دنیوی نعمت و مسرت ہو جس کی ضرورت فیضِ بندہ ہے جس کا نہ قلب میں خوف و حزن
کی آگ لگنا ہے جس کے مذہبِ فہم کی شدت سے نہ کہ پناہ۔ حکمتِ حسنہ کے حصول و ریت کے مذہبِ انسانی
سے مفہود و مفہوم رہنے کا ذریعہ ہے۔ اس کی حکمت کی غیر معمولی وسیعیت کا اندازہ ہوتا ہے اور
سائنس میں اس کی توجیہ بھی ہو جاتی ہے کہ کیوں مترفع انسان اسے قرآن حکیم کے مذہبِ تعلیم میں
مثبت کیا ہے۔ اُس مسئلہ کی پس منظر کی ذمہ داری و ذلت و مسکنت کا ایک بنیادی سبب یہ ہے کہ اس کے
"دینی" و ریکور تعلیمی ناموں میں حکمت کو کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ اور نہ یہ سبب کے خداوں میں شامل
کیا ہے۔ سبب تعلیمی ناموں کی یہ صورت حال جو قرآن حکیم کے واضح حکام کی حکمِ خداوندی و رزق
سے جس قدر قرب کی متعلق نہیں ہے، اگر سبب اور یقیناً ہے تو پھر میں اسے تعلیمی ناموں کو فوری طور

سے ہر انسان میں شہادت کو ڈر کرنا، در قرآن حکیم کی روشنی میں اس کی تشکیل نو کرنا ہوگی جس میں تعلیم حکمت کو لازمی قرار دینا ہوگا۔

۵۔ علوم نو کی تعلیم

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں کہ **وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ** (البقرہ ۲: ۱۵) اور وہ تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے یہ کیسی نہ کہتہ منہرب رُغْمِ غَلَمِ عَلِيہِ صَلَوةً وَآلِہِیْہِ وَسَلَّمَ حکمت کی سبب و جستجو رکھنے والوں کو نئے علم و حکمت کی سی سی سے نئی باتیں یا علوم نو سکھاتے تھے، جس سے وہ سبب نہ ہوتے تھے، تاریخِ علوم شہد ہے کہ علم و حکمت کے نئے نکات و اصول ہی علوم نو کی اس بنا کرتے ہیں۔

ہم علوم نو کے ہیں کہ عام مثل شجرِ حقیقہ ہے جو سدا برگ و بار بار رہتا ہے وراثتاً سے سرمدی س باقی رہتا ہے، اس لیے کہ اس کا راسخ علم و حکیم کی شان یعنی جاساتی تحقیقِ حقیقت سے استوار رہتا ہے جس میں وہ برکت پائی نمود نو رکھتا ہے اس کے نتیجے میں زندگی کے نئے نئے مسائل پیدا ہوتے اور اپنے حل ہوتے بنا کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ ہر علم و فن کو علم کی غلب و جستجو سدا رہتی رہتی ہے، ہذا وہ زندگی کے مسائل نو ہو پڑتے رہتے، و انہیں حل کرنے میں کوشاں رہتے ہیں جس کے نتیجے میں علوم نو جنم لیتے ہیں، جنہیں دوسروں کو منتقل کرنا تعلیم کے مقاصدِ جمیدہ میں سے ہے۔

یہاں سے نگرانی کی ضرورت کر دی جاتی ہے کہ جو قومیں نو علوم و مسائل حیات پر توجہ رکھتی و انہیں حل کرتی رہتی ہیں، وہ ترقی کی راہ پر گامزن رہتی اور دیگر قوم کی قیادت کرتی ہیں۔ بخلاف اس کے جو قومیں مسائل سے صرف نظر کرتی ہیں وہ پس ماندہ رہ جاتی ہیں و ان کی پس ماندگی کے باعث وہ ماندگی، محرومی و نامرادی، ذلت و مسکنت و رخصت جی و دست نگرانی کا سبب بن جاتی ہے۔ مسلم قوم کی زبوں حالی ذہنی و جسمانی سبب ہے، اس کا علاج اجتماعِ مدرّسین ہے جو مسائل حیات کو حل کرنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن ’فہم مسلمہ کی بدنبیلی یہ ہے کہ ملکیت کے

جہد و تبادلت سے عرب اور مراعات خد و نہ کے لیے ہیں اگر اُزیت نے صدیوں سے اجتہاد کو کٹھن
ممنوعہ بنا رکھا ہے۔ اجتہاد کے دروازے ہر دور کو کھلتے ہیں۔ ان کو کھولنے کا ایک ذریعہ ہے

اور وہ ہے:

حسنِ انقذاب کے ذریعے معاشقی سرکاریوں کا استیصال

شیخ غلام القذیری خوب بگڑے ہوتا ہے ورجب اسے منہ دوں مذاقتی ہے تو اس کی شانیں پھوٹتی
ہیں وروہ برگ و بار مانتا ہے جنہیں نظریات نو، فکر تازہ و معلوم نو سے تعبیر کیا جاتا ہے اسے خوب فکر
پانچ قسم کی جمالیاتی تحقیقی فعلیتوں کے ذریعے دینا پڑتا ہے وروہ یہ ہیں: (۱) سمع (۲) بصر (۳) فکر
(۴) تحقیق (۵) تجربہ۔ یہ فعلیتیں دراصل ایک ہی سلسلے کی ہی پانچ کڑیاں ہیں جو اگر از روئے حق
زندگی رب، حب و جستجوئے علم و حکمت (ج) مختلف یہم و صبر جمیل (د) خلص و حسن نیت (و) توبہ
یہم و دامن کو پستی میں۔ ب ا جمالیاتی تحقیقی فعلیتوں کی بھر صراحت کردی جاتی ہے۔

۱۔ سمع سے مراد سمع بالحق ہے۔ یعنی استفادہ و شکر کی خاطر دل و دماغ کو تائب و غفلت سے
پاک و صاف کر کے گوشِ حق و گوشِ حق کے ساتھ علم و حکمت اور حسن و حق کی باتیں سننا۔

۲۔ بصر کا مطلب مشاہدہ و متعبد بالحق ہے، جو دیدہ و عبرت نگاہ اور حکیمانہ انداز سے کیا جاتا ہے۔
اس سے مقصود جمعی علم و حکمت و رغبت کا حصول ہے۔

۳۔ فکر سے مراد جمالیاتی تحقیقی تدبیر یہم و دامن ہے۔ اس کا غرض تجسس و تلبسِ حق و راز و نیاز
حقیقت ہوتا ہے۔

۴۔ تحقیق کا مقصد تلاشِ حق ہے۔ یہ بھی غور و حسن نیت چاہتی ہے۔ اس کا انداز شکیب اور
انجام تحقق ہوتا ہے۔

۵۔ تجربہ اس کا انداز مشق و مزد و است اور تجربہ تمام و کمال دریںجا دو ختہ چاہیے۔
۱۔ افسانہ وین و حق سمیت قوم و فنون میں مغربی قوم کی حیرت انگیز ترقی کے علوم و فنون
میں سے ایک نمونہ نوں و جستجوئے نو پسندانہ سمیت ہندو مسلم قوم کی پس ماندگی و دراندگی کا

ایک نیا دینی سبب علوم نو کی گزند کا فتنہ ہے۔ اس سے متنبہ ہو کر گرامر اپنی بقا و سلامتی اور
گزندہ و خوشحالی کی آرزو رکھتے ہیں تو ہمیں ایک تو صبا دہیں علوم نو کی طلب و جستجو پیدا کرنا ہوگی اور
دوسرے انہیں منعم و مشہورہ و تحقیق و تجربہ کے لیے جدید ترین قسم کی تجربہ گاہیں، کتب خانے اور
لائبریریز وغیرہ دینی سہولتیں فراہم کرنا ہوں گی۔ چونکہ تحقیق و تجربہ ۵۵ برس قبل و جان کو اس کی نذر کیے
بیغ نہیں ہو سکتا، لہذا ایسے اہل شوق و تجسس کی طمانیت قلب و فارغ البال کا ہتھامہ کرنا حکومت کے
فرائض منصبی میں سے ہے۔

بہم ن سو ہوں کہ جو بادیے کی کوشش کرتے ہیں جو شروع میں ٹھٹھے تھے رسول یہ ہے
نہ کہ مدرسے دینی مدارس کا نصاب تعلیم وہی ہے جو قرآن مجید نے متعین کیا ہے اور جس کی شادی
اوپر کر دی گئی ہے نیز جس کی تعلیم دینے کے لیے معلم نوٹ انسان فی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے اور جس کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی ہے اس کا معانی
سید مرتضیٰ جہاں آبادی تلمیذ اور عبرت انگیز ہے۔ نقل میں ہے۔ یہ سنت کی بات ہے کہ ہر دینی
مدرسہ میں قرآن مجید کے نصاب کا کوئی ایک مضمون بھی صحیح معنوں میں پڑھا نہیں جاتا۔ اکثر مفسرین
سے تو یہ مدرسہ شش تک نہیں۔ حد تو یہ ہے کہ مدرسہ نظامیہ میں قرآن مجید کے صرف چھ معانی پاروں کو
پڑھایا جاتا ہے۔ ورنہ بھی عقل و فکر کی مدد سے نہیں بلکہ کسی تفسیر کی گورنہ تفسیر کے ذریعے۔ وحید
جے کہ مدرسے میں عقل و فکر شجر ممنوعہ ہے۔ نہ قرآن حکم عقل و فکر سے کام لینے کی راہ تاکید کرتا ہے اور تاریخ کے
حوالے سے ہمیں قنہ کرتا ہے کہ جو قوم اپنے حوس اور عقل و فکر سے کام نہیں لیتی وہ ہلاک و برباد
ہو جاتی ہے۔ ورنہ اس کا آخری ٹھکانہ دوزخ ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے واضح شکاف الفاظ میں اس حقیقت کا
مردم پر دیا ہے کہ غیور و راجح یعنی رب رحمن کے بندے وہ ہیں جو کثرت میں قرآن حکیم پر غور و فکر
کرتے اور عقل سے کام لیتے ہیں اور حیب ان برائیوں سے بھی بچتی ہیں تو وہ اندھوں و رہروں کی
معدن برائیوں میں نہیں پڑتے بلکہ ان برائیوں سے بچتے ہیں اس کا منصب یہ ہے کہ قبول حق بھی سوچ سمجھ
کر لیا جائے۔ دینی مدرسے میں سوچنا نہایت ضروری ہے۔ قرآن حکیم کے نزدیک سمجھنا
اور میں کا تعلیم پر غور کرنا اور اٹھتے بیٹھتے، بڑھتے بڑھتے، بڑھتے بڑھتے، بڑھتے بڑھتے، بڑھتے بڑھتے

ہے عقل پر نگہ انداز کی نعمت غلطی ہے، لہذا جو افراد یا اقوام اس سے کام نہیں لیتیں، محض گورنہ
تقدیر پر گزارہ کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی کونجاست میں غرق کر دیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ کفرانِ نعمت
کی پاش میں ملسوب ا عقل ہو کر نجاست خور چوپاؤں کی طرح موبائی ہیں۔

اصل یہ ہے جو قومیں حوس اور عقل و فکر سے کام لینا چھوڑ دیتی ہیں اور اپنے دیراجتہار کے
دروازے بند کر بیٹتی ہیں تو اس کے نتیجے میں علم و حکمت اور سائنس و ٹیکنالوجی سمیت علوم و فنون
دروازے مسدود ہو جاتے ہیں اور ان کے چشمہ علم میں افکارِ تازہ اور علوم نو کا آبِ حیات نہ بہتا ہے۔
لہذا اس میں فساد و فتنہ پیدا ہوتا ہے پیغمبرِ عظم و اخترِ مکی اللہ صلیہ وسلم کا یہ ارشاد حکیمانہ و فیاضانہ
ہے کہ آبِ حیات کے حلال ہے اور سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ آبِ حیات صحت بخش و بہترین غذا ہے
ہوتا ہے اس لیے کہ پانی پانی روانی سے آبِ حیات بنتا ہے۔ بخلاف اس کے بند پانی ہے فقیرانہ
کے بسبب تشنگی و صحت کے لیے مسرت رس موتا ہے، عینہ ہمارے چشمہ علم کی صورت میں ہے۔

ہمارے دینی مہدرست کی ایک بابتیں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں علم کی مدد و توجہ ذیل
ذرائع اور ثمرات شجرِ منورہ ہیں: سمع و بصر، عقل و فکر، علم و سداد، تحقیق و تجربہ، سائنس و ٹیکنالوجی،
افکارِ تازہ و رکش و جرید و رسالہ، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان عظیم نعمتوں کا استعمال
ساترہ کرتے ہیں نہ عباد ہی کو ان کے استعمالات کی اجازت دیتے ہیں، اس کا منطقی نتیجہ ہے کہ جو صاحب
ان سب قدر و علم ہمارے سے ذریعہ تکمیل ہو کر نکلتے ہیں وہ ملسوب انعم ہو کر نکلتے ہیں اور ہمارے
یہی ذریعہ تکمیل طلباء، علم نائش، مدارس و مسلوب انعم تلامذہ کے ساتھ اور نہایت بہرے اور
مسلوب عقل و طبیعت کے پیشوا و خطیب در پیر و شیخ بنتے ہیں، یہاں اس بصیرت فروزا فکر و خیال کے
پروردگار تکمیل حاصل ہوگا کہ جو قوم سب ذوالجہن و کرم کی کسی نعمت یا نعمتوں کی قدر نہیں کرتی،
یعنی ان کا استعمال نہیں کرتی تو قدرت ان نعمتوں کو سب کر لیتی ہے، یہ اس کا قانون کفرانِ نعمت
ہے، اُمّتِ مسلمہ کا یہ شر و دروغیت سے بھرپور ہے، عین ہمت کم اس کا شعور رکھتے ہیں، وجہ یہ ہے
ان مسدود و معطل ہو جاتے ہیں اور قلب پر مہر لگ جاتا ہے، یہاں خود گیر، کفرانِ نعمت کی پاش میں

حتیٰ وہی قومیں جو انسان کی امتیازی خصوصیات ہیں، مملوب ہو جائیں تو آدمی تقنی طور سے تو بڑھتا رہتا ہے، لیکن تقنی انسان سے انسان نہیں رہتا۔ اس پر سکڑاں جہل کی حالت جاری ہو جاتی ہے اور وہ اپنے درجہ کے ساتھ اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے، نیز اسے اپنے سود و زیاں کا حساس و شعور نہیں رہتا۔ البتہ اس لوگوں کو قمرانہ مجید نے "سفل سافین" سے تعبیر کیا ہے۔

اس عبرت ناک صورتِ جان کا نتیجہ ہے کہ ہم زندگی کے ہر شعبے میں پس ماند و دوندہ و رڈیں دھو رہے ہیں۔ ورتقی یا لٹرا قوام کے دست نگر اور مقلد ہیں، نیز اپنی بتا دہل منی کے ساتھ اس طرح کے جہل و کم ہوشی میں جیسے ہیڈوں کے ریور بھیڑیوں کے نرغے میں ہوں، ہماری س زبوں کی منت داری ہے قرآن و قلم مدرسہ پر قائم ہوتی ہے، جس کے بابائے علم و عقیدہ امت مسلمہ کو فرقوں میں تقسیم کر کے درندہی و دروغ و رواج کی زنجیروں میں جکڑ کر سادہ و سلیخوں کا اس طرح رستہ بن کر رہے ہیں، جس طرح سود و ثروت و رونی، سرکاری طبقے، نرغوں اور محنت کشوں کا استحصال کرتے ہیں، ان کی عرق ریزی و خون ریزی کے حاصل سے اپنی نشوونما کرتے ہیں، جس طرح قیرون یعنی باہر ہائے برکت زمین، دریا و دریا و صنعت کار اپنے مزارعین و محنت کشوں کو نرغہ جاب و دربارہ حاصل کرنے کی تمام اپنی جائیدادیں و رشتہ قواں میں سکولوں اور کالجوں کا قیام برداشت نہیں کرتے، اسی طرح مملوب علمائے دین اپنے مدرسوں میں عقل و فکر، لوح و قلم، علم و ہنر، سائنس و ٹیکنالوجی و دیگر بہرہ دہانہ و فائدہ مند جہاز کو دھکیل کر انہیں کرتے۔

مملوب شعور و تربیت کی ورہات ہے جو جانتی تو ہے بیدار نہیں، اور نہ کون نہیں جانتا اور نہ کہ یہ چھوڑ دینا اس کا زمانہ نہیں بلکہ سائنس و ٹیکنالوجی کا دور ہے، جس میں انسان برق منہ و تار سے ترقی و ترقی و ترقی کی تسخیر کر رہا ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی کی بجائے کوئی قوم اپنی جغرافیائی و ثقافتی سرحدوں کا تحفظ نہیں کر سکتی ورنہ ترقی ہی کر سکتی ہے۔ نہ زود وقت و مسکن کی دہان ہی سے نکل سکتی ہے تو پھر سود پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے مزارعین یا پیشوایان اپنے بے قمر و قلم مدارس میں سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کو ہتھیار نہیں

تھے، لہذا ان کے قیام کا شرعی جواز پیدا کرنے کی خاطر فرعون کی ملکیت نے "آزیت" کو پیدا کیا۔
 آزیت عبارت ہے علمائے سنی کے در سے سے: اور پھر اس آزری اور سکے کا مترادف
 میں اہمیت و مقبولیت اور اثر و نفوذ کے خوف سے اسے مختلف مذاہب یا فرقوں میں منقسم
 کر دیا تاکہ وہ آپس میں دست و گریباں رہیں۔ ایک دوسرے کی تکذیب و تہقیر کرتے رہیں اور
 متحد نہ ہو سکیں: نیز اس کے نتیجے میں امت مسلمہ بھی مختلف فرقوں میں بٹ جائیں اور ان میں
 تشتت و انفرق پیدا ہو جائے، اور اس کے نتیجے میں وہ حکومت کے خلاف متحدہ من و زبان نہیں
 ملکیت زرعی فرقوں کے اختلافات کو ہو دیتی اور ان کی سرپرستی بھی کرتی رہی حکومت کی ہر
 سرپرستی کے عوض آزیت نے اپنی وفاداری اور کارگزاری کے ثبوت کے طور پر تسمیہ با بائل اور
 تاویل با بائل کے ذریعے سلا م دشمن فرعون و یونانی و رومی و آزری تماموں کو ہر ذریعہ سے
 دیا۔ ساتھ ہی یہ ان تسمیہ با بائل کے ذریعے مسلمانوں کو باور کرائے ہیں کہ آزیت کہ یہ زرعی سام
 نقشہ ضرورت (جو آزیت کی ایجاد ہے) کے اعتبار سے غیر مسلم نہیں بلکہ زندگی کے جدید تقاضوں
 کو پورا کرنے کے لیے ناگزیر ہے۔

زمانہ زرتائیہ و امتداد وقت کے ساتھ میں نئی کے ذہن سے ساری حکومت و معاشرت
 اور ثقافت کا نقشہ نئے نئے اس طرح محو ہو گیا کہ وہ سرخانی نئی مولوں سے کر دی گئی تھی جس کے در
 اب تک سمجھ رہے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ یہی امت مسلمہ سب سے بڑا امتیاز اور ان کی ذلت و مسکنت
 اور پس ماندگی و غفلت کا ایک بنیادی سبب ہے۔ تاریخ میں عبرتناک واقعات کی بنا پر سب کہ جب
 بھی کسی لشکر کے شیر نے فرعون کی تمام حکومت کے خلاف آڑا اٹھائی اور اس کی جاکر بغیر ہر مذہب و نژاد
 صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مسلمانوں کا نعرہ بلند کیا تو آزیت نے فوراً اس کے خلاف انفرک فتوت
 و مخالفت و سرکویت نے اس کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کرنے اور دوسروں کو دشت زدہ کرنے
 کی خاطر بھی اُسے در پر تو بھی اس کا سر نیز پر چڑھایا، کبھی اُسے زم کا بیہوش چھینے پر مجبور کیا
 تو کبھی اُسے تیرہ تنگ کانٹے بنایا: کبھی اُسے زمین میں مہ کر چھینے کے لیے ڈال دیا تو کبھی اُسے

شک و تردید سے کر دیا۔ فرعون کی حکومت کی نمایاں نشانی یہ ہے کہ اس میں ہامانی، تارونی اور آتری نظام ہوتے ہیں۔ درودہ ان تینوں کے اتصال سے گریز کرتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ ان کے بغیر وہ تباہ نہیں رہ سکتا۔ اس کی دوسری پہچان یہ ہے کہ اس کا نظام تعلیم مردم گر نہیں کرتا ہے۔ اگرچہ یہ کہ وہ غیر فطری یا غیر قرآنی ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا نصاب تعلیم ایسا نہیں ہوتا جو خدا کے تقویٰ و عزت سے حسن و حیات کا احیاء و ارتقاء کرے، ان کی خداداد استعدادوں کو قوت سے فعل میں لائے۔ ان کا تزکیہ قلب اور نور کا اتمام کرے، یعنی ان کا جمالیاتی ارتقاء کرے، نیز انہیں حکمت سکھائے۔ ان کے اخلاق کی تحسین و مکام اخلاق کی تکمیل کرے یا بالفاظ دیگر، انہیں اولیٰ ان لباب بابِ ذوق و نظر، اہل حسن و سرور یا قرآن حکیم کی زبان میں صالحین، شہداء اور صِدِّیقین بنائے۔ ہماری محرومی و شقاوت کی ایک وجہ یہ ہے ہمارے ہاں دو قسم کے نظامِ تعلیم رائج ہیں اور دونوں مردم گر نہیں بلکہ مردم کش ہیں۔ ان میں سے بے قرآن ”دینی“ نظامِ تعلیم سے گفتگو ہو چکی ہے، سببِ فقر و سیکولرزمی تعلیم سے یہ کیا جاتا ہے۔

ہمارا سیکولر نظامِ تعلیم

ہماری تعلیم ہمارا محبوب و رشتہ غلامی اور برطانوی استعماریت کی یادگار ہے۔ انگریزوں کی ساری پالیسیاں مسلمانانہ ہند کو مردہ و خور غلامی بنانے کی خاطر بے قرآن سیکولرزمی تعلیم کی اساس ہیں۔ اس سے سب سے پہلے قرآن دینی مدرسے یا نظامِ تعلیم سے تعرض نہ کیا۔ انگریزوں کی اس حکمت عملی میں ایک غیرت انگیز و بصیرت افروز نکتہ منظر ہے اور وہ یہ ہے کہ انگریز ایسی دانا و بینا حکمران قوم کی تحریک میں ہیں جو بے قرآن و قلم ”دینی“ نظامِ تعلیم یا مدرسے کی قطعاً کوئی اہمیت و وقعت نہ تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے اس اصل کا علم ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کا نظامِ تعلیم نصابِ قرآنی کے اندر کے سبب مردہ و کار از رفتہ، نیز اس کے زوال کے عوامل میں سے ہے۔ لہذا ایسا بے قرآن و قلم درجہ پدیدہ سے نا آشنا نظامِ تعلیم اس کی استعماریت کے لیے خطرناک ثابت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ

مثلاً اس میں نہ تو کافرانہ، مشرکانہ اور ملحدانہ نظریات ہوں ورنہ فحشاء و منکر، فسق و فجور اور فتنہ و فساد کی باتیں ہوں۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ ہم دوسری اقوام کی عظمت و حکمت، ادب و فن، مذہب و تجربات، افکار و نظریات اور سائنس و ٹیکنالوجی سے استفادہ نہ کریں؛ بلکہ ان سے استفادہ کریں ہرگز بارگزریم اور کماحقہ کریں اور ان کی مدد سے خود بھی نئے نئے تجربات کرتے رہیں اور تحقیق و تفتیش اور ایجاد و اختراع میں ان پر سبقت حاصل کرنے کی بھرپور سعی و ہمد کرتے رہیں۔

علم کے بارے میں یہ اصل ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے کہ ربِّ علیم و حکیم نے انسان کو جو علم عطا کیا ہے اس کی حیثیت علمِ انہی کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے قطرے کی بحرِ بیکرن کے مقابلے میں۔ غلوہ بریں، انسان کا علم ارتقائی ہے، ورنہ حقیقت اس کی ناقصی و نقص کی دلیل ہے۔ پھر بشرِ منزلہ عن الخفا بھی نہیں، ہذا علم ان فی کوہِ جن میں وحی و تنزیلِ آخر کے تابع ہی رہنا چاہیے ورنہ کی روشنی میں اسے اپنا نشو و ارتقاء کرنا چاہیے، وحی و تنزیلِ آخر یا قرآن مجید کی شرطِ طاعت میں یہ اصل منظم ہے کہ کتبِ سماوی میں سے صرف یہی کتاب اس وقت تحریرِ اخلاقی و معنوی سے مستوی و معنوی ہے جس کی حفاظت و سیانت کی فہم دہی خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے۔

آخر میں علم و حکمت کی تعلیم و تعلم کے سلسلے میں یہ اصل اصول ہمیشہ رہنا چاہیے کہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ انھارِ ابدی کی آزادی انسان کا فطری حق ہے اور اسے ہرگز روکنا چاہیے؛ نیز آزادیِ علم و حکمت کے نشو و ارتقاء کے لیے ناگزیر ہے، غلوہ بریں، تخلیقی فکر کا منہ ہی نہ ہو، افکار و نظریات کی تخلیق ہے جس سے اہم و حکمت اور چمنِ رب و فن کی رنگ و رنگیں ہوتی ہیں۔ زبانِ بندگی فرعون و ہامانی، ورازداری و تارونی سرِ بول کا شیعہ ہے، مذاہبِ معاشرت میں غلوہ ابدی کی مکمل آزادی نہ ہو، وہ یقیناً سرِ بولِ زرد و محکوم ہوگا، معنوم ہوگا کہ زبانِ بندگی سے مست ہے سرِ بولِ معاشرت کی، یہ کتنی عبرت ناک حقیقت ہے کہ قریب قریب سب مسلمان کتبِ سرِ بولِ زرد میں اور زبانِ بندگی سب کا دستور ہے، چنانچہ زبانِ بندگی و سرِ بولِ زرد کی نذر ہم ہیں، ہذا سرِ بولِ معنوم کا قلع قمع کیے بغیر معنوم انسان کا آزادیِ انھار و ابدیت سے محروم رہنا بدی ہے۔ اس

محرری سے نجات پانے اور آزادی حاصل کرنے کا واحد درج معاشرتی سرگاہوں کا استیصال بذریعہ
حُسنِ انقلاب ہے۔

حواشی

۱. ثقافتی انقلاب: (Aesthetic revolution)
۲. دیکھیے الاطراف: ۱۵۷۔
۳. دیکھتے ہوئے کتاب بغیر غم و آہ: فیروز سنہ ۱۹۸۲ء۔
۴. اَلْعِلْمُ قَرِيْنَةٌ عَلَى كُلِّ مَسْلُوْمٍ وَ مُسْلِمَةٍ
۵. مَلِيْكُو الْعِلْمِ مِنَ الْمُهْمِرِ اِلَى الْاُخْرٰى
۶. ہمارے خدایا اللہ سے عبادہ العلماء (۱۰: ۳۵)۔
۷. سلطان: الرحمن: ۳۳: ۵۵۔
۸. حکمت خیر کثیر ہے: البقرہ: ۲: ۲۵۹۔
۹. مسک: ۱۰: ۵۷: نیز دیکھیے انبیاء: ۱۰: ۱۰۱: انشراح: ۲۲: ۸: و بقرہ: ۲: ۲۵۹۔
۱۰. آل عمران: ۳: ۱۹۱۔
۱۱. الفرقان: ۲۵: ۳: الاسراء: ۱: ۱۰۷۔
۱۲. آل عمران: ۳: ۱۵۷: فرقہ: ۳: ۱۵۷: بقرہ: ۲: ۵۷۔
۱۳. یونس: ۱۰: ۱۰۰۔
۱۴. انشراح: ۲۲: ۸۔
۱۵. مستجابِ رواں: ارشادِ نبویؐ۔
۱۶. فرقہ: ۳: ۱۵۷: انشراح: ۲۲: ۸: فرقہ: ۳: ۱۵۷۔
۱۷. تیس: ۵: ۵: نیز دیکھیے انشراح: ۲۲: ۸: فعلت: ۴: ۵۷۔

حسن الترتیب

۲۱۸

احقر شمس الدین محمد بن محمد بن محمد

۱۸. الترتیب ۳۱۹.

۱۹. الترتیب ۳۳۵.

۲۰. حسن کورن: ۱۱۱.

۲۱. الترتیب ۳۵۰.

باب (۷)

عورت کی حیثیت اور فرائض

معلوم ہے کہ عورتیں سب درمیان ذات فیمہ ہیں کہ میں شرع میں عورت کی حیثیت اور فرائض کا بیان ہے۔
 اس مسئلہ کو سمجھنا بیانیہ فقہ شریعت سمجھنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اس مسئلے میں یہ حقیقت ذہن نشین کر
 لینا چاہیے کہ رب ذوالجلال واکرام کی تخلیقی فعلیت جمالیاتی و تزیینی سبب اس کا موجب یہ ہے کہ
 عورتوں پر حیز تخلیق کرتا ہے ایک تو استحقاق حیلین و رد و دوسری اس کا جو عین کر پیدا کرتا ہے جن پر
 اس کی ہر مخلوق زوجین ہوتی ہے اور ان میں سے ایک صنف جمیلہ یا نر و دوسری صنف جمیلہ
 یا عورت ہوتی ہے۔ مختلف یہ کہ ہر حیضہ زوج ہوتا ہے اور عورتوں کا زوج بحال ہے اور یہ دونوں جنس کے
 اجزائے ترکیبی ہیں۔

معلوم ہے کہ دونوں شقائق کی ہیں تخلیقات ہیں اور صنف جمیلہ کے مقابلیت میں عورت صنف
 جمیلہ ہے۔ صنف جمیلہ اگر قوت و توانائی، بیعت و حیرت، علمت و رفعت، شان و شکوہ، سعادت و رب
 و عزت، ان و شجاعت کا منہ ہوتی ہے تو صنف جمیلہ انصاف و نزاکت، محبوبیت و دل ندرمی و حیا و
 عورت کی انصاف و عزت و کرم کی توجہ و تفتوت ہے۔ دونوں میں برابر تقابلیت استقامت کے مقابلے میں
 عورت کی حیثیت اور فرائض کی تعبیر کرنے میں معیار کا نام دیا جاتا ہے۔

اس مسئلے سے قرآن مجید میں عورت کی حیثیت و فرائض کو ایک زبیر نکرانیز و بصیرت افزا اور
 ان سے واضح کیا ہے۔ اس کا رشتہ عورت کی مثال مزرع یا کھیتی کی سی ہے جس طرح مائیدات
 میں عینی وسیلہ پیدا و رستہ اور اس پر پیدا و رستہ و دیعت ہوتی ہے جسے فرائض
 میں اس نے کہ عورتوں میں اس میں بیج ڈالنا، پھراس کا تغذیہ و تزکیہ و دیکھ بھال کرنا ہے۔ اسی

طرحِ عالم میں تیات میں عورت بھی وسیعہ پیداوار ہے اور اپنی حیاتیاتی تخلیقی استعداد کو قوت سے نفع میں لانے کے لیے مرد کی محتاج ہوتی ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے کہ عورت بھی مرد کی طرح انسان، اشرف المخلوقات اور صاحبِ ارادہ و اختیار ہے، اور اس میں علم و حکمت و معرفت و ہنر و فن کے اکتساب کی استعداد باقوہ و دایمت ہوتی ہے، نیز وہ صاحبِ سمع و بصر و صاحبِ عقل شعور اور صاحبِ جذبات و حساسات ہے اور اپنا ایک مفرد وجود و تشخص رکھتی ہے۔ مردہ بریں۔

اس میں جمالیاتی تخلیقی صلاحیتیں بھی ودایمت ہوتی ہیں، یہ حقائق عورت کی معاشرتی حیثیت و فرائض کی تعیین کرنے میں بڑی مدد دے سکتے ہیں۔ اس ضمن میں قرآن مجید کا اصولی نقطہ بھی ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے اور وہ ہے: لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا اَرًا و سَعًا و اَرًا بِنَفْسِهَا ۚ اَشَدُّ كَيْسًا ۚ

کو اسی درجہ کی بات کا مکلف کرتا ہے جس کی درجہ بندی اس میں طاقت عمل یا قوت برداشت ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کے اس اصولی نقطہ کے مطابق عورت پر معاشرتی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، لہذا معاشرے کے نشو و ارتقا میں وہ سب کچھ کرنا چاہیے جو وہ کر سکتی ہے۔ اس بات کہ عورت کو قدرت کی طرف سے جو قوتیں ودایمت کی گئی ہیں، ان سے کام لینا عورت پر لازم ہے جس طرح مرد پر لازم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایسا نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے، جس سے زور و نعمت لازم آتا ہے، قرآن مجید کی رو سے اللہ تعالیٰ کی کوئی تخلیق غیبت و بے مقصد یا بے نتیجہ نہیں، بلکہ ہر مقصد اور فائدہ کی حامل ہوتی ہے، لہذا عورت جو اللہ تعالیٰ کی جلیل ترین مخلوق ہے اسے قدرت کی طرف سے جو قوتیں ودایمت کی گئی ہیں ان میں سے کوئی قوت بھی تخلیقِ بابل میں نہیں ہوتی، لہذا انہیں بڑے کارآمد اور ان سے اپنی اور بہتر عملی زندگی کا نشو و ارتقا کرنا مقتضائے فطرت و انسانی درجہ و شان ہے۔ اس سے متنبہ ہو کر اگر کوئی فرد یہ معاشرہ عورت کو اس کی فہم و استعدادوں کو قوت سے نفع میں لانے یا بروئے کار لانے کی بہارت نہیں دیتا، وہ ان کی فہم و استعدادوں کو پامال کرتا، عورت کو اللہ تعالیٰ کی نہیں اپنی موکر سمجھتا، نیز قدرت کی تخلیقی فہمیت کی حق و رس کی نعمتوں کی تکفیر کرتا ہے۔ یہ فعل یا سبب جیسے کوئی شقی اسلوبِ شخص یا مجبور یا مجبور کی جہت کو پامال

برہنہ کر دے۔ نہ بہت ایسا فعل قدرت کے نزدیک گناہ کیہ و اور سنگین قسم کا جرم ہے۔

آزادی نسواں

گزشتہ حقیقت ہے کہ عورت انسان ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادہ و اختیار کی
 توفیق دی ہے۔ اس کے سبب وہ قدرت کے قانون مکافات عمل کا مستوجب ہے تو
 پھر عورت کو صاحب ارادہ و اختیار نہ سمجھنا و اس کی آزادی کا اصرار نہ کرنا اور اس پر بھی
 اسے قدرت کے قانون مکافات عمل کا اثر نہ سمجھنا، منطقی تضاد اور حکم و اہل نہیں تو اور کیا ہے؟
 تاہم عمل نہ بہت کہ مسلم قوم کی پسند کی و مذکورہ لی کا ایک سبب یہ ہے کہ انہوں نے
 عورت کو فطری حقوق و آزادی سے بہت حد تک محروم کر رکھا ہے۔

قدرت نے مرد کی طرح عورت میں بھی گونا گوں استعدادیں، شعور و دیانت کی یہ تکرار وہ
 کائنات سے نکلنے میں گہرا ہر پہلو، رشتہ و رابطہ کی تہیں راسخ و نیز ان سے بنی ہوئی
 نفس و دیگر خصوصیات کوئی مدہ پہنچا ہے اور اس طرح ہر استعداد سے کہ یہ سنت پیغمبری
 ہے۔ کسی منشا سے کہ عورت کو ایسا کرنے نہ دینا مقصد ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس طرح وہ مدثر قدرت
 کے ہر پہلو، تہذیبی شہکار کی ذات و خصوصیات کی غنی کرتا اور عالم انسانی کو باخصوص اور دیگر
 غور و کوا با خصوص نقصان پہنچتا و انسان کی مادی و ہر پہلو، ارتقاء میں مانع آتا ہے۔ اگر یہ
 درست ہے و یقیناً درست ہے، اس لیے کہ اسے جھٹلنے کی کوئی وجہ جو نہ نہیں کہ عورت
 جس مرد کی عرق نہ حسب ارادہ و اختیار، بل عقل و شعور و تحقیق بالحق ہے تو پھر یہ بھی درست
 ہے کہ اسے کتب و بہتر اور فکر و عمل کی آزادی ہوئی چاہیے؛ نیز اللہ تعالیٰ کے قانون
 و احکام و فی سبیل اللہ کے عرق مرد کی عرق اس پر بھی ہوتا ہے۔

تحدید آزادی کا اصول

یہ حقیقت ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے کہ انسان (مرد و زن) معاشرتی بشر ہے۔ لہذا وہ اپنے حقوق اور حدود آزادی کے تحفظ کی خاطر دوسروں کے انسانی حقوق اور حدود آزادی کا احترام کرنے پر مجبور ہے۔ ورنہ مجبوری فطری ہے اور اس سے "تحدید آزادی" کا تصور مستطیع ہوتا ہے۔ آزادی نسوان کی حدود کی تعیین میں یہ اصل ہمیشہ ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ عورت مرد کا ہم جنس زوج اور معدول جنس جمل و جنس ہے، اور اس کی یہ جمالیاتی خوبیوں ہیں کہ کسی بیانیہ کمزوری ہے، جو اس کی ذات کے لیے مستقل خطرہ ہے۔ چنانچہ اس کے بچہ ذکے سے تہمت نے عورت کی فطرت میں تیار بدرجہ اتم ودیعت کردہ حیاء عورت کا موضوعی حسنِ حجب ہے جو معدول جنسِ حجاب کا متقانی ہے۔ اور وہ ازین تنوعی بھی موضوعی حسنِ حجب ہے۔ معدول جنسِ حجاب سے مراد ایسا پردہ ہے جو صنفِ جمیاء کے گہمائے شباب اور آرائشِ جہان کو مرد کے حواس پر اپنا جلوہ نہ پیدا کرنے دے۔ جہاں تک موضوعی حسنِ حجاب کا تعلق ہے، وہ اصل میں "واز و نظر کا پردہ" ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صنفِ جمیاء جس وقت غیر محرم سے ہمکنار ہو، اس کی "واز و نظر میں" جلالِ حیا ہو، دوسرے دونوں کی "واز و نظر کے درمیان حجابِ تقویٰ ہو، اور تیسرے عورت اپنی نظر مرد کی نظر سے نہ ملے، اور مرد بھی تو اس جلالِ حیا کے رتھہ کہ دونوں میں جمالیاتی۔ جنسی تضادم کا خدشہ امکان نہ رہے۔ اس سے عورت کی تحدید آزادی کا یہ اصول متنبط ہوا کہ اسے اپنے موضوعی، معدول جنسِ حجاب کے ساتھ اکتساب اپنے وسیع ترین مفہوم میں) کی آزادی ہونی چاہیے جو صابح ہو، حال نہ ہو، ایسی سماج آزادی کیے ہم "حسنِ آزادی" کی تعبیر اختیار کر سکتے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ ہم اس وقت موجودہ غیر مسلم سرکاری معاشرے کی بات نہیں، بلکہ مستقبل کے سماجی معاشرے کی بات کر رہے ہیں جو خود بخود فطری و شرعی سرحدات اور ان کے مناسب و متناسب پاک و صاف اور صحیح افراد پر مشتمل

معاشرہ میں کچھ عورتیں نافذ ہو گئیں۔ ایسے معاشرے میں اُن تو جنسی جرائم کے موقع بہت کم ہوں گے اور پھر ان سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی عسیریت و خطرہ جنسی لذت کی بہ نسبت بہت زیادہ ہو گا۔ اسی جہاں رات شادوں اور ہی کوئی کیسے گا۔ اسی کی ایک مثال دورِ حاضر کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ معاشرے میں ملتی ہے، جہاں مرد و زن ہر شعبہ زندگی میں اکٹھے کام کرتے ہیں، یہاں بھی عورت کی رات شادوں اور ہی ہوتی ہے۔ اس معاشرے میں بھی عورت کے فرائض و ذمہ داریاں اور عورتوں کے ورغیں شرعی تفسیر اور معاشرتی تدبیریں و تقیریں عروہ خردی زندگی سے منسوب کا بھی خوف ہو گا، جنسی جرائم کے ترک کا، خدشہ نسبتاً بہت کم ہو گا۔

اس کی سبب ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اسلام کے مصالح معاشرے میں عورت کو پسند و منواری معاشرتی حجاب کے ساتھ اسلام کی تحریک و متحرک بنانی اپنا وسیع ترین مفہوم میں اُردو ملت کے شعور و رقاء اور اپنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے کاموں میں فعال کردار ادا کرنے کی آزادی دینا جو بڑا ضروری ہے۔ عروہ زیریں اُسے روزی کھانے، خرید و فروخت کرنے اور زندگی کی دیگر ضروریات پوری کرنے کی خاطر دیگر زندگی کے دیگر شعبوں میں ناقص و کمزور نہ رہے اور ادا کرنے کی آزادی ہونی چاہیے۔ عورت اپنی فطری صلاحیتوں و مقبولی حجاب کے اندر رہ کر زندگی کے ان تمام امور میں حصہ لے سکتی ہے، جن کے کرنے کی ان میں استعداد و جہت ہو اور یہاں کام کرنے کا ماحول اس کے لیے سازگار ہو۔ یہاں بھی عورت سے تسلیم کر لینا چاہیے کہ اسلامی معاشرے میں جو مصالح و فرائض مشترک ہو گئے، عورت و خواتین کی و خواتین کے حقوق و فرائض کے ساتھ ہونا چاہیے۔ عورت سے یہی توقع کثرت سے ہیں گے عروہ قرد و وقت کے ساتھ ساتھ میں بھی اور معاشرے کے گئی، اس لیے یہی کہ ماحول، موزوں و سازگار ہو گا۔ اس کے نتیجے میں قوم و ملت اسلام ایک تو زبان مسلسل سے بچ جائے گی، جو سکون و امن کے باعث، باقی رہتی رہے۔ دوسرے اس کی خوشحالی میں اضافہ ہو گا، درمیان اس کی نشو و نما کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی جائے گی۔

عورت اور ریاست

ہمیں اس حقیقت سے سرفراز نہیں کرنا چاہیے کہ جس طرح اسلام میں عورتوں کو حصہ حاصل کرنا بہت مشکل تھا اور عورت پر فرض ہے۔ اسی طرح علوم کی ترقی اور زمانے کے فوہوت قانونوں، نیز ترقی یافتہ ممالک کے نصاب تعلیم کے مطابق جملہ افراد قوم کی تعلیم و تربیت کا معقول ہونا ضروری ہے۔ عورتوں کی اولین ذمہ داریوں میں سے سب سے بڑی ہے اس کے نتیجے میں قوم کا ہر فرد چاہے مرد ہو یا عورت، مکمل طور پر اور با شعور ہوگا۔ اس کے نتیجے میں وہ حکومت و ریاست کے مفاد میں رہنے پر آمادہ ہوگا۔ چونکہ عورت بھی معاشرے کی با شعور و ذمہ دار فرد ہوگی، لہذا اسے مرد کی طرح ریاست کے حکمران کے انتخاب، نیز اس کے مشیروں کے انتخاب میں حصہ لینے کا حق ہوگا۔ لہذا اگر کوئی عورت بھی ذہنی اعتبار سے مجلس شوریٰ کی رکن بننے کی قرآنی اہلیت رکھتی ہوگی، تو وہ اس بننے کی بھی حقدار ہوگی۔

الغرض، عورت اگر مرد کی طرح صاحب ارادہ و اختیار ہے اور اسے حسی و قلبی قوتیں ودیعت ہوئی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ اپنی ان خداداد نعمتوں، نیز اپنے حلال روزانہ کے لیے رب العالمین کے سامنے جوابدہ ہے در قدرت کے قانون مجازات کے مستوجب بھی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اسے اپنے قومی و ملی فرائض ادا کرنے، اپنی ذات کی نشوونما کرنے اور اپنے مقصد تخلیق کو پورا کرنے کی آزادی نہ دی جائے۔ آزادی، بہر حال، منفرد جمہوریت کے وجود کا فطری حجاب کے تقاضوں کے مطابق ہونی چاہیے، جس کے لیے ہم حسن آزادی کی تہیہ تیار کر سکتے ہیں۔

نکاح باطل

اسلام میں نکاح کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نکاح سے خاندان کی بنیاد

سے مد شرع کی تمیز و تعمیر ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ نامزدان سازی کا زبیر اہم و مقدمہ ہے۔
 سبب یہ ہے کہ مد شرع کی شہادت ہندی اور اس کے افراد میں قومیت پیدا ہوتی ہے۔ غور کریں
 تو کہ یہ مقدمہ مذکورہ در مد شرع کے مانتے میثاق حکم کے ذریعہ مرد و زن کی رفاقت
 و منی ہے کہ وہ حسن امتیاز کے منشا کے مطابق اس کی تعلیمی سرگرمیوں میں شامل ہوتے ہیں اور
 اپنے شرع سے مانی و قومی زندگی کی تشکیل و تعمیر و نشو و نما کرتے ہیں۔ اس سے یہ منطقی نتیجہ
 متخرج ہوتا ہے کہ ہر نکاح جس شخص نیت سے نہیں کیا جاتا یا اپنے مقصد کو پورا نہیں کرتا، وہ جھوٹا
 ہوتا ہے۔ مگر اسے ناجائز باطل مت سمجھا کر سکتے ہیں۔

ناجائز باطل کی مثالیں ہمیں علم و مشاہد میں ملتی ہیں۔ سبب خاص کر جہاں نیل کی دولت کی فرونی
 سبب سے مد شرع میں مد شرع کی مد شرع سے بکنے کی خاطر رکھتے تو چار بیویاں میں ہیں
 تازہ بازار ورنو بنو جیسی معدومیت کی ہوس میں مسلسل کھج کھجے اور مرق دسبہ جاتے ہیں۔ ان
 کے لئے دس روپے درمیان دینے کا مقصد وحید ہے کہ ان کے ہنس و مہر سے جیسی تلافی
 و نفع تو کاشہ کی ہو زبرد کرنا ہوتا ہے۔ اس سبب سے وہ ہر شرعی حدود کے اندر رہتے ہیں
 یہ سبب بہت ہیں نکاح کے مقدمہ و اہم در سے کی تنہا ایک ہی نہیں اس کا نتیجہ اس بالعمد بھی
 رہتے ہیں سورت دیکھیں تو نکاح باطل دراصل برہہ فروشی ہی کی ایک شکل ہے۔ مد شرع باطل
 کے ذریعہ عورت کو اس کی قیمت خرید کر کے حاصل کرتے ہیں۔ یہ شہادت یا تلافی
 کے سبب نہیں بلکہ وقتی ہنس و مہر کے طور پر اور اس قیمت خرید کو وہ "فدا" سے تعبیر کرتے ہیں
 جس میں تسمیہ باطل کے ذریعہ سود کو فسخ سے مبرا کر دیتے ہیں۔

اس عمل کے ذریعہ سود میں کمی و زیادتی اور برہہ فروشی کی طرح ناجائز باطل قانوناً ممنوع اور
 قابل تعزیر ہوگا۔

وہ زندگی کی لذت و برکت سے محروم کیا اور انہیں گھل گھل کر مرست یا خود کش کرنے
 دیو بنے پر مجبور کیا ہے۔ ہر صغیر کے مسلمانوں کو یہ انسانیت سوز قارونی رسم بھی متعدد دیگر شرعی
 امور کی طرح ہندوؤں کے مذہب سے ورثہ میں آئی ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے یہ رسم
 جینوں کی قرآن حکم سے مجبوری و دُوری کی غمزدہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اسلام نے نہایت کوشش سے
 مشرکوں کے یہ رسم و مناسبات کہ مہر کے بغیر نکاح نامہ نہیں، اس سبب کہ اپنی مشکوہ و مہر
 اور ہر قدر نفرت ہے، لیکن مسلم قارونی طبقے نے ہندوؤں کی وہی دیکھی نکاح کو ہمیزت شرط
 کر کے کہ غیر مؤثر و محض رسمی کارروائی بنا دیا ہے، چنانچہ اب مہر کی جگہ جہیز نے لے لی ہے۔
 نتیجہ ہے کہ مردوں پر اپنی رواج کو مہر دینا روکنا اور عورتوں کو نہیں رہا، بلکہ اس کے عورتوں
 پر جہیز کا لازم ہو گیا۔ اب مہر تو عورت سے جہیز کا منہ یہ کرتے ہیں، لیکن عورت اپنے مہر کا منہ
 نہ سہی کی جگہ نہیں، یہ عورت کے ساتھ سخت نا انصافی اور اس کی حق تلفی و ذلت و اہی کی عمل
 کہہ سکتے ہیں۔ ہندوؤں کے مسلمان یہ حقیقت جانتا ہے، لیکن اس کی تفاوت و محرومی و رک کی اندیشی و کج روی
 کے عوامل میں سے ایک یہ ہے کہ

جانتا ہے پر مانتا نہیں

فلسفہ مذہب پر غور کریں گے ہیں صنفِ جمیلہ کی مذہبی حیثیت کی تعلیم کرنے میں جتنی
 زیادتی ہے، نہایت عورت کو مہر کا حق ہے، نہ کہ اور مرد کو اس حق کی ادنیٰ کاہل و کفایت بنا کر اس
 حق کو اٹھ کر دیا ہے کہ صنفِ جمیلہ میں مرد کی نامور و اہمیت و رتبہ و تعلق و نسب و گرو
 سند و رسم و شریعت کو استیسا ہی تھوڑی دیر میں کی جس حیثیت کو ہمیشہ برقرار رکھنا چاہیے
 وہ مردوں کی جانب دہشتہ کی ہے رہنا یا بیشہ نکاح و مہر میں یہ حیثیت کتنے مہر سے کم
 ہے کہ عورت کے ہر حق و لذت و برکت کے خاتمہ و شرق کے ثبوت میں یہاں پر مانتا ہے کہ عورت
 کا جہیز ہر مرد کا جہیز ہے اور صنفِ جمیلہ کا مہر و منہ ہے، نہ کہ عورتوں کی حیثیت
 کہ عورت کے ہر حق کے لیے جہیز یا مہر ہے، نہ کہ عورتوں کی حیثیت

طبقات نے نکاح کو جہیز سے مشروط کر کے اس کی روح کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ اس کے لیے ہم نے "نکاح بالجہیز" کی تعبیر اختیار کی ہے۔

نکاح بالجہیز نے عورت کی جمالیاتی و معاشرتی حیثیت کو اس طرح بدل دیا ہے کہ اُسے مطلوب سے طالب اور معروض جہال و غلب سے مشتری بنا دیا ہے۔ جو اس کی قدرت با فطری حیا کے منافی ہے۔ مرد و بریں روزمرہ مشہور کی بات ہے کہ برصغیر کے مسلم معاشرہ میں مرد ہوتے تو ہیں، مگر رسمی طور سے اور محض دکھاوے کے لیے، مگر منکوحہ کو ویش کے لیے نہیں، باغ و بیڑا مہر باندھ تو جاتا ہے، لیکن عورت کو دیا نہیں جاتا یہ صریحاً حکم الہی کی خلاف ورزی ہے، مگر نام نہاد و غشبین و مہجین اور سیاسی رہنماؤں کی زبانیں گنگ ہیں؛ وہ اس عمل کے صرف احتجاج نہیں کرتے، درحکومت کوئی کارروائی ہی کرتی ہے۔ سرکاری خیمہ و بیل کا نتیجہ ہے کہ عورت اپنے مہر کا مفاد برقرار رکھنے کی بجائے عورت کا یہ مہر و دستہ کی تاب نہیں رکھتے، وراثت کے جوہر میں ترقی کی دھمکی دی جاتی ہے، لہذا عورت مہر کا نام پرانی زبان پر لے کر تنہا رہتی ہے۔ اس معاملے میں عورت کا کوئی پرسان حال نہیں رہتا، یعنی تو یہ ہے کہ خود عورتیں مردوں سے زیادہ مہر کا مفاد برقرار رکھتی ہیں، ورمہر کو اپنے لیے "شجر ممنوعہ" سمجھتی ہیں۔ اس کا نتیجہ ہے کہ عورت عورت رشاد الہی کی بنا پر اپنے حق مہر کا مفاد برقرار کرنے کی جرات کرتی ہے تو معاشرہ اس کا مفاد بوجھتا ہے، اور اسے باطنی بیوقوف اور گردن زدنی سمجھنے لگتا ہے۔ چنانچہ نکاح بالجہیز وراثت کے لیے کوہِ سر سے معاشرے کے صدیوں سے روارک ہو رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اسے ذرہ پر وہ کمزیریت و ذلت کی حمایت حاصل ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہمارے کمزیریت کے لیے یہ مشہور ہو گیا ہے کہ مہر کی رقم شرعاً بیس روپے ہے، نہ کہ یہ قطعاً سب سے زیادہ بات ہے، بلکہ یہ سنتِ حسنہ کے خلاف ہے، نیز یہ عورت کے ساتھ نا انصافی، اس کی حق تلفی اور اس کی جمالیاتی حیثیت و معاشرتی مرتبت کو کم کرنے کے مترادف ہے۔ مہر کی رقم کی تعیین کا عمل اصول یہ ہے کہ "مہر یا رشتہ رشتہ" سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد کو اپنی مالی مشہرت کے مطابق مہر دینا چاہیے، راجس فطری کے نزدیک

مہر کی رقم کی تعیین میں عورت کی جمانیاتی و معاشرتی حیثیت کو بھی ملحوظ رکھا جاسکتا ہے۔
 سب سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے معاشرے میں جہیز کی قارونی، سرطانی رسم کا استیصال
 کیسے کر سکتے ہیں؟ نیز نکاح بالجمیز کے بجائے نکاح بالمہر کو کیسے رائج کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب
 میرے نزدیک یہ ہے کہ اس سرطانی مرض کا علاج و غلط و نصیحت ہے نہ موجودہ قانون جمیز وجہ
 یہ ہے کہ حیثیت ایک معاشرہ سرطانی زدہ ہے، اور اس میں سرمایہ دارانہ قارونی نظام قائم ہے، لڑکے
 و لڑکیوں کے ساتھ ایسے سے چلے، وہ بلا واسطہ ہو یا بواسطہ کبھی دستبردار نہیں ہوں گے۔ ہمیں
 یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سرطانی مرض بڑھ جائے تو وہ عروج سے اور بڑھتا ہے اور اس پر یہ قول
 میری کتاب ہے: مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔

لہذا اس سرطانی مرض کا اب ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے:
 قارونی، سرطانی نظام کو گہرا دھیرا دے دے اور سرمایہ داری کا استیصال بذریعہ حسنِ نسب!

ثقافتی تضادات

دیرِ مسلم معاشرہ کی طرح ہمارا پاکستانی معاشرہ بھی ثقافتی تضادات کا شکار ہے۔ اس اجمال
 کی تعیین یہ ہے کہ ہماری اکثر ثقافتی سرگرمیاں ایسی ہیں جنہیں ہم شرعاً ناجائز سمجھتے ہیں یا مذہبی پیشوائے
 نہیں ماننے دیتے، مگر چونکہ ان کے خوف ہمارے نہیں کرتی، لہذا وہ خود بھی ایسی سرگرمیوں
 میں بدلاؤ لے رہے ہیں یا لے رہے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ایک تو ہمارا قومی تشخص تشکیل نہیں
 پا رہا، دوسرے ہماری نگرہ نشراور رویہ زندگی میں اختلاف و تضاد نے راہ پائی ہے۔ تیسرے ہمارے
 معاشرہ عصبیت کا شکار ہے، جس کے سبب اس کو تشنہ و افراق لکھنے کی طرح کھٹے جوار با
 سب سے روچھرتے ہیں، ہم اس فحش و حساس کے ساتھ زندگی کر رہے ہیں جیسے مسلسل گناہ کیے جا رہے
 ہیں۔ یہ صورت حال جو انتہائی صدمہ و دور رس نتائج کی حامل ہے، ہماری سلامتی و بقا اور
 گناہوں و ذوق کے لیے اس سے بہت زیادہ خطرناک ہے جتنی کہ عام طور سے سمجھی جاتی ہے۔

ثقافتی تضادات کے عوامی و محرکات تو متعدد ہیں، لیکن میرے نزدیک ان میں سے بہترین ہماری نگر و نظر اور قوت فیصلہ کا وجود و فقدان ہے، جیت اصراراً فقدانِ اجتماعاتِ تعمیر کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ زندگی کے نو بنیاد رتہ رتہ ارتقاءاتِ معنوی کو پورا کرنے کا وہ ذریعہ و قیاس ہے، اجتماعِ زندگی کو مستحکم ہے، وجہ یہ ہے کہ زندگی قدرت کا عمل کئی دلیلیں یا حجاباتی کیفیتیں نمایاں ہے، جس کا ثبات اور مہم بننا غیر وقت سے موزوں ہے، جس کے نتیجے میں زندگی کے بنیادی امور قائم رہتے اور نئے امور سامنے نہیں پڑتے، جیت رستہ میں رہ کر مسائل کو حل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو قسم کی قوتوں کے ساتھ وہ حیثیت، عقل و فہم اور حکمت میں ذاتی قوتوں سے نوازا ہے، چنانچہ ان قوتوں کی مدد سے زندگی کے مسائل کو بنیاداً حل کرنے کی ذرا ذرا کی کوششیں اور اجتماعاتِ تعمیر کرتے ہیں، اس عقیدے سے جتنی دہر قوم کی ضرورت ہو، اس کے شعور ارتقاء کی پیش شرط ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ جو قوم اجتماع کو ترک کر دیتی ہے، اس کی زندگی میں جمود و قتل پیدا ہو جاتا ہے، جس کا نتیجہ اس کی پس ماندگی و محکومگی، انھیں درخت پر دانت و مسکنت و زندہ تکرری و نظری کی صورت میں نکلتا ہے، مسلم قوم سمیت پاکستانی قوم بھی صورت میں سے دوچار ہے، لیکن قوم مسلوبِ فہم و آرزوئے حسن و زندگی سے محروم ہے، اس لیے وہ اجتماع کو ”شجر ممنوعہ“ سمجھتی اور اس سے ترساں و گریزاں ہے، باوجود اس کے ہمیں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ جو قوم حقیقت سے آنکھ چھپاتی ہے، زندگی اس سے نکال چلائی جاتی ہے، چنانچہ اگر ہم آزد اور زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہمارے لیے اب بڑی پیش مسائلِ حیات کو بہت تاخیر حل کرنا ناگزیر ہے، اس لیے کہ یہ سو برسوں سے ہمیں بدو حیاتِ غیرِ انسانی و بدو حیاتِ انسانی بن سکتی ہے۔

گہچہ ہمارے متنازع و حل طلب ثقافتی مسائل کثیر و متعدد ہیں، لیکن ان میں سے فوری حل طلب مسائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) فتوانہ جملہ ۱۱، موسیقی ۲، رقص ۳، مصوری اور فوٹو گرافی ۴، مجسمہ سازی ۵، ڈرامہ

حاصل کرنی چاہیے، اور کفرانِ نعمت سے بچنا چاہیے۔ عروہ ازیں، ہمیں حسین مخلوقات اور ان کے حسن آواز و آہنگ سے محبت کرنی چاہیے۔ یہ سوزِ محبت ہے جو غمِ روزگار کا مداوا اور تزکیہٴ نفس کا ذریعہ ہے؛ نیز اس سے شمعِ دل فروزاں اور اس کے نور کی تکمیل ہوتی ہے۔

اگر ہیورکے نغموں اور اشعار کے سازنیوں کا سُنا اور ان سے جمایا تہ ثروت حاصل کرنا حرام نہیں؟ اگر آبِ رواں کے مدغم سُروں، آبشاروں کی بلند بانگ تالوں، درجہ پاؤں کی تالوں کا سُنا اور ان سے سُنا ہونا حرام نہ ہو، چنانچہ نہیں تو پھر اشرف المخلوقات کے حسن کو زور نہ دینا اور ان سے جمایا تہ سرور و سوز حاصل کرنا کیسے ناجائز و حرام ہو سکتا ہے؟ اگر بتِ جمیل و حسنِ پسند کی نظر میں موسیقی حرام ہوتی تو قرآن مجید جو مکمل ضابطہٴ حیات اور دین کا آئینہ دار اور سرشت کی تمثیل ہے، اس کا بڑا اظہار کرتا، جیسا کہ اس کی شئت ہے۔ جملہ دینِ عالم میں موسیقی کا جائز ہونا و قرآن مجید کا اسے حرام یا ناجائز قرار نہ دینا، اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ موسیقی حرام ہے نہ ناجائز بلکہ یہ نعمتِ حسنی ہے، جسے ربِ جمیل نے اپنے حبیبِ انور پیغمبرِ حضرت داؤد علیہ السلام کو عفت کی عفتی اور اپنی کتبِ مقدسہ زبور اور قرآن مجید میں خصوصیت سے، اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ زبور میں واضح طور سے آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام مزامیر یا سازوں کے ساتھ ربِ جمیل کی حمد و ثناء کی عفت لگایا کرتے تھے، آپ گاتے گاتے رقص کرتے گتے تو انسان تو انسان، ہیور و اشجار اور کوہ و دریا بھی وہم میں آجاتے تھے۔ اس مرحلے پر ذہن میں چند ایک ایسے سوال اُبھرتے ہیں، جن کے جواب میں میرے نزدیک موسیقی کی حلت و حرمت کا فیصلہ کرنے میں کافی مدد مل سکتی ہے، درود یہ ہیں، کیا اشجار و آبشار قدرت کے ارغفوں یا ساز نہیں؟ کیا ان سے سُرنال و رے کی موجیں نہیں اُبھرتی اور جمایا تہ جس کی تسکین نہیں کرتیں؟ کیا جمایا تہ حسِ ربِ جمیل کی نعمت غنمی نہیں ہے؟ کیا جمایا تہ ثروتِ نعمتِ حسنی نہیں ہے؟ اگر ان سوالوں کا جواب اثبات میں ہے اور یقیناً ہے تو پھر ان مزامیر یا سازوں سے جمایا تہ ثروت حاصل کرنا کیسے حرام یا ناجائز ہو سکتا ہے جو انسان نے اپنے ربِ زبور الکریم کے عطا کردہ علم و ہنر کے ذریعے بنائے ہیں؟ ساز ہر حال میں ساز بننا چاہیے قدرت نے نرد

بنایا ہوا اس کی ہدایت و نصرت سے اس کے جمالیاتی۔ تحقیقی شاہکاران کا بنایا ہوا ہوا اسی طرح
نغمہ ہر حال میں نغمہ ہے پیاسہ طہور اور چوپاؤں کا ہونا نباتات و جمادات کا یا انسان کا، لہذا اگر
قدرت کی تیقوت میں سے کسی مخلوق کا نغمہ سنا حرم ہے نہ ناجائز تو پھر انسان کے حسنِ آواز و
سلاخٹن عقلِ مدیم کی رود سے کیسے حرم یا ناجائز ہو سکتا ہے؟

اس سبب میں صنفِ جمیدہ کے حسنِ آواز کا مسئلہ واقعی ازیں دقیق، غور و خلب اور سمجھنی ضرور
سے رہنے کی شوری کے جہاد کا متقاضی ہے۔ اس مسئلے کی تین اہم ترین شقیں مفقذہ ذیل ہیں:

۱۔ سمع یا مشافہ (۲) سمع یا تصویر اور (۳) سمع یا غیب۔

۱۔ سمع یا مشافہ اسلوب ہے، مغنیہ کا گانا روبرو یا محفل میں سنانا۔

۲۔ سمع یا تصویر سے مراد مغنیہ کا گانا جدید سٹوڈیو یا جادوئی ٹیلی ویژن، ویسی، سٹی، سینما وغیرہ

وغیرہ کے ذریعے سنانا۔

۳۔ سمع یا غیب کا منصب مغنیہ کے زخات کو ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ یا گراموفون وغیرہ وغیرہ

کے ذریعے سنانا۔

بنا سے فرداً فرداً گفتگو کی جاتی ہے:

۱۔ سمع یا مشافہ: جہاں تک مغنیہ کا گانا یا مشافہ سنانے کا تعلق ہے اس سے اس کے جمل و شباب
بن و سلاخ، ناز و درخشاں و د کے خرم و نیاں و گہی نظارے کے سبب جنسی و نفسی جذبات میں
بیجاں بیجاں و جنسی۔ انسیاتی لہجے کی وقوع پذیری کا ہر وقت ممکن رہتا ہے، لہذا میرے نزدیک
سمع یا مشافہ ناجائز ہے اور اسے قویٰ ممنوع قرار دے دینا چاہیے۔ برائی سے غمِ عمل کرنا بذاتِ خود
برائی ہے، لہذا برائی کو قویٰ نہ کرنا سدِ می حکومت یا خلقت کی اہم ذمہ داری ہے، البتہ اپنی بیوی
سے لانا بجان سنانا جائز ہے میرے نزدیک شادی بیاہ کے موقعوں پر عورتوں کو گیت گانے اور
ڈانس بکاتے کی بھی اجازت ہونی چاہیے۔

۲۔ سمع یا تصویر: اس سٹوڈیو ٹیلی ویژن اور ریڈیو کی غیر معمولی ہمیت سے متعلق دو

راہیں نہیں ہو سکتیں، اس لیے کہ یہ تشبیہ و ادیان و تعلیم و تربیت کے زبیں مؤثر ذرائع ہیں، ہذا
 کے جوہر کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ یہاں یہ سوں پیدا ہوتا ہے کہ ٹیل و شان پر جو پروگرام دیکھتے ہیں
 ہیں وہ تصویری و صوتی ہوتے ہیں، دوسرے ان ہیں کہ پروگراموں میں عورت کی دماغی و
 صدائاری و روحی کاری بھی ہوتی ہے اور یہ پروگرام مفصل نظر کی نہیں، بلکہ تعلیمی و تربیتی و تشبیہ و
 ادیان کی ہیں ہوتے ہیں، لہذا انہاں و مرکان کی تسخیر و تشبیہ و ادیان کے دور میں زمانہ کے نو جوان
 اور دم تغیر اصول و فطرت کو برقرار رکھتے ہوئے فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ ایسے پروگراموں کو بے نظر کرنا
 قوم و ملت کے حق میں مفید ہوگا یا نقصان دہ؟ اسے پروگراموں کو بے نظر کرنا و منسوخ کرنا ہوتا ہے
 مجتہدین (یعنی فیصلہ و محبت شوری کے رکبان) کو بے ادراک سوچنا ہوتا ہے کہ کیا ان کا فیصلہ ہوتا ہے
 یا نہیں؟ نیز ان پروگراموں کو بند کر دینے سے ٹیل و شان میں ناظرین کی دلچسپی، خبریں کی اہمیت
 ہونے کے نتیجے میں قوم و ملت کو جو نقصان پہنچے گا اس کے مداوا کی کوئی صورت پیدا ہو سکے گی
 نہیں؟ نیز ہذا شوری کو اس معاملے میں انتہائی غور و خوض کرنے اور قوم کو اس مہر و حق سے آگاہ
 کرنے کے بعد حجت مندانہ اور دو ٹوک فیصلہ کرنا ہوگا، یہ یاد رہے کہ فیصلہ جو بھی ہو، وہ غور و جستجو
 و دماغی نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ ایسے فیصلوں سے قوم کے فکر و فکر و کردار و رویہ زندگی پر
 منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور ان کی توجہ فیصلہ درجہ تہہ و تہہ کو مفلوج کر دیتے ہیں، اس
 کی عبرت ناک مثال مسلم قوم میں ملتی ہے۔

میرے نزدیک اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ ایک تو پروگرام مصوری و مضمونی کی نسبت پاکیزہ و
 حسین، نیز فوجی اور جہاد کی خدائی قدروں کے حوالے ہونے چاہیے، اس کا نتیجہ یہ ہو کہ پروگرام
 خدائی نقطہ نظر سے بالخصوص قبیلہ و عمر میں نہیں ہونے چاہیے، دوسرے ان میں عورت کو
 بمقتضا مندرجہ اس طرح پیش کیا جائے کہ اس سے نہ تو منفی جذبات کو تحریک ہو ورنہ نسب و
 نظر ملی انداز میں متاثر ہوں، اس ضمن میں پردے کا مسئلہ پر ابورک، جس سے ملک و ملت کی
 ہے، بہر حال کسی قدم کے حوالے سے، اس مسئلہ کی نوعیت مختلف ہو جاتی ہے، لہذا ہمیں اس عمل کی

کیا ہے اور وہ اس کی تسکین کی، نیز جمالیاتی طرب و حظ اور سوز و ساز حاصل کرنے کی فطری آرزو رکھتا ہے اور موسیقی سننے پر اضطرابی طور سے مجبور ہے، بخزان کے جبرے ذوق و حسنِ کور ہیں، لہذا انھیں احساسِ گناہ کی فحش کے ساتھ حسنِ آواز سننے پر کیوں مجبور کیا جائے؟ کیوں ان کے دلوں سے احساسِ گناہ کے تیرنیمکش کو نکال دیا جائے؟ اس سلسلے میں قابلِ غور بات نغموں کے بولوں کی ہے، جنھیں ہر حال میں حسین اور صاف ستھرے ہونا چاہیے۔ اس کی ضد یہ ہوئی کہ بول قبیح و مکروہ اور مخرب اخلاق نہیں ہونے چاہئیں۔ قرآن مجید کی رو سے فحشا و منکر سبھی اخلاقی تدریس ہیں جن سے ہمارا ادب اور جمہد فنونِ جمیلہ منترہ ہونے چاہئیں۔ یہ اصول جس کے لیے ہم نے جمالیاتی۔ اخلاقی اصول کی تعبیر اختیار کی ہے، ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہنا چاہیے۔

۲۔ رقص: خادس ہی نہیں ہر زندہ چیز اپنے حال و انداز میں رقص کرتی ہے، اس لیے کہ فطری کیف و طرب میں وجد و حال میں گنا، تھکرنا، جھومنا اور ناچنا زندگی کا خاصہ ہے۔ رقص موزنی حرکات و سکنات سے عبارت ہے اور موزونی آواز و طبع کی طرح یہ بھی موسیقی رحمانی ہے، ہر فن کی طرح رقص بھی دہی۔ کتبالی فن ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے، لہذا انسان کو جب تک رقص عطا کرتے اور یہ فن سکھانے میں یقین کوئی حکمت ہوگی، لہذا اسے کسرِ حرکات ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ہمیں اس کی حکمت پر تدبیر بالحق کرنا اور ہر کسی نتیجے پر پہنچنا ہوگا۔

یہ ردِ مزہ کے مشاہدے کی بات ہے کہ گانا ہو رہا ہو یا ساز بج رہے ہوں تو ننھے ننھے قصور بچے بھی زخود اضطرابی طور سے تھکرنا، جھومنے اور رقص کرنا لگتے ہیں۔ اس سے بلاشبہ معلوم ہوئے علمائے نفسیات اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جب تک گریہ و خندہ کی طرح رقص و سرود بھی جہتِ نانی ہے، جسے قدرت ہر بچے کو وریعت کر کے دنیا میں بھیجتی ہے، یہ واقعیت بھی طلبِ کارِ تفکر و فکر ہے کہ اشرادینِ عالم میں رقص و سرود و مناسکِ عبادت میں سے ہیں۔ تورات مقدس کی کتاب زبور میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے وید آفرین لحن میں مزامیر کے ساتھ ربِ جلیل کی حمد و ثناء کے گیت گاتے تو عالمِ کیف و مستی میں رقص بھی فرماتے اور آپ کے ساتھ انسان تو نافرمان و بیورد

تجربہ ور کو وہ کم بھی وجد و حال میں آجاتے، جو رقص ہی کا ایک انداز و رنگ ہے۔
 رقص جو عیارت ہے حسنِ حرکات و سکنات سے، اپنی جمالیاتی قدر اور مومنتِ رحمانی کے
 باعث تہیج و کرم و یاتابا نرد و حرام نہیں ہو سکتا؛ البتہ یہ رقص رقصِ صمد ہے، جو اس کے اعضا و جوارح
 کے بیچان فیہ و شہوت انگیز جنسی منفہر کے سبب قبلِ اعتراض ہے، اور خبیثہ فی اشواری کو اس
 کی تحت و حرمت سے متعلق اجتماعِ ذکر نہ، اور دو ٹوک فیضِ صمد دیش کی ضرورت ہے، لیکن یہ اصل
 جو اس پیشِ اندازِ رحمانی چاہیے کہ رقص یہ ہر ماں نہیں رہا بلکہ رقص با غلام بھی بن چکا ہے، ہذا
 سے ایسی اثرات و ریشمیں کے پردے پر بھی دیکھا جاسکتا ہے؛ نیز ریڈیو اور ٹرانسمیٹر کے ذریعے اس
 رقص کی نقل بھی کیا جاسکتا ہے۔ اصل میں رقص با غلام کا مسئلہ نسبتاً زیادہ دقیق و پیچیدہ ہے، ہذا
 خصوصاً اس قدر تیز و وسعت نسب و نشر اور حقیر کا مقتضی ہے۔

مومنتِ رحمانی، اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو حسنِ انی تہیج کہہ کر انسان کی توجہ اس اہمیت پر، فرزند
 قدرت کی طرف مبذول کرائی ہے کہ وہ خود بھی خالق ہے۔ انسان پر شہرِ خالق ہے، لیکن متعدد
 انسانوں نے نہ خالق، لذات ہی ہے، بلکہ اس کی حسی و تبسی قوتوں و علاقہ و حکمت کی طرح موزونی
 میں ورتائیں متعدد بھی مومنتِ رحمانی ہے، اس نعمتِ انی کا شکر کرنا انسان پر فرض و شکر
 نعمتِ ربیب ربیب و الجورن و کریم کے لیے حمد و ثناء اور جذباتِ مومنتِ کبر متوسل نعمت
 کو حسنِ موزونی سے استعمال کرنا اور اس سے استفادہ کرنا ہے، معذور بھی خالق ہوتا ہے و اس کی
 جہتِ توجہ و تہیج کی متعدد بھی مومنتِ رحمانی ہوتی ہے، لہذا اس سے کہ مراد و مستفید
 ہونا، نعمت و منشا ہے، ان ہی ہے و شکرِ نعمت بھی، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے
 کہ مومنتِ رحمانی، ان ہی نعمت نہیں، اس لیے کہ شکرِ شانہ سبحان و صمد ہے، لہذا اس کا کوئی قدر و حکمت
 و تہیج و موزونی و ہمایاتی قدر سے غافل نہیں ہوتا۔ لہذا وادیِ مومنتی کی طرح مومنتِ رحمانی
 نے لذتِ حسیں میں سرِ مہر کے باب میں تصویر کشی یا موزونی کو بھی فضلِ رحمانی سے تعبیر کیا
 ہے، اور اس سے مومنتِ رحمانی کی لذت و تہیج ہر مومنتِ مومنتِ رحمانی ہے، جو مومنتِ

ہینے اور انہیں دیکھنے پر پابندی لگا دینی چاہیے، اور انہیں شرعاً ناجائز و حرم قرار دے دینا چاہیے، لیکن یہ فتویٰ صرف خلیفہ فی الشوری ہی دینے کا مجاز ہے۔

جہاں تک مطہق نعم سازی کا تعلق ہے، صالح فہمیں اور ڈرامے تیار کرنے کی اجازت ہونی چاہیے، نیز ضروری جنسی و انسانی قیود کے ساتھ عورت کو صدکاری، گلوکاری اور ادکاری کرنے کی رخصت ہونی چاہیے، اور نفرت یا شوری کو اس کے جواز کا شرعی فتویٰ دینا ضروری ہے۔

(ب) تیار کردہ ڈرامہ یا ٹیلیٹر کا ڈرامہ، چونکہ اس قسم کے ڈراموں میں ہشتاد و چار فی صد اور صدکاری کی جاتی ہے، ہذا یہ نسبت زیادہ مؤثر ہوتا ہے، مجھے یہ تیری طرح وحش و قہر و تشدد کی طبع کی اہمیت سے، انکار نہیں اور نہ ہی اس حقیقت سے انکار ہے کہ غیر مسلم و بعض مسلم ملک میں ایسی ٹیلیٹر کو اہمیت و مقبولیت حاصل ہے، نیز اسے محاسن ثقافت میں شمار کیا جاتا ہے، بریں، مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ہمارے کثرت شعور اور بریں ٹیلیٹر کی اہمیت و جواز کے قائل ہیں، لیکن اس کے باوجود میں ٹیلیٹر کی روایت و لوازمات و اپنی حسیں، صالح ثقافت پر اس کے تعلق قبیل و منفی اثرات کی بنا پر اس کے جواز کے حق میں نہیں ہوں، یہاں مجھے یہ اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا غلطی جنسی قیود و شرائط کے ساتھ ٹیلیٹر کو جائز قرار دیا جاسکتا یا نہیں؟ یہ مسئلہ رجحان پر ہے اور اس کا فیصلہ کرنا خلیفہ فی الشوری کا منصب ہے، لیکن میری رائے میں ٹیلیٹر سے جو فہم و جہالت پیدا ہوتی فوائد حاصل ہوں گے وہ ان نقصانات سے کہیں زیادہ ہو سکتے ہیں جو اس سے فہم و جہالت پر قبیل و منفی اثرات مرتب ہونے سے تو کم کر سکتا ہے بڑی سگ، بہر حال یہ نظر درست کہ ٹیلیٹر کی حمت و حرمت کا فیصلہ غیر معمولی تدبیر و تفکر، فراست و عظمت، وسعت قلب و ضمیر و نور جہالت و رجحان و اندازہ چاہتا ہے۔

(ج) ریڈیائی ڈرامہ: اس میں نقطہ واز سے اداکاری کی جاتی ہے، جسے عام ڈرامے سے تمیز کرتے ہیں، اگر اسے فہم و نفس طبع کے عرصہ، صلہ حی، تعلیمی و ترویجی اور فہم و جہالت پر فیصلہ کے سبب میں سمجھیں کہ کیا اسے تو اس کے مفید نتائج پر غور ہو سکتے ہیں، میرے نزدیک ڈرامے

کہانی، مکالمے، اور نفسِ مضمون، بلِ عبارتِ نقل نہ ہوں تو ڈرامے کو یا نثرِ قرار دیتے ہیں چند منفاۃ نہیں، لیکن خرافت فی شوری کو اس کے جواز و عدم جوڑے متعلق غیر مبہم فتویٰ جاری کرنا ہوگا۔

اب انسانی ایجادات و اختراعات، سائنسی دور میں جو حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ترقی و تہذیب زون و مکتب کر رہا ہے، سائنسی ایجادات و اختراعات کی غیر معمولی ثبوت و فادیت سے عقلِ سیم نظر نہیں کر سکتی، لیکن اس حقیقت سے بھی فکر ممکن نہیں کہ ان کی فادیت ان کے صحیح استعمال پر منحصر ہے۔ مثال کے طور پر بدوق ایک مفید سائنسی ایجاد ہے۔ یہ ہتھیار شک و گھٹنے، پٹ پٹنے و دھت اور دشمن سے مقابلہ کرنے کے کام آتا ہے، اور یہی اس کا حقیقی مقصد ہے، لیکن یہی ہتھیار نہ فہم و جاہل لوگوں کے ہاتھ میں آئے تو ہلاکت فریب بھی بن جاتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے ذریعے وہ بے گنہ لوگوں کا قتل و غارت کرتے، در معاشرے میں فساد برپا کرتے، یہ ثقافتی بدعت و اختراعات بشرِ مودعی کیم، اینی، نیلی، دشن، ریڈیو، وی سی آر، ٹرانسٹر و نیو وغیرہ کی تربیت پس بی سب، مہر و ستنوں بہ حال میں درست و رقتِ صد جیدہ کے لیے ہونا چاہیے۔ یہاں اس نکتے کی تصریح کر دینی چاہیے کہ عدم کے مفید جیدہ میں ذہنی حنات کے ساتھ خردی حنات شامل ہوتی ہیں، اور ذہنی حنات سے مادی و روحانی حنات مراد ہیں، عدم کے نزدیک انسان کے دو جہان ہیں دنیا و الجہان یا دارالآخرت، فرق یہ ہے کہ دُنیب دارالعمل اور الجہان دارالجزا ہے۔ دُنیوی زندگی کافی دنیاوی اور اخروی زندگی ہر دونی و لائقانی ہے، عدم دُنیوی حنات کو توفیق اس لیے دیتا ہے کہ ان کے حصے میں انسان کو اخروی حنات پسر آئیں گی، اور حنات کے معانی میں خیر و سعادت، حُسن و سُرد، فراقی و کث دگی زیست، اطمینانِ قلب و نفس اور آرزوئے حُسن و حیات کا مفہوم شامل ہے۔

سائنسی ایجادات و اختراعات نہ صرف عسکری و معاشی بلکہ ثقافتی (یعنی علم و ہنر، ادب و فنونِ جمیدہ درمیں جوئی) ترقی کے لیے گزیر میں لہذا انہیں ضروری تحفہ حنات کے ساتھ جائز قرار دینا چاہیے، مثال کے طور پر فلموں، ڈراموں، و موسیقی وغیرہ کے پروگراموں کو فحاشی و منکرات سے منزہ

ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں اجتہادی فیصلے غیر مبہم اور کامل ہوتے چاہئیں، دھورے و مہمہ نہیں ہونے چاہئیں۔ بعض مسلم ممالک میں سینا بنانا اور دیکھنا ممنوع ہے؛ لیکن ریڈیو سننے، ٹیلی ویژن دیکھنا، سی آر کے ذریعے فلمیں دیکھنے کی آزادی ہے۔ اسی طرح ان ممالک میں شراب پر پابندی ہے، لیکن مرا کے عشرت گدوں میں میخانے آباد ہیں۔ ایسی منفقانہ روش تو مومنوں کی با دیتی ہے اور من نفقت غارتگر و مدمرت فکر و نظر ہے۔ قوم و ملت کی اس بیماری کا اب ایک ہی علاج ہے ورنہ ایسے مسائل کی حلت و حرمت سے متعلق ضرورتاً شوری کا غیر مبہم اور دو ٹوک اجتہادی فیصلہ اور اس فیصلے پر عمل درآمد کو یقینی بنانا۔

حاصل یہ کہ خلیفہ فی شوری کو وضع شدہ میں یہ فیصلہ دینا ہوگا کہ سینا، ٹیلی ویژن، سی آر اور ٹیلی فون کا دیکھنا اور ریڈیو اور ٹرانسمیٹر کا سنتا اور کیمیرے کا استعمال شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو مذہبی پیشوائیت کو ان کی حرمت و عدم تہیز کے فتوے دینے سے باز رکھنا ہوگا اور اگر ناجائز ہے تو ہمہ اداروں کو حکماً بند کر دینا ہوگا اور کیمیرے پر پابندی لگا دینی ہوگی؛ نیز ٹیلی ویژن دیکھنا اور ریڈیو سننا اور ایسے تمام آلات کا رکھنا بھی ممنوع قرار دینا ہوگا۔

اج (۱) آزادی نطق و قلم: انسان کی بہترین خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ رتبہ و درجہ اور رتبہ کے لئے اسے نطق و قلم و دیعت کیے ہیں۔ آدمی بہرہ ہو تو وہ گونا گونا گویا ہے، اس لیے کہ وہ جہت و سمت ہے بولتا ہے۔ ہائی ٹیڈ دیگر نطق سے کہہ رہے ہیں کہ لیے سامع کا ہونا اور اس سے کہہ رہے ہیں کہ سب سے نطق کی غیر معمولی ہمیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ یہ ہمہ رو برحق کا ہمیں دیکھ کر زندہ و مؤثر ذریعہ ہے اور ان اپنے عواطف و امیال، جذبات احساسات، فکر و خیالات، عقائد و تہذیب، علم و حکمت و رفنون و ٹیکنالوجی سے دوسروں کو دکھا کر اور اس طرح کے درجہ تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ بلکہ نطق رتبہ کی نعمت و عظمت ہے، ہر انسان اور دیگر مخلوقات میں یہ نعمت و خصوصیات میں سے ہے، لیکن جہاں تک علم کی طرف سے کہہ سکتے ہیں کہ نطق سے ان کی غیر معمولی خصوصیات و فوقیت سے متعلق دور میں نہیں ہو سکتیں یہ نکتہ اس لیے جیلہ میں مندرجہ اسدی علم یا فائزہ اعلیٰ ۴۴، یعنی اس نے فکر کے ذریعہ علم سکھایا اگر یہ علم کی ترانہ و ترانہ

اٹلعت اشق سے کہیں زیدہ قلم کی مرہون منت سے تو یہ مبالغہ نہیں، حقیقت کو بظاہر ہوگا۔
 براشبہ یہ نطق و قلم ہیں جنہوں نے انسان کو خدا کا گاہ و خود گاہ اور معزز و مکترم بنایا، اسے علم و حکمت
 و رفیع و بہر سکھایا، نیز اُست عظیم انفس و آفاق کو مسخر کرنے کی قوت بخشی ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ نطق و
 قلم کے یہ عظیم ہر نامے کی آزادی کے مرہون منت ہیں۔ دوسرے نقطوں میں، اگر وہ آزاد نہ
 ہوتے تو یہ عظیم کارنامے سرانجام نہ دے سکتے۔ غور سے دیکھیں تو ترقی یافتہ اقوام کی قوت و عظمت
 و ترقی و سطوت کے عوامل میں زدی نطق و قلم کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اصل یہ ہے کہ زدی
 نطق و قلم انسان کا فطری حق ہے، اسے اپنے اس حق سے محروم کرنے کا مطلب اس کا حق غصب کرنا
 اور اس پر تشدد کرنا ہے۔ نیز قوم کو توحید، برادری اور ناکارہ بنانا، رتبہ جلیل کی نعمت کو منہاج کرنا، نیز انسان کو پنا
 منکر و غلام سمجھنا و رعب و شہوت میں شرفی رہا ہونے کا شیوہ ہے۔ پاکستان سمیت مسلم قوم کا یہ حال
 کہ انہیں نطق و قلم کی آزادی ملنی چاہیے، دیرینہ و رستہ چاہے، لیکن یہ مودستہ۔ وجہ یہ ہے کہ زدی کسی
 نعمت غیبی نہ کہیں مگر شرفی رہا ہوں نے دی ہے اور نہ وہ دین گے، اس لیے کہ وہ اپنے قلم و عدد و قدر
 فساد و رسل و نمب کے خلاف کوئی بات سن ہی نہیں سکتے، تاریختا رہے کہ جس معاشرے میں مگر شرفی
 رہا ہوں وہاں اس آزادی کو حاصل کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہوتا ہے اور وہ ہے :

معاشرتی سرطانوں کا استیصال بذریعہ حسن انقلاب

حسن انقلاب عشق برابری سے بھی، تائب اور حضرت کلیمی سے بھی، انفس میں ٹی سے بھی،
 ہے و حضرت حمزہ مدنی یعنی سے بھی، لیکن حسن و اکمل انقلاب نے کے لیے حضرت حمزہ مدنی یعنی
 کا طر فی انقلاب بہترین ہے۔

۱) آزادی نسواں، سدنی تفاوت میں آزادی نسواں کا مسئلہ جس قدر بہت اسی قدر متنوع و غیرہ بھی ہے۔
 وجہ یہ ہے کہ قوم و ملت صدیوں سے اسلامی حکومت سے نا آشنا و اس کے فیوض و برکات سے محروم
 ہے جس انقلاب کے بعد خرافات و شوری کو یہ مسئلہ ترجیحی بنیادوں پر حل کرنا ہوگا، اس مسئلہ کو غیر معمولی
 حیثیت کے پیش نظر سے صحیح طور سے حل کرنے کی خاطر خلیفہ شوری کے سلیب زہد کے ہر ذریعہ
 یا س، معاشی، عسکری و ثقافتی اشل تعمیر و تربیت، علم و حکمت، اب دفس و انفس و بین و بین

سیر و سیاحت وغیرہ وغیرہ کے اجتماعوں کے علاوہ ترقی یافتہ اقوام کی ترقی و قوت، و خوشحالی کے اب بڑے عوامل کو بھی پیش نظر رکھنا بدیہی ہے۔ عصرِ حاضر میں اقوامی مسابقت کا سائنسی دور ہے، مندرجہ ذیل قتب و نشر کے ساتھ فیصلہ کرنا ہوگا کہ اس میں عورت کی آزادی فکر و عمل سے صرف نظر کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر یہ سچ ہے کہ مشرق و مغرب کی ترقی یافتہ اقوام کی حیرت انگیز ترقی میں عورت نے بڑا کردار ادا کیا ہے اور کر رہی ہے تو پھر ہمیں اس کی آزادی کے مسئلے کا فیصلہ کرنے سے پہلے تہہ بہ تہہ سوچنا ہوگا کہ اگر ہم ذلت و مسکنت کی دلدل سے نکلنا، ترقی کرنا اور عظیم قوتوں کی صف میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو کیا ہم عورت کو کسب و عمل کی آزادی دے بغیر ایسا کر سکتے ہیں؟ عقل و بصیرت شاہد ہیں کہ اس سائنسی و تکنیکی دور میں کوئی قوم بھی عورت کو محکوم و غلام بنا کر اور اپنی نصف آبادی کی ضرورت کو کو بے کار و معطل کر کے نہ تو اس اقوام ایسی ترقی اور نہ ان کا مقابلہ ہی کر سکتی ہے جو بشمول عورت کل آبادی کی صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کرتی ہیں۔ عورت کو اس زمانے میں زندانی نہ بن کر اسے اس کے فطری حقوق آزادی سے محروم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ فخرِ مستی نے اُسے صاحبِ ارادہ اختیار نہیں بنایا ہے، دوسرے وہ اپنی خداداد استعدادوں کو قوت سے عمل میں لانے میں دیر سے خود مستفید ہونے اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی مکلف نہیں ہے۔ تیسرے وہ کرکٹر کے عرصے قابلِ اعتماد نہیں، و مرد کے مقابلے میں آزادی کا استعمال صحیح طور پر کرنے کی اہل نہیں۔ غور کریں تو یہ تینوں مفروضے صرف عقل و مشاہدہ ہیں۔

اگر یہ حقیقت ہے اور یقیناً ہے کہ عورت بھی مرد کی طرح صاحبِ ارادہ و اختیار و قدرت کے قانونِ مکافاتِ عمل کی مکلف اور اپنے اعمال کے لیے شہداء کی ہے اس لیے اسے جہاں وہ اور جہہ و سنہ کی مستوجب ہے، تو پھر اُسے کتابِ ہم و ہمناس سے محروم رکھنا اور سب کریم کی ودیعت کردہ نعمتوں سے محروم کر دینا، سب وقوم کی ترقی ورقومی پیداوار کی افزائش کے منصوبوں میں خطر لینے سے باز رکھنا، ظلم نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر یہ ظلم ہے اور یقیناً ہے تو پھر یہ بھی سچ ہے کہ ہر ترقی پسند کی مفلوک لگائی ہمارے اس ظلم کا نتیجہ ہے۔ عورت حیوان نہیں کہ اُسے محکوم و غلام بنا کر رکھ جائے، وہ انسان ہے آزادی اس کا فطری حق ہے اور اس حق سے اُسے محروم رکھنے والا افسردہ ترین قوم ہے۔

نہ صعب اور جابلو ہے مرد کا فرض منصبی عورت کو آزادی سے محروم رکھنا نہیں، بلکہ اس کی آزادی
 و احترام و تحفظ کرنا ہے، اُسے ایسے مواقع فراہم کرنا ہے کہ وہ اپنی وہی اکتسابی صلاحیتوں کو بڑھاتا
 کر قوم و ملت اور انسانیت کی خدمت کرے اور ان کے لیے باعثِ رحمت بنے، اور اس کے نتیجے
 میں اپنی ذات کا نشو و نما دکرے۔

یہاں اس تبصیر کے لیے صراحت کر دینا ضروری ہے کہ عورت صنفِ جمیلہ ہے، لہذا وہ حسنِ آزادی
 کی سزاوار ہے۔ حسنِ آزادی سے مراد تقدیری آزادی ہے، یعنی ایسی آزادی جو اس کی جسمانی و دماغی
 صلاحیت، طبعی و منفی تقاضے اور ذوق کے مطابق، نیز شخصیت کے شایانِ شان ہو۔ عورت بہت
 ہنسی و ظہری حیاد و تقویٰ، پاسِ سنت و عصمت اور احساسِ عزتِ نفس کے اپنے اندر جنسی جذبہ کو
 اس کا زوج مرد جنسی انجذاب کا شدید داعیہ رکھتا ہے، لہذا عورت کی تقدیری آزادی ایسے امور و
 غمروں کو چاہتی ہے، جن میں وہ بے خوف و خطر ہر لی انداز میں اپنے ذوق و فرائض سر انجام دے
 سکے اور کوئی مرد اپنی جان کے خوف سے اس کے حق پر ہی وہ طبعی تقاضے کو پال کر نہ کی جاسکتا نہ
 کر سکے، حکومتِ اسلامی حکمرانِ عدل و صالح، عدلیہ، آزاد و موثر اور منظم پورے سمیت فلاح و فتنے
 در دین نہ رہے، نیز معاشرہ بھی صالح ہو تو عورت کو ملک و قوم کی ترقی و خوشحالی کے لیے اپنی وہی
 کتب و صلاحیتوں کا مفید ہر کرے اور اس طرح اپنی معاشرتی ذمہ داریوں سے بطریقِ احسن نمونہ
 ہونے کے لیے حسین احوال و ظرف میسر آسکتے ہیں، جنہیں پیدا کرنا حکومت کے فرائض منصبی میں
 شامل ہے، ایسے صالح معاشرے ہی میں نہ چارز جنسی اختلاط یا زنا کی سزا بڑی سے بڑی مقرر کی
 جاسکتی ہے، نیز ساری معاشرے میں ساری قوانین کے مطابق سزا دینا عدل نہیں کہہ سکتے۔ اور
 عدل و انصاف میں ساری معاشرہ عطا ہے۔

ساری میں عورت بھی مرد کی طرح یہاں نے اور احوالِ صالحہ کرنے کی مکلف ہے اور اپنے
 مقدم و عمل کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ اور قانون مجازت کی مستوجب ہے۔ عملِ صالح
 زینتِ تہ و علاح قرآنی ہے، جس کا مطلب ہے ہر وہ حسنِ عمل جس سے دُنیوی و اخروی حسن

حاصل ہوتی ہو۔ حسنہ بھی اہم ترین مصطلحات قرآنی میں سے ہے اور اس نے سے خوشحالی و فرخندہ طمانیت و مسرت، عزت و وقار، قناعت و سکینت، راحت و آرام، رحمت و مغفرت ہی اور نفاذ و اکرام اور قرة العین اور سبب انداز میں تقدیر خوف و حزن کے معافی میں متعال کیا ہے۔ اس سے مستنبط ہوا کہ عورت کو ایسے تمام امور میں حصہ لینے کی آزادی ہونی چاہیے، جن سے دنیوی و آخرونی حسنہ حاصل ہوتی ہو۔ ان تمام امور کو مقرر کرتے ہوئے فیہ فی الشوریٰ کو جہاد کرنہ ہوگا کہ عورت حُسنِ آزادی کی مستحق ہے یا نہیں؟ آزادی نسواں کا ایک اہم ضمنی مسئلہ عورت کی رُش و زیبائش و رُش و زیبائش کی جستجو کی جاتی ہے۔

۳۔ آرائش و زیبائش، مثلاً بال ترشی، زیبائش کیسو و بر و تلوسین، خن، تصویر با فوٹو گرافی، سادگی کے محاسن، ہنر، لیکن جمالِ آرائی صنفِ جمیلہ کا طبعی فاعل بھی ہے ورنہ بہت بھی ہندوستانی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم اور احادیثِ جلیلہ کی رو سے عورت کو رُش و ترشیں کرنے کی غنیمت ہے، لیکن نام نہاد مذہبی پیشوائیت سادہ دل مسلمانوں کی جذباتی خوشنودی حاصل کرنے و اپنی بدہیزگری اجاڑ کرنے کی فنِ ظہر مند حیل با آرائش و زیبائش کو ناجائز قرار دیتی ہے، حالانکہ معاشرے میں ن کا رُش و زیبائش ہے یہ درست ہے کہ قرآن مجید کی رو سے عورت کو ہر عام اپنی اشیائے زیب و زینت کی تلاش کی اجازت نہیں، لیکن گھروں میں انھیں یا کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ یہ وہ سوں سے جڑی ہے کہ رُش و زیبائش میں بترینیکش کی طرح فحش پیدا کر رہا ہے جسے اجتہاد کے ذریعے زکوان، فیہ فی الشوریٰ کے فرائض منصبی میں سے ہے۔

۴۔ میرانی کھیل، عورت کی تعلیم و تربیت و زندگی و عمل کی آزادی کے مناسبت ہیں میرانی کھیل کھیلنے کی آزادی کا مطالبہ بھی شامل ہے۔ اس مطالبے کے حق میں جو درمل وسیعہ جاسکتے ہیں ان کا فائدہ یہ ہے۔ میرانی کھیل عورت کو تندرست و صحت مند، مضبوط و حوصلہ مند بناتے ورنہ میں خود غرضی پیدا کرتے ہیں اور ایسی عورت ہی اپنی طرح تندرست و توانا و جرات مند و خود اعظم و پیچھے پیر کر سکتی ورنہ کی بطریق احسن تربیت کر سکتی ہے۔ ہرگز تندرست و توانا جسم میں صحت مند و حرکی و فنی

دعا کا ہوتا ہے اور انسان اپنی وہمی۔ کٹھنابی صدی جتنوں کو احسن طریق سے بروئے کار کر سکتا ہے۔
ہند میں عتبر سے عورت کے باب میں میدانی کھیلوں کی ہیئت سے نہ رہیں یہ جانت لیکن
جہاں تک کھیلوں کی تماشائی کا تعلق ہے یہ سوں عورت کے حسن کی زدی کے لئے سے وابستہ ہے۔
مگر بہر حال یہ فیض شوری کے ایک فیصلے کا سبب بن گیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ زندگی بذات خود انتہائی اہم ہے۔ ہند میں اس کا ہر منہا، چاہے بادی النظر میں
بھول ہو یا نہ ہو۔ ہم در عین حال ہوتا ہے۔ چونکہ حل سب مسائل قوم میں شکوک و شبہات اور دشمنی
عقالت سے پیدا کرتے ہیں، ہند میں رجحان شوری کے ذریعے حل کرنا سماجی حکومت کے سربراہ
کے فرائض منجھی میں شامل ہے۔ میرے نزدیک یہ اس کی اہم ترین ذمہ داریوں میں سے ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ قدرت جب ملکیت میں تبدیلی ہوئی اور لوگ نے سیاسی منہا کی بنیاد پر
اجتہاد شوری کی ذمہ داری سے کن رہ کشی ختم کرنا تو انھوں نے بلیسی سیاست کے موثر کامیاب
نمونہ کوٹ ڈنور حکومت کرو، کو اپنا کراجتہاد کی ذمہ داری میں پیشوائیت کو تقویٰ لیں کر دی

اور اس طرح سماجی معشرے میں تشقت و تفرق کا رچا ہوا اور
انتہائی سادگی سے کہا گیا "ملوک" حالت

اس کے نتیجے میں سماجی معشرے میں مختلف مذاہب یا فرقوں کا نمودار ہوا، دین کی اصل
سے شریعت و تفریق کی بکثرت شائیں پھیل گئیں اور اختلافات و تفرقات کے دبیرہ ردوں میں
دین کی اصل ہی تشویش سے اوجھل ہو گئی اور سماجی زندگی ایک محور کے بجائے ن گنت مداروں پر
گردش کرنے لگی۔ دین میں وحدت فکر و نظر رہی نہ تھی اور ایک نکتہ اقران رہا، لیکن قرآن نہ رہا؛
دین سماجی ملک بن گیا اور سماجی معشرہ مختلف "مسلم" معاشروں میں منقسم اور تبدیل ہو گیا۔
میری سب سے اہم مسئلہ کی یہ صورت حال ہے۔ پوچھتے ہیں!

کچھ علاج اس کا بھی اسے پارہ گراں ہے کہ نہیں؟

میرے نزدیک اس کا بیک ہی علاج رہ گیا ہے اور وہ ہے!

ملوکیت و ہامانیت اور آذریت و تارونیت کا استیصال بہ ضربتِ حُسنِ القلوب

حواشی

۱۔ البقرة ۲: ۲۲۳۔

۲۔ مہرِ کتبِ حدیث و سیرت طیبہ سے ثابت ہے کہ بنی کرم صلی اللہ علیہ وسلمؐ چار سو دینِ دہر
باندھے تھے، دیکھیے مصنف کی کتاب پیغمبرِ اعظمؐ و آخرؐ، فیروز سنز پبلیشرز لاہور۔

۳۔ اصول النفع البقرة ۲: ۲۱۹؛ الرعد ۳: ۱۷۔

۴۔ سلبی اخلاقی قدریں : (Negative ethical values)۔

۵۔ جہابیاتی اخلاقی اصول : (Abrahamic ethical principles)۔

۶۔ باب ۳۴ و ۳۵۔

باب ۸۱

عرف آخر

گردینِ سدرم کی اساس توحید ہے، اور یقیناً ہے، اس لیے کہ اس پر خود اللہ تعالیٰ کا کلام
 آخر قرآن حکیم اور اس کے پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ حنفہ شاہد ہے تو پھر ہمیں
 اپنے موجودہ غیر اسلامی و سرکاری معاشرے کی بیخ کنی کر کے اس کی تعمیر نو اساس توحید پر استوار کرنا
 ہوگی۔ اس کا طریق کار یہ ہوگا کہ ہمیں کلمہ توحید کے منفی و مثبت اجزائے ”لا“ اور ”الا“ پر ایک ساتھ
 عمل کرنا ہوگا۔ یہ اقرب، بغیر عمل اپنی نوعیت میں اجتہادی، جہادی و تخریبی۔ تعمیری ہوگا۔ چونکہ
 تعمیر نو سے پہلے تعمیر کمنہ کا، استیصال ناگزیر ہوتا ہے، لہذا ہمیں پہلے کلمہ ”لا“ پر عمل کرنا ہوگا، جو جملہ
 غیر اسلامی و سرکاری عقائد و عقیموں کے استیصال کا ہوتا ہے۔ چونکہ ہماری ہیئت امتیاز بنیادی طور سے
 غیر اسلامی و سرکاری ہے، لہذا احسب نقاد کی متقاضی ہے، اور ہمیں اسے بدلنے اور اس کی جگہ
 قرآنی امت مسلمہ کی قائم کرنے کی خاطر اس کا استیصال بھی بلا تاخیر کرنا ہوگا۔ ہماری ہیئت امتیاز کے
 اہم ترین جزائے بنفک جو سرکارِ مذہب میں اور فوری تخریب و بیخ کنی، نیز اپنا پن نعم البدل چاہتے
 ہیں، مفصلہ ذیل ہیں،

۱۔ قرعونی۔ یعنی یا غیر قرآنی سیاسی نظام۔

۲۔ قادیانی۔ غیر قرآنی مذہبی نظام۔

۳۔ آزادی نفس و پیشوائیت۔

۴۔ غیر قرآنی یا سرکاری ثقافتی نظام۔

اگرچہ ان نظاموں سے بحث کی جا چکی ہے، لیکن ان کی غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر تکرار

کے طور پر ان سے مزید گفتگو کی جاتی ہے۔

اور غیر قرآنی سیاسی نظام اس سے مراد یہ سیاسی نظام ہے جس میں قوت و عظمت اور اقتدار حکومت متبذل و مطلق اعنان معاشرتی سرشتوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے درحک میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے بجائے اُن کا حکم چلتا ہے حکمران موروثی، غاصب، خود ساختہ یا غیر منتخب ہوتا ہے۔ عروہ بریں وہ اپنے احکام کو مختلف ناموں سے موسوم کر کے ملک میں نافذ کر کے رعایا پر باج و جبر و کفر کرتا ہے، لیکن اُسے ظلم رکھنے کی خاطر رندوں، زردوں اور نیمیر فروش بلایق و ظلم و مرعات و غارتگری اعزازات و منافع ہائی داد و سیاسی رشوت دیتا اور ان کی حمایت و معاونت حاصل کرنے میں کوشش رہتا ہے جب وہ تخت حکومت پر بیٹھتا ہے اپنے پاؤں جہاں بیتا ہے تو دولت و شہرت کے حریفین و نیمیر فروش اہل نفاق و ظلم کی اپنی شاخ میں قصیدہ خوانی و مدح سرئی اور ذریعہ بدش کی شہیرہ پٹ سے متاثر ہو کر اپنے آپ کو نہ صرف ہائے و شرعی حکمران بلکہ قوم کا رہبر و نجات دہندہ ملک و دین کا و عدا ناگزیر محض و رابطہ عظیم سمجھنے لگتا ہے اس کے نتیجے میں اس میں تکبر و غرور کے جراثیم نشوونما پانے لگتے ہیں جو بد آخر حکمران کو فرعون بنا دیتے ہیں۔ وہ بریں وہ خوش آمد پذیر و منفق بن جاتا ہے اور جو کچھ نہ کرنا اس کی حکمت عملی کا جزو اسلم بن جاتا ہے نیز سب سے بڑی برائی و پستی و ذلیل کنی و عروہ دروغ گوئی اس کی ناگزیر ضرورت بن جاتی ہے اس کے مشیران اور مددگارین تو دن و رات رہتے ہیں جو اپنی جہاں پاتی فریب کاری و دوسرے اندر زنی سے اُسے رعایا کے احساسات و جذبات و رہا کے احوج و تلذذ و فساد سے بے خبر رکھتے اور تصویر کا صرف ایک رخ اور بھی منہ کی کر کے دکھاتے ہیں اس سے نشہ حکومت میں سرشار رکھتے ہیں اس سے معاشرے میں جو منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کی نشاندہی کی جاتی ہے:

۱۔ معاشرے میں ستم خالی و سرشتی مہلت پیدا ہوتے ہیں، جن کے باعث وہ فساد و عروہ بریں ہے اس کے نتیجے میں وہ فحش و مسکرات، جرم و گناہ، بے و شر، تشقت و فترت، عصبیت و نا اہنگی و رشک و جہل کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔

۲۔ عدل و عزیمت اور مشوروں کے یہ کیاب و گرس ہا ہوتا ہے ورق و لون کی گرفت منہ کی

لوگوں تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے۔

۳۔ مس و سرمتی کی بگڑ خوں و حزن لئے لیتے ہیں اور بل ٹھن و سرور کے اس قدر قسط پڑھ جاتی ہے کہ ان دنوں یہ فریاد کوئے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

غضب ہے کہ اس زمانے میں

ایک بھی صاحبِ سرور نہیں (عزیزِ اقبال)

۴۔ آزادی حق و نامِ شہد و شہداء ہو جاتی ہے۔

۵۔ انست قومی کی ذمے داری سے حکومت سے نب۔ ہو جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں رعایا پرورداری و ب۔ دگر گیری، حقیقت و دستِ نگر می، درمنوک و ان دے بسی کہ شر ہو جاتی ہے۔

۶۔ معاشی تنگ مکی بن بھم و استعمار و سرود پر ستوار ہو جاتی ہے۔ مزرعت و مزارعت، کریم گیری، دستِ گر می، کتن زو حاکم و در بخل و کثرتِ تیر صرف و تیر کور و رکھ جاتی ہے۔

۷۔ قسط و فجور اور جنسی بے رہداری کا باز گریم ہو جاتا ہے۔

۸۔ میں شہر میں قریب بچیک حکام کے میں بقِ صنوۃ و زکوۃ کے نفقہ منہ نہیں ہوتے اور نہ ان کی ضرورت ہی محسوس کی جاتی ہے۔ نیز نفاق و لعینہ کے فریب میں اور سنتِ حسنہ کی کھم کھما خوں و زری ہوتی ہے اور سے گناہ بھی نہیں سمجھ جاتا۔

۹۔ عزتِ ذکر و کرم کا معیار تقویٰ کے بجائے مال و دولت بن جاتا ہے۔

۱۰۔ قومی دوست کی گردش کا دائرہ اندازِ طبقہ تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔

۱۱۔ منست کشتِ طبقات کو ذلیل و حقیر سمجھا جاتا ہے۔

۱۲۔ رشوت اس قدر مہربان ہو جاتی ہے کہ ناگزیر ضرورت کے طور پر جائز سمجھ لی جاتی ہے۔

۱۳۔ قوم خود غمناور رہتی ہے نہ خود دار و امجد رہتی ہے نہ شجاع۔

۱۴۔ شک و صنف پرستی (مثلاً کا بر و پرستی، امزار و شبیہ پرستی و خوابش پرستی وغیرہ وغیرہ)

۱۵۔ قوم کا شہر زندگی بن جاتا ہے۔

۱۳۔ قوم طبقات، مذاہب، و فرقوں میں منقسم ہو جاتی ہے اور اس میں تشدد و فترت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی ہوا جاتی رہتی ہے۔

۱۴۔ قوم پس ماندہ و بد کردار اور تقلید پسند ہو جاتی ہے؛ نیز وہ اجتہاد و جہاد سے ڈرنے لگتی ہے۔

۱۵۔ کج خلق و لکاؤ کی بیماری عام ہو کر وبا کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

۱۶۔ تشہیر بالباطل کو بہترین حکمت عملی سمجھا جاتا ہے۔

۱۷۔ عورت حسنِ آزادی سمیت اپنے نظری حقوق سے محروم ہوتی ہے اور اسے کینز سمجھا جاتا ہے اور کنیہ داری کو رد رکھا جاتا ہے۔

۱۸۔ الغرض، فرعونی۔ ہامانی تک موصومت میں اول تو صلوة و زکوٰۃ، تبلیغ و اخلاق اور انصاف قرآن کے مطابق تعلیم کے نظام ہوتے نہیں، اگر ہوتے بھی ہیں تو ناقص صورت میں و قرآن و سواہ حسنہ کے مطابق اٹھیں چلا یا نہیں جاتا۔ اس کے نتیجے میں قوم جمود تعقل کا شکار ہو کر مردہ ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ اس میں آرزوئے حسن و حیات بھی بے جان ہو جاتی ہے۔

۱۹۔ قارونی یا غیر قرآنی معاشی نظام، اس سے مراد غیر قرآنی سودی، تنہائی و تنہا و معیشت ہے۔ اس کی ثروت آشامِ خانیہ کی بنا پر ہم نے اس کے لیے ”سرطانی نظام“ کی تعبیر اختیار کی ہے۔ یہ نظام، فریدہ ملکیت ہے اور اس کے زیرِ عاطفت ہی نشو و ارتقاء کرتا ہے، اس کے نتیجے میں عواقب کی فہرست طویل ہے، اس میں سے اہم ترین کی نشاندہی کر دی جاتی ہے۔

۲۰۔ دواؤں و دولت سود خور سرمایہ داروں کے قبضے میں آ جلتے ہیں اور قومی دولت اس کے زیرِ گردش کرتی رہتی ہے، جس کے نتیجے میں دیگر افرادِ معاشرہ اپنے حصے سے محروم رہتے ہیں، دولت کی حیثیت وجودِ معاشرہ کے لیے وہی ہوتی ہے جو کسی فرد کے وجود کے لیے خون کی ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کسی فرد کے وجود میں خون کی گردش متوازن نہ رہے یا اس میں رکاوٹ پیدا ہو جائے تو جن اعضا میں خون، ان کی ضرورت کے مطابق پوری مقدار میں نہیں پہنچتی، وہ تھک و مفلوج و رونا ہارہ ہو جاتے ہیں اور اس سے سارا وجود متاثر ہوتا ہے۔ یہی صورت حال وجودِ معاشرہ

کی سبب، چنانچہ عیب اس میں دولت کی گردش متوازن نہیں رہتی اور جن مسئلوں میں وہ گردش نہیں
 رہتی تو وہ سقیم و منالوج و رنہ مارہ ہو جاتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں معاشرہ کمزور و نحیف، پس ماندہ
 و گونا گونا گوں بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ سو وہ بریں، وہ ادنیٰ و اعلیٰ طبقات میں منقسم
 ہو کر فساد کا شکار ہو جاتا ہے۔ دریں عروج میں بدگمانی و ناہنگی در مناقشت و محاصرت کے
 اثر و پیردیش پانے لگتے ہیں۔ یہ صورت حال، معاشرے میں فتنہ و فساد و خانہ جنگی کا پیش خیمہ
 بن جایا کرتی ہے۔

۱۔ سود کی تسمیہ باطل اور تاویل باطل کے ذریعے۔ نفع کے نام سے موسوم کردہ کے نام پر
 کاروباری ضرورت سمجھ کر جائز سمجھ لیا جاتا ہے اور سود کی ری کو سر یہ کاری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
 یہ پندرہ مندرجہ ذیل، غفلت، کرہ کاری، دست گیری، تجارتی داروں کے مقصود، سرکاری مقسکات،
 باغیوں، سرباز، سٹریکیٹوں وغیرہ وغیرہ کی خریداری کو جائز و حلال سمجھ لیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان کا
 منافع سود ہے۔ یہ یاد رہے کہ تسمیہ باطل تاویل باطل و تسمیہ باطل کے ذریعے حرام
 کو حلال قرار دینا اس نفع کی تاویل خصوصیت ہے۔

۲۔ محنت، جو شرفِ انسانیت کی تدبیر ہے، بیکار و حرام خور استخوانی طبقوں کے
 ہاتھوں سے شرف و وقار سے محروم ہو جاتی ہے۔ در محنت کش طبقات ذیل و حقیر سمجھ جاتے ہیں
 کہ دولت کمزور انسان کا معیار بن جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں قوم طرح طرح کی معاشرتی
 بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے، مثلًا بخل و کثرت، اسراف و تبذیر، رشوت و جھبازی، قمار بازی و
 حرام خوری، جنگ و آتش، سمگلنگ، چور بازی، تجارتی بددیانتی و بدکرداری، فحش و منکرات،
 منافقت و دروغ گوئی، غصمت فروش و ضمیر فروش، دزدی و رہبری وغیرہ۔

اس ضمن میں یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ معاشرتی بیماریاں چونکہ سرکاری معاشی نظام
 کی پیداوار ہیں لہذا جب تک یہ نظام قائم رہے، ان کا علاج تحصیل حاصل ہے، اس لیے کہ یہ پیدا
 ہوتی رہیں گے، جس طرح تاریکی دکن کی میں حشراتِ رزق پیدا ہوتے در شودنا پستے رہتے ہیں۔

سرکاری معاشرے میں سرطانی مراعے کا علاج فقط ایک ہی ہے اور وہ ہے ستر سال تک ہم پر مشتمل
 حسن نقاب اور عدل و احسان پر مبنی حسین و مثالی نظام معیشت کی تعمیر نو۔ اگر یہ قیمت ہے اور
 یقیناً ہے کہ اس کی تردید کی ہمارے پاس کوئی معقول وجہ نہیں تو پھر ہم پر زمہ ہے کہ ہم صلح
 معاشرہ کی باتیں کرنے کے بجائے حسن انقلاب کی باتیں کریں، اُسے لانے کی تدبیر سوچیں اور اسے
 تیار کریں، جس کا احسن و اکمل نمونہ ہمیں پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلاب، گیارہویں صدی ہجری
 میں ملتا ہے۔

۳۔ آزری نظام پیشوائیت: یہ غیر قرآنی نہ میں ہی ہو کثرت کی ضرورت اور اس کا پیر کردہ ہے۔
 اس کے پیروں میں شرک کی صورت مشتمل ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود آزار پہنچانے کو شرک و بت پرست
 کہہ دینا نہیں کرتے۔ یہ خود بھی سرطانی طبقہ ہے اور اس کے معاون و سرپرست بھی یہی جنس فاسق
 و فانی اور فاسق و فانی طبقے ہوتے ہیں۔ آزریت کی پہچان یہ ہے کہ یہ مختلف فرقوں میں منقسم ہوتے ہیں اور
 ایک دوسرے کی تہذیب و تکفیر کرتے اور باہم دست و گریبان رہتے ہیں۔ لیکن ان میں قدر مشترک بھی
 ہے اور وہ ہے مذہبی اجارہ داری و استحصاں بالملک۔ آزری نہ میں ہر کے بعض نمایاں شخصیات یہ ہیں۔
 ۱۔ شرک و مشرکانہ رسوم، مشرک کا پروپیگنڈا، مزار و آستانہ پرستی، غیر شرک و اپنا رہ و رہ سمجھنا،
 انھیں پناہ رزق و حاجت روا، غوث و دستگیر اور فرید درس و مستجیب دعوت سمجھنا، انھیں پناہ رزق
 ان سے امداد طلب کرنا اور ان کے نام کی نذر دنیا و دین، مزاروں پر چڑھنا اور سے چڑھنا وغیرہ۔

۲۔ نذرانوں، چندوں وغیرہ کی صورت میں لوگوں کا استحصاں کرنا۔

۳۔ سب قرآن و قلم مدارس: ان میں نصاب قرآن و علوم جدیدہ خصوصاً سائنس و ٹیکنالوجی
 کے مضامین، نیز قلم گوشتی ممنوعہ سمجھی جاتا ہے۔

۴۔ آزریت قومی انداز تفکر میں ثنویت پیدا کرنے کی ذمہ دار ہے۔

۵۔ جہت و دوریت کی توجہ شکنی: لیکن یہ دلیل باطل ہے کہ آزریت کے یہ مخصوص سمجھنا۔

کندوں نے اپنے تئیں باطل کے فن کے ذریعہ قرآن مجید کے حکم و تعلیمات کی صورت

کو اس بری طرح کیسے دیکھ کر ہر صاحبِ دل و اہلِ نظر پر جلیل کے حضور یہ فریاد کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

احکام تیرے حق میں مگر اپنے مفتر

تاویل سے قرآن کو بنا دیتے ہیں پاژند (اقبال)

۴۔ غیر قرآنی یا سرطانی ثقافتی نظام، یہ ثقافت رنگِ فرعون و قارونی سے مزین ہوتی ہے اور اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کا مزاج تکبرانہ، ردیہ تکاثرانہ اور اندازِ مخمورانہ ہوتا ہے۔ اس کے بعض امتیازی سلبی خصائص مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ثقافت کے رنگِ حیا کی بے آب و تابی۔ یہ یاد رہے کہ ”حیا“ اسلامی ثقافت کی مایہِ امتیاز خصوصیت ہے۔

۲۔ طہارت و نظافت اور دشیزگی و عفت سے بے نیازی۔

۳۔ فحشاء و منکرات، جرم و گناہ اور ظلم و عدوان کی فراوانی۔

۴۔ مشرکانہ رسومات کی جبرہ سامانی۔

۵۔ رسوماتِ قبیحہ کی گرم بازاری، برنگِ اسراف و تبذیر اور باندازِ تکاثرانہ۔

۶۔ لہو و لعب، مسکرات و قمار بازی اور رقص و سرور کی مقبولیت و گرم بازاری اور تشہیرِ بالابل۔

۷۔ مال و دولت، قوت و اقتدار، شان و شوکت، نام و نمود اور عزت و شہرت میں دوسروں سے بڑھ جانے کی طلب و سعی۔

۸۔ ثقافتی تضادات: (ا) ایک طرف بے حجابی برنگِ غربانی اور دوسری طرف پابندیِ حجاب

برنگِ ظالمانہ؛ (ب) ایک جانب صنفِ جمیلہ کو زینتِ محفل بننے اور کھل کھلنے کی آزادی اور

دوسری طرف اس کی محکومی و غلامی اور خانہ بندی؛ (ج) ایک طرف اس کی مرد پر حکمرانی اور

دوسری طرف اس کی مظلومی و بے بسی (د) ایک طرف کبر و غرور کے ”فدائی“ مناظر اور دوسری

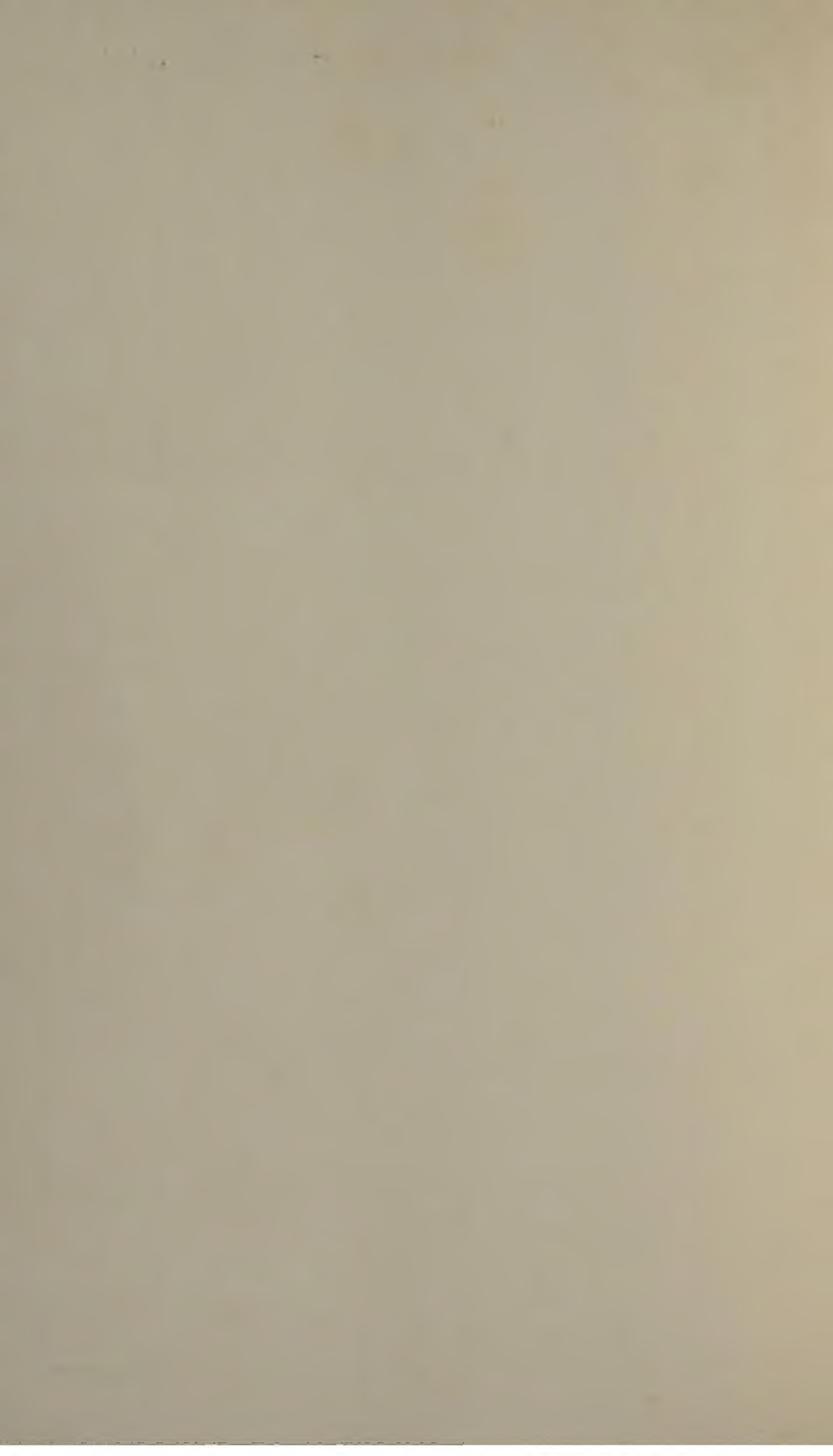
طرف ”انسان“ کی تحقیر و تذلیل کے عبرت ناک نظارے؛ (ه) ایک طرف بخل و شحِ نفس کے

اور دوسری جانب اسراف و تبذیر کے نظام سے (د) ایک طرف زندگی کے ہنگامے اور
بزم آرائیاں اور دوسری طرف احساس تنہائی کی نیش زبیاں؛ (ز) ایک طرف خود فراموشی
خدا فراموشی کے اور دوسری طرف خود غرضی و خود فریبی اور خدا فریبی و خدا پرستی کے نظام سے۔
۹۔ ابلیس کی جمالیاتی فریب کاری و جعل سازی اور انسان کی فریب خوردگی و ضلالت کے عبرت ناک
نظام سے۔

الغرض، فرعون، قارونی ثقافت ابلیس کی جمالیاتی فریب کاریوں کو جو لانگاہ ہوتی ہے اور
خود اگاہ و خدا شناس اہل ایمان کے سوا عام لوگوں کی حالت کچھ ایسی ہوتی ہے جیسے زندانِ خراباقتی کی
نشتے میں ہوتی ہے۔ اول تو وہ حق کی بات سنتے ہی نہیں، اگر سنتے بھی ہیں تو گوشِ فراموش و بیدلی
کے ساتھ۔ اسی طرح اول تو وہ آیاتِ الہی دیکھتے ہی نہیں، اور اگر دیکھتے بھی ہیں تو دلِ نامشہود و دیدہ
مغمور کے ساتھ۔ صرف اللہ تعالیٰ اور قرآن مجید کی بات کر دتوان کو سخت ناگوار گزرتی ہے اور وہ
بدک جاتے ہیں، لیکن معبودانِ باطلہ اور لہو لعب کی باتیں ہوں تو محفلِ خوب جیتی ہے۔ باتیں آسمان
کی ہوں یا زمین کی، سچی ہوں یا جھوٹی، معاشرتی سرطانوں کو گوارا ہوتی ہیں، لیکن ان کے ظلم و استعلا
یا جرم و عدوان کی بات ہو اور سچی بھی ہو تو ان پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے اور حق گو کے خلافِ آواز
تکفیر و تعزیر سے فضا کو بج اٹھتی ہے۔ اس نظامِ ثقافت میں جینے کے کچھ اپنے آداب ہیں اور وہ
ہیں: چشم بند و گوش بند و لب بر بند۔

ان مباحث کا ماحصل یہ ہے کہ جس معاشرے میں حکمرانی معاشرتی سرطانوں کی ہو، قصداً عدل
مکرم انسانی ہو، ظلم ہو، لیکن دستورِ زبیاں بندی بھی ہو تو پھر عزتِ دایرہ و آزادی و خوشحالی سے
جینے کی ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ ہے:

قرآن مجید اور رحمۃ اللعالمین کے اُسوۂ حسنہ کے مطابق حسن انقلاب کے ذریعے معاشرتی
سرطانوں کا اتنیصال اور معاشرتی نظام کی تشکیل نو۔



ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
کے مایہ ناز تصانیف

پیغمبر عظیم و آخر

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شہرہ آفاق کتاب، جس پر رابطہ عالم اسلامی نے
مصنّف کو گرانقدر انعام دیا۔

رُودادِ سفرِ حجاز

اس کتاب کے مطالعے سے قاری پر وہ حقائق مُنکشف ہوتے ہیں جن کے
ادراک سے انسان خود آگاہ و دانائے راز بنتا ہے۔ عازمین حج کیلئے بہترین رہنما۔

اسلامی ثقافت

اسلامی ثقافت پر نہایت مؤثر اور فکر انگیز کتاب، قرآن حکیم اور احادیث
نبویؐ کی روشنی میں۔

حُسنِ انقلاب

اسلام کے مثالی سیاسی، معاشی و ثقافتی نظام کا نہایت مدلل تجزیہ۔

فیروز سنٹر لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

